جدید تحقیق شدہ ایڈیشن

حدیث خیر و شر

تالیف

مولانا عبد المتین میمن جونا گڈھی

تعلیق و تحشیہ

مولانا عبد اللطیف اثری
استاذ تفسیر و حدیث جامعہ عالیہ عربیہ مئو

مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی

MAKTABA AL-FAHEEM
Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph.: (O) 0547-2222013, Mob 9236761926, 9889123129, 9336010224
Email :faheembooks@gmail.com
WWW.faheembooks.com

نام کتاب : حدیث خیر و شر

تالیف : مولانا عبدالمتین میمن جوناگڈھیؒ

تعلیق وتحشیہ : مولانا عبداللطیف اثری

طابع وناشر : مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی

کمپوزنگ : الفہیم کمپیوٹر مئو

سال اشاعت : جون ۲۰۱۳ء

تعداد اشاعت : ایک ہزار ایک سو

صفحات : 240

باہتمام

شفیق الرحمٰن، عزیز الرحمٰن

مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی

MAKTABA AL-FAHEEM
Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph.: (O) 0547-2222013, Mob. 9236761926, 9889123129, 9336010224
Email :faheembooks@gmail.com
WWW.faheembooks.com

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلمۃ الناشر

برصغیر ہندو پاک کے وہ علماء جو اپنے علمی کارناموں کی وجہ سے عقیدت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اور جن کی تحریروں کو قبول عام حاصل ہے ان میں ایک نمایاں شخصیت مولانا حافظ عبدالمتین جونا گڈھی رحمہ اللہ کی بھی ہے۔ آپ ایک نڈر و بے باک خطیب اور معتبر منتظم، مدرس ومصنف تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد یوں تو سات سے زائد ہے لیکن ان میں سب سے مشہور تالیف ''حدیث خیر وشر'' ہے۔ جو محمد پالن حقانیؒ کے مذہب اہل حدیث پر اعتراض کا جواب ہے۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ صاحب مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوریؒ نے بعض استفتاء کے جواب میں مجمل جواب دے کر مفصل معلومات حاصل کرنے کے لئے اس کتاب کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے۔

کتاب کی اسی اہمیت کے پیش نظر مکتبہ الفہیم مئو کے ذمہ داران نے کئی برس پہلے ہی اسے اپنے طباعتی پروگرام میں شامل کر رکھا ہے۔ کتاب چونکہ بعض اعتراضات کے جواب میں لکھی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ جواب کا ایک خاص انداز ہوتا ہے اس لئے کتاب کو ہر ایک کے لئے مفید بنانے اور اس کے اندر نکھار پیدا کرنے کے لئے مکتبہ نے حضرت مولانا عبداللطیف اثری حفظہ اللہ سے اس پر مفید حاشیہ وتعلیق کی درخواست کی اور موصوف نے اس درخواست کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے صرف ایک ماہ کے قلیل عرصے میں حواشی کا کام مکمل کر کے مکتبہ کے حوالے کر دیا، لیکن افسوس کہ بعض مجبوریوں کے پیش نظر اس کی طباعت بروقت نہ ہو سکی۔

اتفاق سے اس کتاب کے ایک جدید ایڈیشن پر نظر پڑی جس کو مراجعہ کے بعد شائع کیا گیا ہے، لیکن افسوس کہ کتاب پڑھنے کے بعد یہ حقیقت سامنے آئی کہ محض فریب دینے کے لئے اس پر مراجعہ کا لیبل لگایا گیا ہے کیونکہ مراجعہ تو درکنار سابقہ ایڈیشن کی کتابت کی غلطیوں

کو بھی درست نہیں کیا گیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مراجعہ کی خدمت کا انتساب جس عالم دین کی جانب کیا گیا ہے ان کو اس کی خبر بھی نہیں ہے کیونکہ کتاب کا مراجعہ ہوا ہی نہیں ہے۔

مذکورہ ایڈیشن کے ناشر کے بارے میں تو کچھ کہنا بیکار ہے کیونکہ ماضی قریب میں ''مسلک سلف کے فروغ کے لئے کوشاں'' کا دعویٰ کرنے والے نے جو مذبوحی حرکت کی ہے اس سے جماعت کے لوگ واقف ہیں اور ایسی صورت بھی سامنے آئی ہے کہ کتاب کا مصنف مولف مرتب کوئی ہے اور پوری ڈھٹائی کے ساتھ اس کا نام نکال کر دوسرے کا نام لکھ کر اس کی پوری محنت کو دوسرے کے کھاتے میں ڈال دیا گیا ہے۔ مقدمہ کسی کتاب کا ہے اور اسے کسی دوسری ایسی کتاب کا حصہ بنا دیا گیا ہے جو اس موضوع کی کتاب ہی نہیں ہے۔ اور پھر یہ بلند بانگ دعویٰ بھی ہے کہ ''زر کثیر'' صرف کر کے اس کا حاشیہ لکھوایا ہے۔ الامان والحفیظ۔

ذمہ داران مکتبہ الفہیم مئو نے حضرت مولانا اثری صاحب سے یہ بھی گزارش کی تھی کہ وہ حواشی وتعلیقات سے متعلق کچھ باتیں لکھ دیں لیکن عدیم الفرصتی کی بنا پر موصوف نے معذرت کر لی۔ اور کہا کہ کتاب کا مطالعہ کرنے والا خود محسوس کرے گا کہ حواشی لکھنے کا مقصد کیا ہے۔

اس بات کا پورا خدشہ ہے کہ جماعت کے لئے ''سارے جہاں کا درد'' رکھنے والے بعض ناشرین کتاب کے منظر عام پر آتے ہی کلمۃ الناشر ومحشی کا نام حذف کر کے یا پھر اپنی محبوب یا فرضی شخصیت کو اس کا کریڈٹ دینے میں حتی الامکان عجلت سے کام لیں گے جیسا کہ ماضی میں ہوتا رہا ہے، لیکن پھر بھی کتاب اس امید کے ساتھ پیش ناظرین ہے کہ وہ اصلی وجعلی کا فرق ضرور محسوس کریں گے۔ وأفوض أمری إلی اللہ والشکویٰ إلیہ۔

مدیر

مکتبہ الفہیم،مئو

25.03.2011

بسم اللہ الرحمن الرّحیم

کلمۃ المؤلف

حدیث خیر وشر

یعنی خیر وشر کے متعلق بیان کرنے والی حدیث

عن حذیفۃ بن الیمان رضی اللّٰہ عنہ یقول کان الناس یسألون رسول اللّٰہ ﷺ عن الخیر وکنت أسألہ عن الشر مخافۃ أن یدرکنی فقلت یا رسول اللّٰہ إنا کنا فی جاھلیۃ وشر فجاء نا اللّٰہ بھٰذا الخیر فھل بعد ھٰذا الخیر من شر؟ قال: نعم قلت: وھل بعد ذٰلک الشر من خیر، قال: نعم وفیہ دخن، قلت: ومادخنہ؟ قال قوم یستنون بغیر سنتی ویھتدون بغیر ھدیی تعرف منھم وتنکر فقلت: فھل بعد ذلک الخیر من شر قال: نعم. دعاۃ علی أبواب جھنم من أجابھم إلیھا قذفوہ فیھا فقلت یا رسول اللّٰہ صفھم لنا قال: نعم ھم قوم من جلدتنا ویتکلمون بألسنتنا قلت: یا رسول اللّٰہ! فما تریٰ إن أدرکنی ذلک قال: تلزم جماعۃ المسلمین وإمامھم فقلت: فإن لم یکن لھم جماعۃ ولا إمام قال: فاعتزل تلک الفرق کلھا، ولو أن تعض علیٰ أصل شجرۃ حتی یدرکک الموت وأنت علیٰ ذٰلک۔❶

❶ بخاری ج۱ص۵۰۹کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام / ج۲ص۱۰۴۹ کتاب الفتن باب کیف الأمر إذا لم تکن جماعۃ۔

مسلم ج۲ص۱۲۷کتاب الإمارۃ باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظھور الفتن وفی کل حال وتحریم الخروج من الطاعۃ وملازمۃ الجماعۃ۔(الفاظ مسلم کے ہیں)

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمانؓ بیان کرتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں پوچھتے تھے اور میں شر کے بارے میں آپ سے پوچھتا تھا، اس ڈر سے کہ کہیں وہ مجھے لاحق ہو جائے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم لوگ برائی اور جاہلیت میں پھنسے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس خیر یعنی اسلام کو لے آیا، کیا اس خیر کے بعد شر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، پھر میں نے عرض کیا، کیا اس شر کے بعد خیر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اور اس خیر میں دھواں یعنی کدورت ہوگی، میں نے عرض کیا یہ کدورت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک قوم ہوگی کہ راہ اختیار کریں گے میری راہ کو چھوڑ کر، اور لوگوں کو راہ بتائیں گے میری راہ کے علاوہ، ان کی بعض باتیں تم پہچان لو گے (کیونکہ وہ اللہ ورسول ﷺ کی ہوں گی) اور بعض باتیں ان کی تم نہیں پہچانو گے (کیونکہ اللہ ورسول ﷺ کی نہیں ہوں گی) میں نے عرض کیا کہ اس کدورت والی خیر کے بعد شر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! ہاں! جہنم کے دروازوں کی طرف بلانے والے ہوں گے، جو شخص ان کی بات قبول کرے گا وہ اسے جہنم میں پھینک دیں گے، میں نے عرض کیا کہ ان لوگوں کا حال ہم سے بیان کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ہماری قوم میں سے ہوں گے، (یعنی اسلام کا دعویٰ کریں گے) اور ہماری زبان میں بات کریں گے (یعنی وہ بھی قرآن وحدیث کا نام لیں گے لیکن تاویلیں کر کے یا خیانت کر کے مطلب الٹ کر رکھ دیں گے) میں نے عرض کیا اگر وہ وقت مجھے آلے تو میرے لئے کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑ لینا، میں نے عرض کیا (کہ ایسے پُر فساد وقت میں) مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو نہ پاؤں اور وہ نہ ہوں تو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان تمام فرقوں سے الگ ہو جاؤ اگر چہ تم کو کسی درخت کی جڑ چبا کر ہی کیوں نہ رہنا پڑے، یہاں تک کہ تمہاری موت کا وقت آجائے اور تم تمام فرقوں سے الگ ہونے کی حالت میں ہی ہو“۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ حیرت انگیز پیشین گوئی آج حرف بہ حرف صحیح ثابت ہورہی ہے جس میں تین طرح کے لوگوں کا تذکرہ ہے، آپ اپنے آس پاس نظر دوڑایئے! ایسا فرقہ ملے گا کہ جو اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ دوسروں کی بھی اطاعت کرتے ہیں اور ایسا فرقہ بھی ملے گا جو کھلم کھلا شرک وگمراہی کی طرف بلاتے ہیں، اور ایسا گروہ بھی ملے گا جو ہر فرقہ سے الگ ہوکر صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہی اطاعت کو اپنا مذہب سمجھتے ہیں اور انہی (موخر الذکر فرقہ) پر اعتراضات کئے گئے ہیں جن کا جواب اس کتاب میں دیا گیا ہے۔

عبدالمتین

۱۲/۱۰/اکتوبر ۱۹۸۱ء

اہل حدیث صاحبان پر حقانی صاحب کے

شرانگیز اعتراضات

اور ہاتھ کے ہاتھ ان کے مختصر الزامی جوابات

مولانا حقانی صاحب ❶ اپنی کتاب ''شریعت یا جہالت'' ❷ اضافہ شدہ کے ص۱۸۲ پر لکھتے ہیں:

''یہ پانچویں جماعت والے جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں کچھ مسئلوں میں ان چاروں اماموں سے علاحدہ ہیں۔ چاروں مسلک والے تراویح کی بیس رکعت پڑھتے ہیں لیکن یہ صاحبان تراویح کی صرف آٹھ رکعت پڑھتے ہیں۔ چاروں مسلک والے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں یہ صاحبان ایک ہاتھ سے

---

❶ غالباً مولف کتاب سے یہاں سہو ہو گیا ہے کہ انھوں نے حقانی صاحب کو مولانا لکھ دیا یا کاتب کی کرم فرمائی ہے ورنہ کتاب میں جہاں جہاں حقانی صاحب کا نام آیا ہے وہاں صرف حقانی صاحب لکھا ہے ثبوت کے لئے دیکھیں ص۲۴، ۳۱، ۳۹، ۵۳ وغیرہ۔ حقانی صاحب مولانا نہیں تھے اور نہ ہی وہ عربی عبارتیں سمجھ سکتے تھے وہ صرف ترجمہ سے ہی کام چلاتے تھے۔ جیسا کہ مولف کتاب نے کئی جگہ اس کا ذکر کیا ہے مثال کے طور پر دیکھیں ص۳۱، ۳۷، ۴۰، ۶۰، ۶۴، ۱۲۲ وغیرہ۔ پاکن حقانی ابتدا قوال تھے۔ آواز اچھی تھی اس لئے پورے ذوق وشوق کے ساتھ سنے جاتے تھے۔ بعد میں اپنی ہر تقریر میں اپنی قوالی کا نمونہ ضرور پیش کرتے تھے اور اپنی خوبی کو وہ ایک مجذوب کی توجہ کا ثمرہ خیال کرتے تھے۔ اور اسے فخریہ بیان بھی کرتے تھے۔ افسوس کہ بعض لوگوں نے بلاتحقیق انہیں مشہور حنفی عالم لکھ کر مولف کی تحریر کی تردید کی ہے۔

❷ ''شریعت یا جہالت'' حقانی صاحب کی ایک کتاب ہے جو اچھے انداز میں لکھی گئی ہے اور اس کتاب کی تالیف میں ایک اہلحدیث عالم نے ان کی پوری پوری مدد کی ہے۔ ورنہ وہ تو صرف ترجمہ ہی سے استفادہ کر سکتے تھے۔ لیکن افسوس کہ اس کے جدید ایڈیشن میں انھوں نے مسلک اہلحدیث کے بارے میں بہت سی غلط باتیں لکھ دی ہیں۔ ''حدیث خیر وشر'' درحقیقت اسی جدید ایڈیشن کے اضافات کا جواب ہے۔

کرتے ہیں۔ چاروں مسلک والے جمعہ کے خطبہ سے آدھا گھنٹہ پہلے جواذان دیتے ہیں وہ اذان حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے سے شروع ہوئی ہے اس پر چاروں مسلک والوں کا عمل ہے یہ صاحبان اس پر عمل نہیں کرتے۔ چاروں اماموں کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی سمجھی جاتی ہیں لیکن یہ صاحبان تین کو تین نہیں بلکہ ایک ہی مانتے ہیں۔ ❶ چاروں مسلک والے فقہ کو مانتے ہیں اور اہل حدیث صاحبان نہیں مانتے بلکہ فقہ کو فتنہ کہتے ہیں اور ہر بات کے لئے حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان باتوں میں جمہور علماء کا فتویٰ ایک طرف ہے اور ان صاحبوں ❷ کا عمل دوسری طرف ہے۔ بہر حال وہ عمل جس طرح چاہے کریں اس پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ان اہل حدیث صاحبان کو جمہور علماء کرام پر اعتراض ہے۔ یہ جہالت نہیں تو اور کیا ہے"۔

جوابات

یاحیّ یا قیوم برحمتك استغیث

(اے حی وقیوم خدا! تیری ہی رحمت کا آسرا لیتا ہوں)

معترض نے چاروں مسلک اور چاروں اماموں کے اتفاق اور جمہور علماء کرام کی رائے کا جو دعویٰ کیا ہے اور اہل حدیث صاحبان کو ان کے خلاف بتا کر جہالت کا طعنہ دیا ہے، اس دعوے کو کھرا کھوٹا جانچنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ دکھانا بہت مشکل ہے، کیونکہ یہ چاروں مذاہب پیارے پیغمبر ﷺ کے بہت بعد میں ترتیب دیئے گئے ہیں۔ لہٰذا معترض کی بات درست ہے یا نا درست۔ یہ جاننے کے

---

❶ اہل حدیث کا عمل حدیث رسول ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنتی (موطا) پر ہے اسی لئے وہ ہر شرعی بات میں قرآن وحدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔ اور یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔

❷ حقانی صاحب کی کتاب میں یہ لفظ اسی طرح ہیں۔

لئے ان چاروں مذہبوں ہی کو دیکھنا پڑے گا۔آیئے پہلے مختصر طریقے پر ہم روشنی ڈالتے ہیں۔پھر بعد میں ان شاء اللہ تھوڑی تفصیل سے جوابات لکھیں گے۔

پہلی بات کا مختصر جواب

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ بغداد میں وارد ہوئے تو ایک اہلحدیث نے سوال کیا کہ رطب کی بیع تمر سے جائز ہے یا نہیں''۔(غایۃ الاوطار اردو ترجمہ درمختار جلد۲ص۱۳۰) ❶

حنفی مذہب کی اس کتاب کے حوالے سے معلوم ہوا کہ اہل حدیث سیدنا امام اعظمؒ کے زمانے میں موجود تھے اور امام موصوف رسول اللہ ﷺ کے صرف ستر سال بعد ۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔

مولانا فقیر محمد جہلمی حنفی اپنی کتاب حدائق الحنفیہ ص۱۳۴ پر لکھتے ہیں:

''سفیان بن عیینہؒ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے امام اعظمؒ نے مجھے اہل حدیث بنایا تھا''۔ ❷

مطلب یہ ہوا کہ امام اعظمؒ نہ صرف اہل حدیث تھے بلکہ اہل حدیث بناتے بھی تھے۔

امام ابن تیمیہ حنبلیؒ منہاج السنۃ جلد چہارم ص۱۴۳ میں امام شافعیؒ کے متعلق لکھتے ہیں: اخذ مذهب اهل الحديث واختار لنفسه امام شافعیؒ نے مذہب اہل حدیث قبول کرلیا اور اپنے لئے اسی مذہب کو پسند کیا۔

معلوم ہوا کہ امام عالیؒ مقام کے زمانے میں اہل حدیث تھے اور خود بھی نہ

---

❶ غایۃ الاوطار اردو ترجمہ درمختار ج۳ص۱۲۹/ حدائق الحنفیہ ص۱۲۸۔حدائق الحنفیہ میں امام صاحبؒ نے اس سوال کا جو جواب دیا ہے وہ بھی موجود ہے۔

❷ حدائق الحنفیہ مطبوعہ مکتبہ رضویہ ص۱۹۰۔اس نسخہ میں عبارت یوں ہے'' پہلے پہل امام ابوحنیفہؒ نے مجھ کو محدث بنایا ہے''۔

صرف اہل حدیث تھے بلکہ دوسروں کو بھی اہل حدیث بناتے تھے اور باقاعدہ اہل حدیث مذہب جاری وساری تھا، جسے امامانِ دین اختیار کرتے تھے اور اسی کی طرف دعوت دیتے تھے۔ کیونکہ اس مذہب اہل حدیث کی اصل قرآن وحدیث کے سوا اور کچھ نہیں۔ آج بھی اگر کوئی آدمی اہل حدیث مذہب قبول کرلے اور دین کی اصل، قرآن وحدیث ہی کو مانے تو ان شاء اللہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی اور اس کے رسول ﷺ بھی اور ساتھ ہی یہ امامانِ دین بھی اسے دیکھ کر خوش ہو جائیں گے۔

پھر بھی معترض نے اپنی کتاب میں اہل حدیثوں کو پانچویں جماعت شمار کیا ہے اور اپنی کتاب کے ص۱۸۱ پر اہل حدیث مذہب کا انکار ہی کردیا ہے کہ جب چاروں مذہب نہیں تھے تو اہل حدیث مذہب بھی کہاں تھا؟ اب آپ ہی دیکھ لیجئے کہ تھا یا نہیں۔ پھر بھی اہل حدیث صاحبان کو پانچویں جماعت گنوایا، اور اس طرح اپنے امام اعظمؒ کو بھی پانچویں کالم میں ڈال دیا۔ یہ کیسے مقلد ہیں جو جماعت اہل حدیث کی دشمنی میں اپنے امام کو بھی نہ چھوڑیں۔ خدا ترسی اور انصاف کیا اسی کو کہتے ہیں۔ اہل حدیث مذہب کا مفصل مضمون آگے آئے گا، ان شاء اللہ۔

دوسری بات کا مختصر جواب

معترض نے تراویح کے بارے میں لکھا ہے کہ چاروں مسلک والے تراویح کی بیس رکعت پڑھتے ہیں۔ معترض نے یہاں بھی دھوکا دیا ہے اور دلائل کو چھپا کر صاف چوری کی ہے۔ خود حنفی مذہب بیس رکعت پر متفق نہیں ہے۔ بیس رکعت کے ساتھ ساتھ آٹھ رکعت تراویح کا ثبوت حنفی مذہب میں بیس رکعت سے بھی زیادہ شاندار الفاظ اور جاندار فتاوی سے ملتا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

”تراویح صحیح حدیث سے مع وتر کے گیارہ رکعت ثابت ہیں۔

(عین الہدایہ اردو ترجمہ ہدایہ جلد اول ص۵۶۳، نور الہدایہ اردو ترجمہ شرح وقایہ ج۱ ص۱۲۲)

''تراویح بیس رکعت کی حدیث ضعیف ہے'' (غایۃ الاوطار اردو ترجمہ درمختار جلد اول ص ۳۲۶ اور عین الہدایہ جلد اول ص ۵۶۳ اور نور الہدایہ اردو ترجمہ شرح وقایہ ص ۱۲۳) ❶

''تراویح آٹھ رکعت کی حدیث صحیح ہے'' (نور الہدایہ ص ۱۳۳) ❷

خدا کے یہاں جواب دینے کا خوف اگر معترض کو ہوتا تو اپنے ہی حنفی مذہب کے دلائل کو وہ نہ چھپاتے اور یہ چوری ان سے سرزد نہ ہوتی۔ لیکن معترض کے یہاں معاملہ خدا ترسی کا ہرگز نہیں ہے۔ پارٹی بازی کا معاملہ ہے۔ ورنہ حنفی مذہب میں تحقیقی ثبوت آٹھ رکعت کا ہے، بیس رکعت کا نہیں، دنیا میں تو امانت داری کا خون ہوسکتا ہے۔ لیکن کل خدا کے سامنے نہیں ہوسکتا۔

علامہ ابن قدامہ نے بے سند دعویٰ کیا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے بیس رکعت کو اختیار کیا (مغنی ابن قدامہ جلد ۱ ص ۱۲۳) لیکن امام بغویؒ نے تحقیق کر کے لکھا ہے کہ تراویح کی رکعتوں کے بارے میں امام احمد حنبلؒ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ (دیکھو شرح السنۃ جلد ۴ ص ۱۲۳) ❸

---

❶ صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں وأما ماروى ابن أبي شيبة في مصنفه والطبراني وعنه البيهقي من حديث ابن عباس انه عليه الصلوة والسلام كان يصلي في رمضان عشرين ركعة سوى الوتر فضعيف بأبي شيبة إبراهيم بن عثمان جد الإمام أبي بكر ابن شيبة متفق على ضعفه مع المخالفة للصحيح

(فتح القدیر مع الہدایہ ج ۱ ص ۲۰۵)

ابن ابی شیبہ طبرانی اور بیہقی نے ابن عباسؓ سے جو روایت کی ہے کہ آپ رمضان میں وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے تو یہ روایت اس کے مدار علیہ راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان کے سبب متفقہ طور پر ضعیف ہے۔ علاوہ ازیں بیس رکعت والی یہ روایت ان احادیث صحیحہ کے خلاف بھی ہے جن کی صحت پر سب کا اتفاق ہے۔

❷ حاشیہ نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ ج ۱ ص ۱۲۱۔

❸ قیام اللیل وقیام رمضان للمروزی میں ہے: قال اسحاق بن منصور قلت لاحمد بن حنبل كم من ركعة يصلي في قيام رمضان فقال قد قيل فيه ابواب نحوا من اربعين انما هو تطوع ۔ قیام اللیل ص ۹۲

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت کے مطابق ۳۸ رکعت کو پسند کیا (قیام اللیل مروزی ص ۹۲) ❶ اور ایک روایت کے مطابق صرف تیرہ رکعت کو اختیار کیا۔ (کتاب الحوادث والبدع ص ۵۶)

امام شافعیؒ نے بغیر دلیل کے صرف اہل حرمین کو دیکھ کر چالیس میں سے بیس کو اختیار کیا ہے۔ مگر اسے سنت قرار نہیں دیا۔ یاد رہے کہ احناف توارثِ اہلِ حرمین کو دلیل نہیں مانتے، بلکہ ان کے نزدیک اس طرح کی دلیل مردود ہے۔

حوالوں کے ساتھ مفصل بیان تراویح کے متعلق ان شاء اللہ آگے آرہا ہے یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ بیس رکعت پر چاروں مسلک کا اور جمہور علماء کا اتفاق بتانا بالکل جھوٹ ہے۔ اور جمہور علماء کے خلاف اہل حدیثوں کو ثابت کرنا بددیانتی ہے۔ اگر اہل حدیث صاحبان کو جمہور علماء کے خلاف معترض نے بتایا ہے تو ذرا اپنے مذہب کے بیانات کو بھی جمہور علماء کے خلاف ثابت کرتے تو ہم بھی تماشا دیکھتے۔

تیسری بات کا مختصر جواب

معترض نے چاروں مسلک والوں کے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ بات بھی بالکل بے بنیاد ہے اور خود معترض کے مذہب میں ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کا جو بیان ہے وہ بالکل چھپا گئے اور صاف چوری کی ہے۔ آیئے ذرا ملاحظہ فرمایئے۔

”مصافحہ داہنے ہاتھ سے کرنے پر اتفاق ہے“ (عین الہدایہ جلد۴ ص ۲۹۳)

”مصافحہ ایک ہاتھ سے کرنا اکثر روایات صحاح سے ثابت ہے“ (عین الہدایہ جلد۴ ص ۲۹۳)

---

❶ قیام اللیل مروزی ص ۹۲۔ الفاظ یہ ہیں: قال مالك استحب ان يقوم الناس فى رمضان بثمان وثلثين ركعة ثم يسلم الامام والناس ثم يوتر بهم بواحدة وهذا العمل بالمدينة قبل الحرة منذ بضع ومائة سنة إلى اليوم

"دوست سے ملاقات کے وقت اپنا ہاتھ چومنا جیسا جہال لوگ کیا کرتے ہیں بالا جماع مکروہ ہے"۔ (فتاویٰ عالمگیری جلد۴ص۳۴۵) ❶

حنفی مذہب میں ہی جب ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کا احادیث مبارکہ کے حوالے سے ثبوت موجود ہے تو اس کو یہود ونصاریٰ کی مشابہت بتانا اسی کا کام ہے جو اہل حدیث دشمنی میں بالکل اندھا ہو چکا ہو اور اسی اندھے پن میں اپنے مذہب کو بھی لپیٹ میں لے لے۔

میرے محترم بھائی! چاروں ائمہ یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کے لئے کہیں نہیں فرمایا۔ چاروں مسلک اور جمہور علماء کرام کا دعویٰ کرنا دن کی روشنی میں آنکھوں میں دھول جھونکنے کے برابر ہے۔ اور اہل حدیث حضرات کو غلط بتانا بہت بڑی بے ایمانی ہے۔ مصافحہ کے بارے میں بیان ان شاءاللہ مفصل دلائل کے ساتھ آ رہا ہے جسے پڑھ کر آپ حیرت میں رہ جائیں گے اور جھوٹ بولنے والوں کی قلعی کھل جائے گی۔

چوتھی بات کا مختصر جواب

خطبۂ جمعہ میں ایک اضافی اذان پر بھی معترض نے اہل حدیثوں کو طعنہ دیا ہے یہ دوسری اذان حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں مدینہ طیبہ میں وقت معلوم کرانے کے لئے دلوائی گئی اور صحیح بخاری شریف کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ بازار میں مقام زوراء پر وہ اذان دی جاتی تھی ❷ لیکن یہ تیسری اذان مسجد کے اندر دینا تو کسی روایت سے ثابت نہیں۔ علامہ عینی حنفیؒ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد۲ص۲۹۰ مطبوعہ العامرۃ

❶ الفاظ یہ ہیں: ومایفعله الجهال من تقبيل يد نفسه بلقاء صاحبه فذلك مكروه بالاجماع كذا في خزانة الفتاوىٰ (الفتاوىٰ العالمكيرية المعروفة بالفتاوىٰ الهندية ج۵ص۳۶۹ الباب الثامن والعشرون في ملاقاة الملوك والتواضع لهم وتقبيل أيديهم أو يد غيرهم وتقبيل الرجل وجه غيره ومايتصل بذلك)

❷ ملاحظہ ہو صحیح بخاری ج۱ص۱۲۴ كتاب الجمعة باب الاذان يوم الجمعة۔

میں لکھتے ہیں کہ عطاءؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے دوسری اذان ہرگز زیادہ نہیں کی بلکہ وہ تو ایک بلاوا تھا، اذان تو صرف ایک ہی تھی، خطیب کے منبر پر بیٹھتے وقت''۔ ❶

لیجئے امام عطاء تابعیؒ جو دو سو صحابہ کرام کے شاگرد ہیں اور زیارت کنندہ ہیں اور امام اعظمؒ کے استاذ بھی ہیں وہ تو یہ بھی نہیں مانتے کہ یہ اذان کے الفاظ تھے۔ وہ تو ایک قسم کا بلاوا تھا، ایک ندا تھی۔ اس کو بھی عربی زبان میں اذان کہہ دیتے ہیں۔ مصیبت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے دین میں مداخلت ہونے کے خوف سے یہ اذان مدینہ کے بازار میں دلوائی اور بھائی لوگوں نے اسے مسجد کے اندر دلوانا شروع کر دیا۔ اسے اذان بنا کر مسجد کے اندر کہلوانے والا مروانی خلیفہ ہشام بن عبدالملک تھا۔ یہ خلیفہ آل نبی ﷺ سے دشمنی رکھتا تھا۔ اور حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجھہ سے بغض رکھنا تو تاریخ کی کتابوں سے ثابت ہے۔ حنفی مذہب کی کتاب شرح وقایہ کے عربی حاشیہ عمدۃ الرعایۃ جلد اول ص ۱۹۲ پر یہ بیان موجود ہے کہ بازار میں مقام زوراء پر دی جانے والی یہ عثمانی اذان ہشام نے مسجد میں مینار پر دلوانی شروع کر دی۔ ❷ اس مروانی اذان کا چاروں امام تو کیا، روایتوں کی تخریج کرنے والے حضرات میں سے کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ باہر کی اذان مسجد کے اندر دلانا اور مروانی اذان کو عثمانی اذان بتانا اور نہ کرنے والوں پر اعتراض کرنا، ایمانداری نہیں بلکہ چوری اور سینہ زوری ہے، اس مسئلے کی تفصیل بھی آگے آپ ان شاء اللہ پڑھیں گے۔

---

❶ عمدۃ القاری ج ۶ ص ۲۷ مکتبہ زکریا دیوبند/ فتح الباری ج ۲ ص ۵۰۱۔ الفاظ یہ ہیں: قال سلیمان بن موسی أول من زاد الاذان بالمدینة عثمان فقال عطاء کلا إنما کان یدعو الناس دعاء ولایوذن غیر أذان واحد۔

❷ لکھتے ہیں: السنة فی أذان الجمعة إذا صعد الإمام علی المنبر أن یکون الموذن علی المنار کذلك کان فی عهد النبی وأبی بکر وعمر ثم زاد عثمان أذانا آخر بالزوراء وبقی الأذان الذی کان علی عهد النبی ﷺ علی المنار والخطیب علی المنبر إذ ذاك ثم انه لما تولی هشام بن عبدالملك أخذ الاذان الذی فعله عثمان وجعله علی المنار۔ (شرح الوقایۃ ج ۱ ص ۲۰۲ کتاب الجمعۃ حاشیہ نمبر ۱۴)

پانچویں بات کا مختصر جواب

تین طلاقوں کے بارے میں معترض نے دعویٰ کیا ہے کہ چاروں مذہب والے تین طلاقوں کو تین مانتے ہیں لیکن اہل حدیث صاحبان صرف ایک مانتے ہیں۔ یہ دعویٰ بھی جھوٹ ہے اور اس میں بھی چوری کی گئی ہے۔ چاروں اماموں میں سے دو امام تین طلاق دینے کو بدعت قرار دیتے ہیں اور ہمارے امام اعظمؒ کے نزدیک تو تین طلاق ایک ساتھ دینا حرام ہے، دیکھئے۔ حنفی مذہب کے حوالے۔

''ایک طہر میں دو طلاق دینا بھی بدعت ہے'' (عین الہدایہ جلد۲ص ۱۴۵)

اور تین طلاق دینا تو حرام ہے۔ ❶

''طلاق بدعی حرام ہے۔ وہ یہ کہ حیض میں طلاق دے یا جس طہر میں وطی کی ہو اس میں طلاق دے یا یکبارگی تین طلاق دے''۔

(عین الہدایہ جلد دوم ص ۱۴۳۔ نور الہدایہ ص ۲۶۴۔ غایۃ الاوطار جلد دوم ص ۹۰۔ احسن المسائل اردو ترجمہ کنز الدقائق ص ۱۲۸۔ ضروری اردو ترجمہ قدوری ص ۱۷۳۔ ❷)

ان بیانات سے معلوم ہوا کہ اول تو تین طلاق ایک ساتھ دینے سے روکنا چاہئے اور اس کے خلاف لکھنا چاہئے۔ پھر بھی اگر کسی نے تین طلاقیں ایک ساتھ دے دیں تو اس کے بارے میں خود معترض کا مذہب متفق نہیں کہ تین طلاقیں ایک وقت کی دی ہوئی تین ہی ہیں۔ کیونکہ بعض فقہاء کے نزدیک وہ صرف ایک ہی ہے۔ اسی طرح امام مالکؒ کے مذہب کے بعض جلیل القدر فقہا بھی اسی طرف گئے ہیں۔

''بعضوں کے نزدیک تین طلاق ایک جلسہ میں ایک طلاق ہوگی۔

(نور الہدایہ اردو ترجمہ شرح وقایہ ص ۲۶۴) ❸

---

❶ وكذا إيقاع الثنتين في الطهر الواحد. ہدایہ ج۲ص ۳۵۵ کتاب الطلاق باب طلاق السنۃ/ احسن المسائل ترجمہ کنز الدقائق ص ۱۲۸۔

❷ ہدایہ ج۲ص ۳۵۵۔/ نور الہدایہ ج۲ص ۳۴۔ قدوری ص ۱۷

❸ نور الہدایہ ج۲ص ۳۴

یہی بات اگر اہل حدیث کہیں اور ثبوت میں صحیح حدیثیں اور ٹھوس دلائل دیں تو وہ چاروں مذہب کے خلاف قرار پائیں اور اگر آپ ہی کی کتابوں کے حوالے سے بتائیں تو آپ کان بھی نہ دھریں۔ یہ انصاف نہیں ہے۔ طلاق کے بارے میں بھی آپ ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے۔

چھٹی بات کا مختصر جواب

فقہ کے بارے میں بھی معترض حقانی صاحب نے اہل حدیث حضرات کے خلاف زہر افشانی کی ہے۔ گزشتہ پانچ باتوں کی طرح اس چھٹی بات میں بھی صاف دھوکا دیا ہے۔ اگر معترض صاحب ہمارے مسلمہ اہل حدیث علماء سے فتویٰ لیں اور ہمارے مدرسوں میں جا کر دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ بے اصولے پن سے نہیں بلکہ نہایت احسن طریقے پر اہل حدیث حضرات فقہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ جب میں یہ سطور لکھ رہا تھا تو میرے نہایت ہی مشفق اور مخلص ذی علم دوست مولانا ابوالبیان حماد صاحب مدظلہ العالی استاذ جامعہ دار السلام عمرآباد میرے پاس تشریف فرما تھے۔ انھوں نے فرمایا ''اہل حدیث حضرات نہ صرف فقہ کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ اسے پڑھتے بھی ہیں اور پڑھاتے بھی ہیں''۔ ہم لوگ قرآن وحدیث کے بعد ضرورت پڑنے پر فقہاء کرام کے فتوؤں پر عمل کرتے ہیں اور مجتہدین کے اجتہاد اور استنباط کو مانتے ہیں ❶۔ معترض نے خوامخواہ اہل حدیثوں پر الزام لگایا ہے، کیونکہ وہ جہاں دلائل کی چوری میں مشاق ہیں وہیں وہ الزام لگانے میں بھی طاق ہیں۔ ہاں البتہ قرآن وحدیث کے صریحاً خلاف جو فقہ ہو اسے ہم تسلیم نہیں کرتے، جس کی مثالیں ہم مقلدین حضرات کے بڑے بڑے علماء کے بیانات سے ان شاء اللہ آپ کے سامنے آئندہ صفحات میں رکھیں گے۔ آپ کے مذہب کے جو زبردست علماء اور مجتہدین ہیں وہ فقہ کے بارے میں اہل حدیث

---

❶ فتاویٰ نذیریہ اور فتاوی رحمانی میں جابجا کتب فقہ کے حوالے ہیں۔ اور ان کے مطابق فتوی دیا گیا ہے۔

صاحبان سے بھی زیادہ سخت بیان دیتے ہیں۔ مختصراً یہاں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ حنفی گھرانے کے چشم و چراغ، مشہور محقق، بزرگ عالم و محدث شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی موقر کتاب "حجة الله البالغة ص٦٠" میں تحریر فرماتے ہیں:

لم یزل الناس یسئلون من اتفق من العلماء من غیر تقیید لمذهب ولا انكار علی أحد من السائلین إلی ان ظهرت هذه المذاهب ومتعصبوها من المقلدین فان احدهم یتبع امامه مع بعد مذهبه عن الادلة مقلداً له فیما قال كانه نبی ارسل وهذا نأی عن الحق و بعد عن الصواب لایرضی به احد من اولی الالباب، وقال ابوشامة: ینبغی لمن اشتغل بالفقه ان لایقتصر علی مذهب امام. ❶

"ہمیشہ سے لوگ اس بات پر تھے کہ وہ علماء کرام کے متفق فتوے دریافت کرتے تھے بغیر کسی مذہب کی پابندی کے، ان سوال کرنے والوں پر کوئی انکار اور اعتراض نہیں کرتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ مذاہب اور ان کے متعصب مقلدین ظاہر ہوئے۔ اب ان میں سے ہر ایک اپنے ہی امام کا تابع ہے اگر چہ اس کا مذہب دلائل سے دور ہو، پھر بھی وہ اسی امام کا تابع بنا رہتا ہے، گویا کہ وہ امام، اس کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ یہ مقلد حق سے ہٹ چکا ہے جس سے کوئی عقلمند راضی نہیں ہوسکتا۔ ابوشامہؒ نے کہا کہ جو شخص فقہ میں مشغول ہو اسے جائز نہیں کہ کسی ایک امام کے مذہب کا پابند ہو"۔

اہل حدیث پر طعن کرنے والوں کو چاہئے کہ اپنے گھر کی اس شہادت کا سامنا کریں۔

۲۔ کتاب شرح عین العلم مطبوعہ عامرہ استنبول ص۳۲۶ میں ملا علی قاری حنفیؒ فرماتے ہیں:

❶ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ص ۱۵۵ باب حکایۃ حال الناس قبل المائۃ الرابعۃ وبعدھا۔

ومن المعلوم أن الله سبحانه وتعالى ما كلف أحدا أن يكون حنفياً أو مالكياً أو شافعياً أو حنبلياً بل كلفهم أن يعملوا بالسنة۔❶

''اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کسی کو اس بات کا مکلّف یعنی پابند نہیں کیا ہے کہ وہ حنفی بنے یا مالکی یا شافعی یا حنبلی بنے۔ بلکہ انھیں اس بات کا مکلّف اور پابند کیا ہے کہ وہ سنت کے موافق عمل کریں''۔

۳۔ ایک مقلد امام شعرانیؒ اپنی کتاب ''المیزان الکبریٰ'' جلد اول ص ۴۷ میں لکھتے ہیں:

وكان الإمام جعفر الصادق يقول من أعظم فتنةٍ تكون على الأمة قوم يقيسون فى الامور برأيهم فيحرمون ما أحل الله ويحلون ما حرم الله۔❷

''(شہید کربلا، نواسۂ رسول، امام حسینؓ کے پوتے) امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ امت پر سب سے بڑا فتنہ یہ ہوگا کہ ایک قوم کے لوگ امورِ دین میں قیاس کرنے لگیں گے اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کام کو حرام کردیں گے اور حرام کیے ہوئے کام کو حلال ٹھہرادیں گے''۔

پہلی بات شاہ عبدالرحیم حنفی دہلویؒ کے صاحبزادے شاہ ولی اللہؒ کی وارد کردہ ہے جس میں انھوں نے متعصب مقلدین کے بارے میں بے لاگ تبصرہ کیا ہے کہ اگر ان کا مذہب صحیح دلائل کے خلاف ہی ہو تب بھی کیا مجال ہے کہ وہ دین کی صحیح دلیل کو مان لیں۔ وہ اپنے امام کی بات کو ہی اصل سمجھتے ہیں۔ امام کی اتنی تابعداری کہ اللہ ورسول کی خلاف ورزی ہوتی ہو تو ہوتی رہے۔ گویا رسول کا درجہ امتی نے امام کو دے دیا، ایسے شخص کو انھوں نے حق سے دور اور راست بازی سے الگ بتایا ہے، پھر فقہ میں

❶ دیکھیں معیار الحق ص ۵۳

❷ المیزان الکبریٰ للشعرانی ج ۱ ص ۶۲ مطبوعہ اکمل المطابع دہلی۔

مشغول ہونے والے کے لئے کسی ایک امام کی تابعداری کو جائز نہیں بتایا۔

دوسری بات ملا علی قاری حنفیؒ کی فرمودہ ہے کہ وہ کسی ایک مذہب کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے، بلکہ ضروری یہ ہے کہ آدمی سنتِ نبی پر چلے۔ معترض سے کوئی پوچھے کہ اہل حدیث اور اس کے سوا کیا کہتے ہیں؟

تیسری بات امام حسینؓ کے پوتے اور امام زین العابدینؒ کے فرزند ارجمند خانوادۂ رسول ﷺ کے شہزادے حضرت امام جعفر صادقؒ نے فرمائی ہے کہ قیاس سے قرآن وحدیث کو الٹ پلٹ کرنا ایک فتنہ ہے۔

اب بتائیے فقہ کو فتنہ کس نے کہا ہے۔ ❶ فقہ کو غیر ضروری اور تقلید کو غیر

---

(۱) کتب فقہ کے بارے میں درج ذیل ریمارک پڑھئے اور دیکھئے کہ خود حنفی علماء فقہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

مقدمہ عمدۃ الرعایۃ میں ہے۔إن الكتب الفقهية وإن كانت معتبرة فى أنفسها بحسب المسائل الفرعية وكان مصنفوها ايضا من المعتبرين والفقهاء الكاملين لايعتمد على الأحاديث المنقولة فيها اعتمادا كليا ولايجزم بورودها وثبوتها قطعا بمجرد وقوعها فيها، فكم من أحاديث ذكرت فى الكتب المعتبرة وهى موضوعة مختلفة كحديث لسان أهل الجنة العربية والفارسية الدرية، وحديث من صلى خلف عالم تقى فكأنما صلى خلف نبى، وحديث علماء أمتى كأنبياء بنى اسرائيل إلى غير ذلك (مقدمہ عمدۃ الرعایۃ ص ۱۳)

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:لا عبرة بنقل النهاية ولا بقية شراح الهداية فانهم ليسوا من المحدثين ولا أسندوا الحديث إلى أحد من المخرجين (موضوعات کبیر ص ۱۲۵)

حنفی مذہب کی اعلیٰ کتاب رد المحتار میں ہے۔لايجوز الإفتاء من الكتب المختصرة كالنهر وشرح الكنز للعينى والدر المختار شرح تنوير الابصار كشرح الكنز لمنلا مسكين وشرح النقاية للقهستانى كالقنية للزاهدى وينبغى إلحاق الأشباه والنظائر بها لايعتمد على فتاوى ابن نجيم ولا على الفتاوى الطورى (رد المحتار ج ۱ ص ۷۰ ا مقدمہ عمدۃ الرعایۃ ص ۱۰)

مقدمہ عمدۃ الرعایۃ میں ہے:ومن الكتب الغير المعتبرة فتاوى ابراهيم شاهى ومنها تصانيف نجم الدين مختار بن محمود بن محمد الزاهدى معتزلى الاعتقاد حنفى الفروع كالقنية والحاوى والمجتبى شرح مختصر القدورى وزاد الائمه وغير ذالك الحاوى للزاهدى ومنها السراج الوهاج شرح مختصر القدورى ومنها مشتمل الاحكام لفخر الدين الرومى ومنها الفتاوى الصوفية ومنها فتاوى ابن نجيم وفتاوى الطورى ومنها خلاصة الكيدانى (مقدمہ عمدۃ الرعایۃ ص ۱۱)

یعنی فتاوی ابراہیم اور نجم الدین کی جو حنفی المسلک تو تھا لیکن اعتقاداً معتزلی تھا کی تصنیف کردہ جملہ کتب فقہ اور قنیہ اور حاوی اور مجتبی شرح قدوری اور زاد الائمہ اور السراج الوہاج شرح قدوری اور مشتمل الاحکام اور فتاوی صوفیہ اور فتاوی ابن نجیم اور فتاوی طوری اور خلاصہ کیدان یہ سب فقہ کی کتابیں ہیں لیکن سب کی سب غیر معتبر ہیں۔

اسی صفحہ میں شرح مختصر الوقایۃ للقہستانی اور مختصر الوقایۃ لابی المکارم کو بھی غیر معتبر لکھا ہے اور قہستانی کو جارف سیل اور حاطب لیل لکھا ہے۔عبارت ملاحظہ فرمائیں۔من الکتب الغیر المعتبرة شرح مختصر الوقاية للقهستاني وشرح مختصر الوقايه لابی المكارم.
وقال على المكى فى رسالته ثم العوارض فى ذم الروافض لقد صدق عصام الدين فى حق القهستانى انه لم يكن من تلامذة شيخ الاسلام الهروى لامن أعاليهم ولا من أدانيهم وإنما كان دلال الكتب فى زمانه ولا كان يعرف بالفقه وغيره وبين أقرانه ويويده أنه يجمع فى شرحه بين الغيث والسمين والصحيح والضعيف من غير تحقيق وتدقيق فهو كحاطب الليل الجامع بين الرطب واليابس فى الليل
(مقدمہ عمدۃ الرعایۃ ص ۱۱)

الفوائد البھیۃ میں ہے:

فى طبقات القارى قد وقع فى كتاب الهداية أوهام كثيرة قد نقلها العلامة الفهامة الشيخ عبدالقادر القرشى الحنفى فى كتابه المسمى بالعناية
یعنی ملاعلی قاری اپنی کتاب طبقات میں لکھتے ہیں کہ ہدایہ میں بڑی بڑی غلطیاں اور بہت اوہام ہیں جن کو علامہ شیخ عبدالقادر قریشی حنفی نے اپنی کتاب ''عنایہ'' میں ذکر کیا ہے۔

ایک کتاب کا نام ہی ''کتاب اوہام الہدایۃ'' ہے:

فقہاء کے بارے میں شاہ ولی اللہ کا ایک ریمارک ملاحظہ فرمائیں ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں لکھتے ہیں:

ومن العجب العجيب أن الفقهاء المقلدين يقف أحدهم على ضعف ماخذ إمامه بحيث لايجد لضعفه مدفعا وهو مع ذلك يقلده فيه ويترك من شهد الكتاب والسنة والأقيسة الصحيحة لمذهبهم جمودا على تقليد إمامه.بل يتحيل لدفع ظاهر الكتاب والسنة ويتأولها بالتاويلات البعيدة الباطلة نضا لا عن مقلده .

(حجۃ اللہ البالغۃ ج ا ص ۱۵۵)

یعنی افسوس اور تعجب تو ان فقہاء مقلدین کے حال پر یہ ہے کہ یہ لوگ باوجود یہ جاننے کے کہ ان کے امام کی دلیل کسی مسئلہ میں ایسی بودی ہے کہ اس کا بودا پن کسی طرح نہیں ٹل سکتا اور اس کے بالمقابل قرآن کریم کی صریح آیت یا صریح حدیث یا بہترین قیاس موجود ہے پھر بھی تقلیدی جال میں پھنس کر اپنے امام کے مسئلہ کو ثابت کرنے میں لگ جاتے ہیں اور ایسے مقامات پر بھی تقلید کو نہیں چھوڑتے بلکہ کتاب و سنت کو بہانے بنا بنا کر چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

=====

واجب کس نے ٹھہرایا؟ صرف اہل حدیث صاحبان نے یا آپ کے گھر کی بڑی بڑی شہادتوں نے بھی۔ جواب انصاف سے دو۔

میرے محترم بھائی! ان چھ باتوں کا مختصر جواب میں نے اس لئے دیا ہے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ معترض نے کس قدر کھوٹا دعویٰ کیا ہے اور کس قدر کھوٹا الزام لگایا ہے کہ یہ اہل حدیث صاحبان چاروں مسلک اور جمہور علماء کے خلاف ہیں، پھر لکھا ہے کہ یہ جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔ اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ اگر اہل حدیث صاحبان جہالت پر ہیں تو فقہ کی کتابوں کے بیانات اور فیصلوں کو بھی کیا جہالت میں شمار کریں گے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر بے چارے اہل حدیثوں پر طعن کرنے اور ان کے خلاف لکھنے کی ضرورت کیا تھی۔ اس لڑائی کے لئے گھر میں سامان موجود تھا۔ اپنے مذہب کی کتابوں اور فتوؤں سے لڑتے رہتے۔ اور اہل حدیث صاحبان کے بجائے

=====

شاہ صاحب اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

إني وجدت بعضهم يزعم أن جميع مايوجد في هذه الشروح الطويلة وكتب الفتاوى الضخمة وهو قول أبي حنيفة وصاحبيه وليس مذهبا في الحقيقة۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فقہ کی ان ضخیم اور طویل کتابوں میں جتنے مسائل ہیں وہ سب امام صاحب اور ان کے دونوں شاگردوں (امام ابو یوسف ومحمد) کے ہیں، حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے، فی الحقیقت یہ سب مسائل ان حضرات کے نہیں ہیں۔

پھر آگے لکھتے ہیں: بعضهم يزعم أن بناء المذاهب على هذه المحاورات الجدلية المذكوره في مبسوط السرخسي والهداية والتبيين ونحو ذلك ولايعلم أن أول من أظهر ذلك منهم المعتزلة۔

یعنی بعض لوگ جانتے ہیں کہ کتب فقہ مثلاً مبسوط، ہدایہ اور تبیین وغیرہ میں جو لمبی چوڑی بحثیں اور اصول ہیں وہ حنفی مذہب کی بنیاد ہیں، حالانکہ یہ خیال لاعلمی پر مبنی ہے، بلکہ اول اول ان باتوں کو معتزلہ نے ظاہر کیا (پھر وہ حنفی مذہب میں داخل ہو گئی ہیں)

فقہ کی نسبت امام طحاوی اپنی کتاب ''عقیدۃ ابی حنیفہ'' میں لکھتے ہیں:

جاننا چاہئے کہ کتب فقہ میں امام ابوحنیفہ ہی کے اقوال نہیں بلکہ معتزلہ قدریہ، شیعہ، روافض خوارج وغیرہ کے اقوال بھی ہیں۔

اپنے ہی مذہب کی کتابوں پر جہالت کے فتوے ٹھونکتے رہتے تب ہم بھی آپ کا تماشا دیکھتے۔ یا اگر اہل حدیث صاحبان کو بدنام ہی کرنا تھا تو پہلے اپنے مذہب کی کتابوں سے ان بیانات اور تشریحات کو کتر کتر کر نکال دیتے۔ بصورت دیگر ہم اعتراضات کرنے والوں کو ان کی کتابوں ہی سے جواب دے دیں گے اور جو کچھ طعنے ہم کو دیئے ہیں وہی طعنے ہم ان پر لوٹا دیں گے۔ ان شاء اللہ۔

میرے بھائی! آپ اس وقت خلجان میں مبتلا ہوں گے کہ جن باتوں پر اہل حدیث حضرات کو گمراہ بتایا ہے اور جہالت کا طعنہ دیا ہے وہ باتیں اور مسائل خود حنفیوں کے لئے حنفی فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں اور ان کو صحیح بتایا ہے تو پھر یہ اعتراض کرنا کیسا ہے اور کیوں؟

''کیسا ہے؟'' کا جواب یہ ہے کہ اس طرح اعتراض کرنا دوطرح سے بھیانک جرم ہے۔

جرم اول یہ ہے کہ خود ان کے مذہب میں یہ مسائل موجود ہوتے ہوئے اہل حدیث حضرات پر بالکل کھوٹا الزام لگایا ہے اور جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔ جھوٹا الزام لگا کر بدنام کرنا اور جھوٹ بولنا شریعت کی نظر میں کبیرہ گناہ ہے۔

دوسرا جرم اس سے بھی زیادہ ہولناک ہے۔ وہ یہ کہ جب احناف کی کتابوں میں آٹھ رکعت تراویح کو سنت صحیحہ بتایا ہے تو پھر تمام حنفیوں کو اس سے محروم کیوں رکھا؟ جب قیامت کے دن کروڑوں حنفی ان مولویوں کو چمٹ جائیں گے، تب ان کی کیا حالت ہوگی۔ جب احناف کی کتابوں ہی میں ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو صحیح سنت رسول بتایا ہے تو جب قیامت کے دن کروڑوں حنفی اپنے مولویوں سے مطالبہ کریں گے کہ ہم کو ہمارے ہی مسلک کی صحیح تعلیم سے کیوں دور رکھا اور نہ صرف دور رکھا بلکہ اس کے خلاف تعلیم دی اور اس کو یہود و نصاریٰ کا فعل بھی بتایا، تب ان

مولویوں اور واعظوں کی کیا درگت بنے گی۔ اسی طرح جس حنفی نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیں اور بعد میں دونوں کو رنج ہوا اور اولاد کا خیال آیا تو بعض حنفی فقہاء کے نزدیک تین کو ایک ماننے اور رجوع کرنے کا حق صحیح حدیث کے مطابق موجود ہے لیکن ان مولویوں نے خود حنفیوں سے ہی یہ حق چھین لیا۔ جب قیامت کے دن ایسے دکھی انسان ان مولویوں کا گلا پکڑ لیں گے تب ان کے لئے بھاگنے کی جگہ کہاں ہوگی؟ اسی طرح تقلید نہ فرض ہے اور نہ واجب، لیکن آج اسے واجب ٹھہرایا ہے۔ اور جو اطاعت رسول اللہ ﷺ واجب ہے اسے اپنے ہر معاملے میں واجب نہیں سمجھتے۔ جب انہیں فرمانِ رسول سنایا جائے تو کہتے ہیں کہ یہ ہمارے لئے نہیں، یہ تو دوسروں کے لئے ہے۔ اسی مصیبت سے بچنے کے لئے چاروں اماموں نے اپنی اپنی تقلید سے قطعاً منع فرمایا ہے (جس کا بیان آپ ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے) جب قیامت کے دن چاروں اماموں میں سے کوئی بھی یہ پوچھنے کے لئے نہیں آئیں گے کہ تم نے ہماری تقلید کتنی کی ہے اور ہماری فقہ پر کتنا عمل کیا ہے، بلکہ وہاں پر خود جناب محمد رسول اللہ ﷺ موجود ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال ہوگا کہ ہمارے نبی ﷺ کی تم نے کیسی اطاعت کی تھی؟ اس وقت ان مولویوں اور واعظوں کا کیا جواب ہوگا جو یہ کہتے رہتے ہیں کہ فلاں حدیث ہمارے عمل کے لئے نہیں ہے، وہ تو شافعیوں کے لئے ہے، فلاں حکم ہمارے لئے نہیں، مالکیوں کے لئے ہے۔ وغیرہ، ایسے لوگوں کی اس وقت حالت دیدنی ہوگی جب ان کے کہنے پر چلنے والوں کو احساس ہوگا کہ مطلق اور بلا قید اطاعت رسول سے ہٹانے والے اور کسی امتی کی اطاعت واجب ٹھہرانے والے یہی ہمارے مولوی اور واعظ تھے، جنھوں نے اپنی بھاری فیس اور گرانقدر نذرانے بھی وصول کئے اور ہمیں دین سے بھی ہٹا دیا۔ اس وقت کی صرف ایک افسوسناک صورت حال یہاں بھی سن لیجئے۔

قرآن کریم کے بائیسویں پارے کے پانچویں رکوع میں ارشاد فرمایا:

وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا، رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا (الاحزاب ۳۳:۶۷،۶۸)

''اور وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سادات اور اپنے بڑوں کی بات مانی تو انھوں نے ہم کو گمراہ کردیا۔ اے ہمارے رب! تو ان کو دوگنا عذاب میں گرفتار کر،اوران کے اوپر لعنت کر، بڑی لعنت''۔

اب ان سادات کواوران بڑوں کو یہیں پہچان لیجئے کہ یہ لوگ اپنی طرف سے دین میں کیسا برا تصرف اور کیسی من مانی کررہے ہیں،احادیث رسول ﷺ میں۔ اس پرمزید یہ کہ ان کے بڑے بڑے علماءاور فقہاءکرام نے صحیح احادیث کے مطابق جوفتوے دیئےاور کتابوں میں جو بیانات لکھے وہ صاف چھپا جاتے ہیں۔مزید پرمزید یہ کہ نہ صرف چھپا جاتے ہیں بلکہ اس کے خلاف تعلیم دیتے ہیں اور خود اپنے مسلک والوں کو صحیح فیصلے سے محروم کرکے ضعیف چیز یارواجی عمل پر لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، اور طرفہ تماشہ یہ کہ جو اہل حدیث حضرات ان فقہاءکرام کے صحیح احادیث کے مطابق فتاوی پرعمل کریں تو ان کو برا بھی سمجھتے ہیں اور جہالت اورضد کا طعنہ بھی دیتے ہیں۔ہم کو جواب دینے کے لئے مجبور کیا ہےتو ہم ان شاءاللہ جہاں تک ہوسکے گا حنفی مذہب کے بڑے بڑے فقہاءاور مجتہدین کے فتوے بھی اپنے ثبوت میں پیش کریں گےاوراحادیث مبارکہ بھی پیش کریں گے،تاکہ آپ کو پتہ چلے کہ آج کے مولوی اور واعظ جس چیز کو جہالت اورضد کہتے ہیں پہلے کے بڑے بڑے فقہاءاور علماءحنفیہ نے خود حنفیوں کے لئے اسے صحیح قراردیا ہے۔

''کیوں اعتراض کرتے ہیں؟''کا جواب یہ ہے کہ اس کی کئی وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ

یہ ہے کہ بہت سے اعتراض کرنے والوں کو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ان کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ اس لئے محض بدگمانی اور جہالت کی وجہ سے وہ اعتراض کرنے لگتے ہیں یا پھر دوسروں کے بھڑکانے پر وہ اہل حق پر اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ ہمارے معترض حقانی صاحب بھی اسی صف میں شامل ہیں۔ کیونکہ جن عربی کتابوں کے ایک ورق کو بھی وہ صحیح پڑھ نہیں سکتے ان کتابوں کے حوالے محض دوسرے کے کہنے پر دے بیٹھے ہیں۔ اس میں اس ''دوسرے'' نے جو غلطیاں کی ہیں وہ بھی ہم ان شاء اللہ بتائیں گے۔ جب کسی امت میں گمراہی پھیلتی ہے تو ایسے لوگ بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

قرآن کریم کے پہلے پارے کے نویں رکوع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لاَ يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلاَّ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلاَّ يَظُنُّونَ، فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِندِ اللّهِ لِيَشْتَرُواْ بِهِ ثَمَناً قَلِيلاً فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ (البقرۃ ۲:۷۸،۷۹)

''اور بعض ان میں ایسے ان پڑھ ہیں جو کتاب کو نہیں جانتے سوائے چند جھوٹی آرزوؤں کے، اوران کے پاس چند خیالات کے سوا کچھ بھی نہیں۔ پس خرابی ہو ان کو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھنے پر۔ پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ اس کی قیمت وصول کریں۔ پس خرابی ہو ان کو اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے پر اور بربادی ہو اپنی کمائی پر''

معترض اور معترض کی کتاب کو سامنے رکھ کر ان دونوں آیتوں پر آپ جتنا غور کریں گے حقیقتیں آپ پر منکشف ہوتی چلی جائیں گی۔

دوسری وجہ

آج کل کتابی دین بہت کم رہ گیا ہے۔ رواجی دین بہت زیادہ بن گیا ہے۔ جو رواج پڑ گیا بس اسی کو حق سمجھنے لگے اور اہلِ حق کو غلط سمجھنے لگے۔ اور حدیث شریف میں اس کی پیشین گوئی موجود ہے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً اور رسول اللہ ﷺ تک عَلَماً مرفوع حدیث اس طرح آئی ہے۔

كيف أنتم إذا لبَستكم فتنةٌ يهرم فيها الكبير ويربو فيها الصغير ويتخذها الناس سنة إذا ترك منها شئ قيل تركت السنة قالوا: ومتى ذاك قال: إذا ذهبت علماء كم وكثرت قراء كم وقلت فقهاء كم وكثرت أمراء كم وقلت أمناء كم والتمست الدنيا بعمل الآخرة وتفقه لغير الدين [1]

''تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تم کو فتنہ چمٹ جائے گا جس (کے غم) میں بڑا آدمی بوڑھا کھوسٹ ہو جائے گا اور چھوٹا بڑی عمر کا معلوم ہوگا۔ لوگ اس فتنہ کو سنت بنالیں گے۔ جب وہ فتنہ (گمراہی سمجھ کر) چھوڑا جائے تو کہا جائے گا کہ سنت کو چھوڑ دیا گیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ (اندھیرا) کب ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ جب تمہارے علماء ختم ہو جائیں گے اور قاری زیادہ ہو جائیں گے اور فقیہ کم ہو جائیں گے اور امیر زیادہ ہو جائیں گے اور امانت دار کم رہ جائیں گے۔ اور آخرت کے کام پر دنیا طلب کی جائے گی اور دینی علم غیر دینی مقصد کے لئے حاصل کیا جائے گا۔

یہ حدیث علامہ ناصر الدین البانیؒ اپنے موقر رسالہ ''قیام رمضان'' کے شروع میں لائے ہیں اور حوالے میں بتایا ہے کہ مسند دارمی میں یہ حدیث دو سندوں سے آئی ہے جن میں سے ایک سند صحیح ہے اور دوسری سند حسن ہے۔ بہر حال یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہو رہی ہے۔

---

[1] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۵۱۴ کتاب الفتن والملاحم ذكر فتنة يهرم فيها الكبير ويربو فيها الصغير / سنن الدارمی ج ۱ ص ۶۵ باب تغير الزمان وما يحدث فيه۔

تیسری وجہ

بعض لوگوں میں انانیت ہوتی ہے اور ناک کٹنے کا ڈر ہوتا ہے کہ اگر ہم اہل حدیث حضرات کو صحیح بتا دیں اور ہمارے مذہب کی کتابوں میں ان اہل حدیثوں کے مطابق جو فتوے ہیں وہ بیان کر دیں تو ناک کٹ جائے گی۔ اس لئے جانتے بوجھتے ہوئے بھی وہ چھپا جاتے ہیں اور دین میں چوری کرتے ہوئے نہیں شرماتے۔ اللہ رحم فرمائے۔ لوگوں کے مال میں چوری کرنا اور ڈاکہ ڈالنا بہت بڑا گناہ ہے، لیکن دین میں چوری کرنا اور ڈاکہ ڈالنا اس سے بھی بھیانک گناہ ہے۔ ان کی مثال ان یہودیوں جیسی ہے جو اپنی کتاب توریت میں زانی کے رجم کی آیت چھپا گئے تھے اور پھر رسول اللہ ﷺ سے مقابلہ کرنے آ گئے تھے۔ آپ ﷺ نے توریت منگوائی اور پڑھوائی تو وہ حکم نکلوا کر آپ نے دکھایا۔ ❶

معترض نے جن مسائل میں اہل حدیث حضرات کو جمہور علماء اور چاروں مسلک کا مخالف بتایا ہے الحمد للہ! میں نے بھی وہ مسائل خود معترض کے مذہب حنفی کی کتابوں سے نکال کر بتا دیئے جو خود حنفی بھائیوں کے عمل کرنے کے لئے ہیں۔

چوتھی وجہ

بعض لوگ خود غرض اور اپنے مطلب کے بندے ہوتے ہیں وہ اگر صحیح بات بیان کر دیں تو ظاہر ہے کہ اہل حدیث اور احناف ایک ہو جائیں گے، پھر وہ دو دھڑے بنا کر جو لڑتے ہیں اور اپنی جیب اور پیٹ اور دو کان چلاتے ہیں وہ بند ہو جائے گی۔

ورنہ اہل حدیث مذہب کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جسے حنفی مذہب کی کتابوں میں اور بڑے بڑے علماء اور فقہاء کے فتووں میں صحیح نہ کہا گیا ہو۔ آیئے مثال

---

❶ ملاحظہ ہو مسلم ج ۲ ص ۶۹ کتاب الحدود باب حد الزنا بخاری ج ۲ ص ۶۵۴ کتاب التفسير باب قوله قل فاتو بالتوراة فاتلوها ان كنتم صادقين. و ص ۱۰۰۷ كتاب المحاربين من اهل الكفرة والردة باب الرجم بالبلاط

کے طور پر چند مسائل، پہلے دیکھ لیجئے۔

پہلی مثال

تیمّم کو لیجئے، اہل حدیث صرف ایک مرتبہ مٹی پر ہاتھ مار کر دونوں ہتھیلیوں اور منھ پر ہاتھ پھراتے ہیں۔ معترض کے مذہب والے ہاتھوں کے لئے الگ اور چہرے کے لئے الگ دو مرتبہ مٹی پر ہاتھ مارتے ہیں۔ اہل حدیث صاحبان کی دلیل صحیح بخاری شریف کی بالکل صحیح سند والی وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری شریف عربی جلد اول جز۲ ص۵۰ پر اور صحیح مسلم شریف عربی جلد اول ص۱۶۱ پر ہے۔

حضرت عمار بن یاسرؓ کو رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بتایا ہے:

فقال إنما كان يكفيك ان تصنع هكذا فضرب بكفيه ضربة علی الارض ثم نفضها ثم مسح بها ظهر كفه بشماله أو ظهر شماله بكفه ثم مسح بهما وجهه (مختصر)❶

"آپ ﷺ نے فرمایا تم اس طرح کرو تو کافی ہے۔ پھر آپ نے زمین پر اپنی دونوں ہتھیلیاں ماریں پھر ان دونوں کو جھاڑا۔ پھر بائیں ہتھیلی (دائیں) ہتھیلی کی

---

(۱) مولف نے جس حدیث کی جانب اشارہ کیا ہے اور جس کا آخری ٹکڑا نقل کیا ہے وہ مکمل حدیث یہ ہے:
عن شقيق قال كنت جالسا مع عبدالله وأبی موسی الاشعری فقال له أبوموسی لو أن رجلا أجنب فلم يجد الماء شهرا أما كان يتيمم ويصلی قال فقال عبدالله لايتمم وإن كان لم يجد شهرا فقال له أبوموسیٰ فكيف تصنعون بهذه الآية فی سورة المائدة فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا فقال عبدالله لو رخص فی هذا لهم لأوشكوا إذا برد عليهم الماء أن يتيمموا الصعيد قلت وإنما كرهتم هذا لذا قال نعم فقال أبو موسی ألم تسمع قول عمار لعمر بن الخطاب بعثنی رسول الله ﷺ فی حاجة فاجنبت فلم أجد الماء فتمرغت فی الصعيد كما تمرغ الدابة فذكر ذلك للنبی ﷺ فقال إنما كان يكفيك أن تصنع هكذا وضرب بكفه ضربة علی الارض ثم نفضها ثم مسح بها ظهر كفه بشماله أو ظهر شماله بكفه ثم مسح بهما وجهه
(بخاری ج۱ص۵۰ كتاب التيمم باب التيمم ضربة/مسلم ج۱ص۱۶۱ كتاب التيمم)

پشت پر پھرائی یا بائیں ہتھیلی کی پشت پر دائیں ہتھیلی سے مسح کیا، پھر آپ نے دونوں ہتھیلیاں کو اپنے چہرے پر مل لیا''۔

شارح صحیح بخاری مولانا احمد علی حنفی سہارن پوریؒ تک نے آخر لکھ دیا:

وفيه دليل صريح على أن التيمم ضربة واحدة للوجه والكفين جميعا (مذکورہ حدیث پر حاشیہ ۲) ❶

''اس حدیث میں اس بات کی صاف دلیل ہے کہ تیمم منھ اور پہنچوں تک دونوں ہاتھوں کے لئے ایک ہی ضرب ہے''۔

امام ابوداؤدؒ نے اپنی سنن ابی داؤد جلد اول ص ۵۱ پر ایک ضرب والی حدیثیں بیان کی ہیں اور پھر دوضرب والی روایت کے راویوں کے متعلق بیان کیا ہے کہ بعض شک میں مبتلا ہو گئے، بعض نے راویوں کے نام میں گڑ بڑ کی اور بعض نے سند میں ہیر پھیر کیا۔ پھر لکھتے ہیں۔ ولم يذكر أحد منهم الضربتين إلا من سميت ❷ دوضرب کا بیان کسی نے نہیں کیا سوائے ان گڑ بڑ کرنے والے راویوں کے جن کا میں نے نام لیا ہے۔

مولانا عبدالحی حنفی لکھنوی مرحوم شرح وقایہ کے ص ۵۹ کے حاشیہ ۳ میں لکھتے ہیں:

التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين أخرجه الحاكم وابن عدى والدارقطني والبزار وغيرهم باسانيد

---

❶ ملاحظہ ہو بخاری ج ۱ ص ۵۰ حاشیہ نمبر ۲۔ حاشیہ احمد علی السہارنفوری۔

❷ ملاحظہ ہو ابوداؤد ص ۴۵ کتاب الطهارة باب التيمم۔ الفاظ یہ ہیں۔

(رواه معمر عن الزهرى ضربتين وقال مالك عن الزهرى عن عبيد الله بن عبدالله عن أبيه عن عمار وكذلك قال ابو أويس عن الزهرى وشك فيه ابن عيينة قال مرة عن عبيد الله عن أبيه أو عن عبيد الله عن ابن عباس اضطرب فيه ومرة قال عن أبيه ومرة قال عن ابن عباس اضطرب فيه وفى سماعه عن الزهرى شك ولم يذكر احد منهم الضربتين إلا من سميت)

أكثرها ضعيفة ❶

تیمم دو ضرب ہیں، ایک ضرب چہرہ کے لئے اور ایک ضرب ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک۔ اس حدیث کو حاکم، ابن عدی، دارقطنی اور بزار اور ان کے علاوہ دوسروں نے ایسی سندوں سے روایت کیا ہے جن میں سے اکثر ضعیف ہیں۔

اسی لئے دو ضرب کی روایات کو خود حنفیہ نے بھی ضعیف مانا ہے۔

''تیمّم میں ایک ضرب کی احادیث صحیحین میں بطریق کثیرہ ہیں اور صحیح ہیں۔ تیمّم میں دو ضرب کی احادیث ضعیف اور موقوف بھی ہیں''۔

(عین الہدایہ اردو ترجمہ ہدایہ جلد اول ص ۱۴۲/ نور الہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ ج ۱ ص ۵۲، ۵۳)

میرے بھائی! آپ اعتراض کرنے والوں کو دیکھ لیجئے کہ وہ اپنے شارحین صحیح بخاری کی تصریحات کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مولانا عبدالحیؒ کی تحقیق کو بھی بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور امام ابوداوُدؒ کا دوٹوک فیصلہ بھی قابل اعتناء نہیں سمجھتے اور اپنے مذہب کی کتاب ''عین الہدایہ'' اور ''نور الہدایہ'' کے فیصلے کو بھی نہیں مانتے اور سب سے بڑی بات یہ کہ صحیح سند کے ساتھ جو حدیث صحیح بخاری و مسلم میں متفق علیہ ہے اسے بھی چھوڑ کر چل دیتے ہیں اور جو گڑبڑ کرنے والے راوی ہیں جنھوں نے صحابہ کرام کے نام کو استعمال کرلیا ہے، بس انہی ضعیف روایتوں کو لے کر صحیح حدیثوں تک کو کاٹ پھینکنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر ایسے اختلافی مسائل میں کہتے ہیں کہ یہ اختلاف تو صحابہ کرام سے چلا آ رہا ہے۔ مگر یہ نہیں دیکھتے کہ کونسی روایت صحیح اور کون سی ضعیف ہے، اور کون سی روایت منکر یا موضوع ہے۔ اگر صحیح اور متفق علیہ روایت پر جم جائیں تو صحابہ کرام کا اختلاف نہیں، بلکہ گڑبڑ کرنے والے راویوں کا اختلاف رہ جاتا ہے۔ اس سے ہمیں کیا لینا دینا۔ آپ کی کتابیں اصولی طور پر بھی یہی بتاتی ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

---

❶ شرح وقایہ ج ۱ ص ۹۶ حاشیہ نمبر ۳ بحث مسح الراس۔

''جس حدیث پر بخاری و مسلم دونوں متفق ہیں وہ حدیث متفق کہلاتی ہے اور جمہور محدثین کے نزدیک یہ حدیث سب سے مقدم ہے، پھر جو تنہا صحیح بخاری میں پھر جو تنہا صحیح مسلم میں، پھر جو صحاح معتمد میں برشرط بخاری و مسلم ہو، پھر جو بشرط بخاری، پھر جو بشرط مسلم۔ پھر جو سوائے ان شیخین کے دوسرے ائمہ کی شرط پر ہو جنھوں نے تصحیح کا التزام کیا ہے۔ (مقدمہ عین الہدایہ جلد اول ص ۱۱٦)

یہ ہیں محدثین اور فقہاء کے وہ قواعد جن کو معترض نے اہل حدیثوں کے خلاف لکھتے ہوئے ہر جگہ نظر انداز کر دیا۔ اور نظر انداز تو کیا، معترض کو جرح وتعدیل اصول حدیث واصول تفسیر وغیرہ علوم کی ابھی ہوا بھی نہیں لگی۔ اگر جماعت اہل حدیث سے حسد ودشمنی کا مادہ ابھر آیا تھا اور ان پر الزام لگانے کا شوق چرایا تھا تو پہلے اقسام حدیث کی معرفت حاصل کرتے۔ جرح وتعدیل کے طریقے سیکھتے اور اس فن کے اماموں کے فیصلے دیکھتے اور باقاعدہ تحقیقات کرتے، تب اعتراض کرنے کی جرأت کرتے۔ تب ہی فقہی مسائل میں فیصلے اور فتوے دینا اچھا بھی لگتا۔ دینی کتابوں کے اردو ترجمے رٹ کر نماز، روزہ، پاکی، طہارت، توحید وشرک پر وعظ ونصیحت تو کر سکتے ہیں، بہت مبارک، لیکن فقہی مسائل میں فیصلے اور فتوے دینے کے لائق ہرگز نہیں ہو سکتے۔ یہ میدان الگ ہے وہ میدان الگ۔

پھر سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہ فرمان بھی موجود ہے۔

''جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے''۔ ❶

دیکھو درمختار مع ردالمختار جلد اول ص ۵۰۔ مقدمہ عین الہدایہ ص ۱۰۵۔ کلمات طیبات ص ۳۰۔ مقدمہ عالمگیری ص ۱۲۰۔ نور الہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ ص ۹۔

اور میزان شعرانی اور نہایۃ النہایہ میں بھی یہ فرمان موجود ہے۔

اب ہمارے اوپر اعتراض کرنے والوں سے میں پوچھتا ہوں کہ دوضرب

❶ اذاصح الحدیث فهو مذهبی۔ ردالمختار ج۱ص ۱٦۷۔ عقد الجید ص ۹

سے تیمّم کر کے کیا آپ اپنے علماء کی تحقیقات کے وفادار ہیں؟ کیا اپنے مذہب کے اصولی فیصلے کے وفادار ہیں؟ کیا بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث کے وفادار ہیں۔ کیا اپنے ہی امام واجب الاحترام کے فرمان کے وفادار ہیں؟ ہرگز نہیں، کیا اپنے ہی حنفی بھائیوں کو فقہ حنفی کے ان فیصلوں سے محروم کر کے ان کو غلط راہ پر ڈالنے کے آپ ذمہ دار نہیں ہیں؟ یا ان حقائق پر ڈاکہ ڈال کر اسے باطل کرنے کے آپ ذمہ دار نہیں ہیں؟ پھر ایسے حضرات اہل حدیث صاحبان، کے بارے میں نیک نیتی اور خدا ترسی سے کیا بول سکیں گے؟

دوسری مثال

اسی تیمّم میں ایک ضرب کے ساتھ ساتھ مسح پہنچوں تک ہے یا کہنیوں تک۔ اہل حدیث حضرات صرف پہنچوں تک مسح کرتے ہیں۔ پہلی مثال میں جو حدیث صحیح بخاری و مسلم کی ہے اس میں صرف کف کا لفظ ہے ❶ یعنی ہتھیلی پھر اسی کی پشت پر دوسری ہتھیلی سے مسح کرنے کا لفظ ہے یعنی ہاتھوں کے گٹوں تک جس کو پہنچی اور کلائی بھی کہتے ہیں۔ اور عربی زبان میں کلائی کو رسغ کہتے ہیں، رسغ کا ہی مسح ہے، لیکن اس متفق علیہ حدیث کو چھوڑ کر پھسپھسی دلیلوں کی طرف بھاگنے کا مطلب ہے کہ صحیح ترین حدیثوں پر ضعیف روایتوں کو ترجیح دینا ❷ جسے نہ اہل حدیث مانتے ہیں اور نہ حنفی

❶ ملاحظہ ہو بخاری ج ۱ ص ۵۰ کتاب التیمم۔/ مسلم ج ۱ ص ۱۶۱ کتاب التیمم

❷ حنفیہ کے یہاں تیمّم میں مسح کہنیوں تک ہے۔ ہدایہ میں ہے التیمم ضربتان یمسح بأحدهما وجهه بالأخرى يديه إلى المرفقين هدايه ج ۱ ص ۵۰ باب التيمم
حنفیہ کی دلیل وہ حدیث ہے جسے دارقطنی و حاکم نے یوں روایت کیا ہے:
التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين وينفض يديه بقدر ما يتناثر التراب كيلا يصير مثلة،
اس روایت کو دارقطنی و حاکم نے دو طریق سے روایت کیا ہے لیکن دونوں واہی ہیں۔ ابوداؤد نے بھی اسی معنی کی ایک حدیث درج کی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ برحاشیہ ہدایہ ص ۵۰۔

مذہب مانتا ہے۔ بلکہ ہدایہ عربی جلد اول ص ۴۴ کے حاشیہ نمبر ۳ پر عنایہ کی یہ عبارت دیکھئے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد حضرت امام حسنؒ اپنے استاذ کے متعلق روایت کرتے ہیں۔

ولرواية الحسن عن أبى حنيفة أنه إلى الرسغ وهو مروى عن ابن عباس ❶

''امام حسنؒ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ تیمم صرف ہاتھوں کی کلائی تک ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے''۔

اب بتایئے بروایتِ صحیح اور از روئے ترجیح تمام حنفی بھائیوں کے لئے پہنچوں تک مسح کرنا ثابت ہوا یا کہنیوں تک۔ جب کہ امام ابوحنیفہؒ کی تصریح بھی موجود ہے۔ اب اگر کوئی صحیح اور حاصلِ ترجیح مسئلے کو نہ بیان کرے اور نہ عمل کرے بلکہ الٹا عمل کرنے والی جماعت کو عجیب نظر سے دیکھے اور اہل حدیث جماعت کے خاص خاص مسائل پر لکھنے بیٹھ جائے تو اس سے عدل وانصاف کی امید تو مشکل ہے۔ ہاں عدل وانصاف کا وہ گلا ضرور گھونٹ سکتا ہے اور گھونٹا ہے جیسا کہ آپ مفصل جواب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ

تیسری مثال

وضو کرتے ہوئے گردن کا مسح اہلحدیث حضرات نہیں کرتے بلکہ اس سے اجتناب کرتے ہیں اور بدعت بتاتے ہیں۔ معترض حقانی صاحب نے بھی یہ مسئلہ اہلحدیث جماعت کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی کتاب کے ص ۱۹۸ پر اس طرح لکھا۔

''کعب بن عمرو یمانیؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے گردن کا مسح فرمایا سر کے مسح کے ساتھ۔ حوالہ: کبیری منیۃ المصلی کی شرح جلد اول ص ۲۱ وضو کا بیان۔ شرح

❶ عنایہ کی اس عبارت کے لئے ملاحظہ کریں ہدایہ ج ا ص ۵۰۔

نقایہ جلد ا ص ۹ یہ اوپر والی حدیث طبرانی کے حوالے سے لکھی ہے۔ اس کو اہل حدیث صاحبان بدعت بتلاتے ہیں اور خود کسی کے قول پر عمل کریں تو اس کو سنت سمجھیں؟ گردن کا مسح حنفیہ کے نزدیک مستحب اور اہل حدیث اس کو بدعت کہتے ہیں۔ حالانکہ گردن کے مسح کی دلیل حدیث سے مل رہی ہے''۔

معترض کا بیان آپ نے پڑھ لیا۔ ہاتھ کے ہاتھ جواب بھی سن لیجئے:

مقدمہ عین الہدایہ جلد اول ص ۱۱۵ مقدمہ میں پہلے یہ بیان پڑھئے جس میں احادیث کے طبقے بتائے ہیں۔ تیسرے طبقے کے متعلق بیان کیا ہے۔

''طبقۂ سوم: جن میں احادیث صحیح، حسن اور متہم بموضوع سب طرح کی ہیں وہ یہ ہیں۔ مسند شافعی، مسند عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ۔ مسند ابی داؤد طیالسی، مسند دارمی، مسند ابویعلیٰ، سنن ابن ماجہ، مسند عبد بن حمید، سنن دارقطنی، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم۔ کتب بیہقی، کتب طحاوی، کتب طبرانی، ان کتابوں کی احادیث بغیر تنقید اعتبار کے قابل نہیں ہیں''۔

حنفی مذہب کی کتاب نے اصولاً طبرانی کو طبقۂ سوم میں شمار کیا ہے اور تنبیہ کی ہے کہ ایسی کتابوں کی حدیثیں بغیر تنقید کے اعتبار کے لائق نہیں ہیں۔ اگر تنقید اور چھان بین کرنے پر طبرانی کی یہ گردن کا مسح کرنے کی حدیث قواعد کی رو سے صحیح ثابت ہو جاتی تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ ہم اہل حدیث بھی کل نہ ہونے دیتے بلکہ آج ہی سے عمل شروع کر دیتے اور دعا بھی دیتے کہ ایک حدیث پر عمل کرا دیا۔ لیکن طبرانی کی اس حدیث کی چھان بین کون کرے۔ اسماء الرجال کی کتابیں، ''تہذیب'' اور ''تقریب'' اور ''میزان الاعتدال''، اور ''مختصر علوم الحدیث''، ''التاریخ الصغیر للبخاری'' وغیرہ ٹھیٹھ عربی کتابوں کو پڑھنا اور راویوں کی تحقیق کر کے حدیث کے درجات کو پہچاننا معترض کے لئے درکنار، مطلوبہ جگہوں کے لئے وہ ان کتابوں کو کھول بھی نہیں سکتے،

نہیں پڑھ سکتے تو ہم ان سے مطالبہ اور اصرار بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن وہ اردو میں فقہ کی کتابیں پڑھتے اور ان کے حوالے بھی دیتے ہیں، تو کیا گردن کے مسح والی حدیث کے لئے فقہ کی اردو ترجمہ والی کتابوں میں کچھ بھی نہیں ہے! ہے بلکہ دوٹوک فیصلہ ہے۔ آیئے آپ سب بھی ملاحظہ فرمایئے۔

''گردن کا مسح بدعت ہے اور اس کی حدیث موضوع ہے''۔

(غایۃ الاوطار اردو ترجمہ درمختار جلد اول ص ۵۸ اور عین الہدایہ جلد اول ص ۱۸)

حنفی مذہب میں ہی جب گردن کے مسح کو بدعت لکھا ہے تو اہل حدیث صاحبان کو اسے بدعت کہنے پر طعنہ دینا امانت داری ہے یا چوری؟ آگے صاف لکھا ہے کہ یہ روایت بناوٹی، گھڑی ہوئی اور جھوٹی ہے۔ ہماری بات ابھی ختم نہیں ہوئی، ذرا آگے بڑھئے۔ موضوع، من گھڑت اور جھوٹی حدیث بیان کرنا خود معترض کے مذہب میں کیسا ہے ہم بتاتے ہیں۔

''موضوع حدیث سے استدلال کرنا حرام ہے اور عمل کرنا بھی حرام ہے''

(غایۃ الاوطار جلد اول ص ۶۰ و ۳۸۶۔ عین الہدایہ جلد اول ص ۱۱۷)

معترض کی تحریر گواہ ہے کہ انھوں نے اس موضوع روایت کو بیان کیا اور دلیل بنا کر بھی پیش کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اپنے لکھے پر وہ نہ صرف عمل کرتے ہوں گے بلکہ دوسروں کو اس جھوٹی روایت پر عمل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ یعنی کئی کئی حرام کاموں میں پھنس گئے۔

۱۔ جھوٹی حدیث کو بیان کرنا حرام ہے۔ وہ آپ نے کر کے دکھا دیا۔

۲۔ جھوٹی حدیث پر عمل کرنا بھی حرام ہے۔ نہ صرف خود عمل کیا ہوگا بلکہ عام تبلیغ دوسروں کو عمل کرنے کے لئے بھی کر دی۔

۳۔ فقہ حنفی میں گردن کے مسح کی روایت کے بارے میں جو تنبیہ ہے اسے چھپا

گئے ۔صحیح علم کا چھپانا بھی حرام ہے اور یہودیوں کا خاصہ ہے۔

۴۔ دوسروں کو اس صحیح بات سے نہ صرف محروم رکھا بلکہ اس کے خلاف تعلیم دی۔ یہ بھی حرام ہے۔

۵۔ گردن کے مسح کو بدعت آپ کی کتابوں نے بالکل صاف بتایا ہے لیکن اس کو بدعت کہنے کا الزام صرف اہل حدیث صاحبان پر لگایا ہے۔ یہ اشد الحرام ہے۔ کیونکہ جھوٹا الزام کسی کافر، مشرک اور یہودی وغیرہ پر بھی لگانا حرام ہے۔

یہ بڑی عبرتناک سزا ہے۔اہل حدیثوں پر کھوٹا الزام لگانے کے کوشش کی پانچ پانچ حرام کاموں میں پھنس گئے۔ یہ قدرت کی طرف سے دنیا ہی میں مار لگی اور اشارہ ملا ہے کہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنا مذہب بنانے والی جماعت پر جو بھی کھوٹا الزام لگائے گا وہ اپنی شرافت اور ایمانداری بھی گنوا کر حرام کاموں میں پھنس جائے گا۔اور ابھی آخرت کا حساب اور سزا تو باقی ہے۔

تمام حنفی بھائیوں سے ادب کے ساتھ اور بغیر کسی لالچ کے عرض ہے کہ گردن پر مسح کرنے کی روایت من گھڑت ہے اور گھڑ کر جھوٹی بات رسول اللہ ﷺ کی نسبت کرنا جہنم میں ٹھکانا بنانے کے برابر ہے۔حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جان بوجھ کر میرے اوپر جھوٹ بولے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے (صحیح بخاری شریف عربی جلد اول ص ۲۱) ❶ اب اگر کوئی شخص یا کوئی کتاب اس گردن کے مسح کو مستحب بتائے تو چھوڑ دو اس کے قول کو۔

---

❶ یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ یوں مروی ہے۔

من كذب علی متعمدا فليتبوأ مقعده من النار (عن ابی هريرة)

من تعمد علی كذبا فليتبوأ مقعده من النار (عن أنس)

من يقل علی ما لم أقل فليتبوأ مقعده من النار (عن ابن الاكوع)

من كذب علی فليتبوأ مقعده من النار (عن عبد الله بن الزبير)

من كذب علی فليلج النار (عن علی)

الجامع الصحيح للبخاری ج ۱ ص ۲۱ كتاب العلم باب إثم من كذب علی النبی ﷺ

کیونکہ اس روایت کا جھوٹا ہونا اور اس کا بیان حرام ہونا اور اس پر عمل کا حرام ہونا بھی حنفی مذہب کی کتابوں ہی سے ثابت ہے۔ اور اسی کو معترض نے چھپا لیا۔ تو یہ آپ سے ہمدردی کی یا آپ کو بھی اپنے ساتھ ڈوبانے کی حرکت کی؟

چوتھی مثال

صحیح بخاری شریف جلد اول جز ۳ ص ۸۵ کتاب الاذان میں اور صحیح مسلم شریف جلد اول ص ۱۶۴ کتاب الصلوٰۃ میں حضرت انسؓ سے یہ حدیث آتی ہے کہ:

أمر بلالا أن يشفع الاذان وأن يوتر الإقامة إلا الإقامة

''رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ اذان دوہری دیں اور تکبیر اکہری دیں، سوائے قد قامت الصلوٰۃ کے (یہ کلمہ اقامت میں دومرتبہ ہے)

اہل حدیث حضرات کی مساجد میں بخاری ومسلم کی متفق علیہ حدیث پر عمل ہوتا ہے۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ خطابیؒ کہتے ہیں کہ جمہور علماء کا مذہب یہی ہے اور اسی حدیث پر حرمین شریفین، حجاز، شام، یمن، مصر، مغرب اقصیٰ بلاد اسلام میں عمل ہے کہ اقامت (تکبیر) اکہری ہے ❶

اصولی طور پر حنفی مذہب کی شہادت بھی موجود ہے کہ متفق علیہ حدیث سب

---

❶ قال الخطابي مذهب جمهور العلماء والذي جرى به العمل في الحرمين والحجاز والشام واليمن ومصر والمغرب الى أقصى بلاد الاسلام أن الإقامة فرادى
(صحیح مسلم مع شرح نووی ج ۱ ص ۱۶۴)

پھر امام نووی اذان کو دوہری اور اقامت کو اکہری کہنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اذان غیر موجودین کو اطلاع دینے کے لئے ہے اور اقامت موجودین کو اطلاع دینے کے لئے، اس لئے اقامت میں تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔

والحكمة في إفراد الاقامة وتثنية الاذان أن الاذان لإعلام الغائبين فيكرر ليكون أبلغ في إعلامهم والاقامة للحاضرين فلا حاجة إلى تكرارها ولهذا قال العلماء يكون رفع الصوت في الإقامة دونه في الاذان وإنما كرر لفظ الاقامة لانه مقصود الاقامة، والله اعلم

سے صحیح اور سب سے مقدم ہے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ خاص اذان کے بارے میں بھی حنفی مذہب کے فتاوے موجود ہیں۔ نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔

''صحیح حدیث سے اذان کے کلمے دو دو بار اور تکبیر کے ایک ایک بار ہیں: ❶

اب یہ تعلیم فقہ حنفی میں حنفیوں کے لئے یا اہل حدیث لوگوں کے لئے ہے۔ زیادہ صحیح حدیث پر اور جمہور علماء کے مطابق اور فقہ میں بھی تائید شدہ بات پر عمل کرنے سے کس نے کس کو روکا؟ حنفی بھائیوں کو حنفی مولویوں نے۔ ایسے حضرات جب اہل حدیث جماعت کے متعلق لکھنے بیٹھیں گے تو وہ کون سا انصاف کریں گے جو اپنوں کو دھوکا دے بیٹھے۔

سنن ترمذی، دارقطنی، صحیح ابن حبان، طحاوی وغیرہ میں دوہری اقامت کی بھی حدیثیں ہیں ❷ مگر وہ صحت کے اس درجہ پر نہیں جو درجہ صحیح بخاری و مسلم کی روایتوں کو حاصل ہے۔

پانچویں مثال

اذان میں ترجیع صحیح مسلم شریف عربی جلد اول ص ۱۶۵ سے ثابت ہے ❸

❶ نور الہدایہ اردو ترجمہ شرح وقایہ ج ۱ ص ۷۹

❷ دوہری اقامت کی حدیث یہ ہے: عن عبدالله بن زيد قال كان اذان رسول الله ﷺ شفعا شفعا في الاذان والاقامة (جامع الترمذی ج ۱ ص ۴۸ ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی ان الاقامۃ مثنی مثنی)

❸ صحیح مسلم کی حدیث یہ ہے:

عن أبي محذورة أن نبي الله ﷺ علمه هذا الاذان الله أكبر الله أكبر اشهد أن لا اله الا الله أشهد أن لا اله الاالله أشهد أن محمدا رسول الله أشهد ان محمدا رسول الله ثم يعود فيقول أشهد ان لا اله الا الله أشهد أن لا اله الا الله مرتين أشهد أن محمدا رسول الله مرتين حي على الصلوة مرتين حي على الفلاح مرتين زاد اسحاق الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله (مسلم ج ۱ ص ۱۶۵ کتاب الصلاۃ باب صفۃ الاذان)

اس حدیث کی شرح میں علامہ نووی لکھتے ہیں وفي هذا الحديث حجة بينة ودلالة واضحة بمذهب مالك والشافعي وأحمد وجمهور العلماء ان الترجيع في الاذان ثابت مشروع وهو العود الى الشهادتين مرتين برفع الصوت بعد قولهما مرتين بخفض الصوت (ایضا)

یعنی موذن اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر ڈبل آواز سے کہے۔ پھر أشهد أن لا اله الا الله، أشهد أن لا اله الا الله، أشهد أن محمدا رسول الله أشهد أن محمدا رسول الله آہستہ آواز سے کہے، پھران ہی شہادت کے کلمات کو ڈبل آواز سے دوبارہ کہے اور باقی اذان زوردار میں پورا کرے۔ اہل حدیث صاحبان بہت سی جگہوں پر کبھی کبھی اس حدیث پر بھی عمل کرتے ہیں۔ اور حنفی بھائیوں کے لئے بھی ان کی کتابوں میں اس کی تائید موجود ہے ملاحظہ فرمایئے۔

''ترجیع حدیث سے ثابت ہے۔

(عین الہدایہ جلد اول ص ۲۹۲ اور احسن المسائل ترجمہ اردو کنز الدقائق ص ۳۰)

پہلے کے بڑے بڑے حنفی علماء نے کتابوں میں عمل کرنے کو لکھ دیا لیکن بعد کے لوگوں نے اس سے بالکل روک دیا۔ عوام سے اس طرح صحیح حدیثیں چھپانا کیا جائز ہے اور ان پر عمل کرنے سے روک دینا کیا دیانتداری ہے؟ اہل حدیث جماعت پر الزام لگانے والوں نے کیا ایک مرتبہ بھی اپنے پیغمبر ﷺ کی اس طرح کی سنتوں پر محبت کی نظر ڈالی ہے؟

چھٹی مثال

خطبۂ جمعہ کے دوران دو رکعت نماز پڑھنے سے آج کل اہلِ تقلید نے انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے۔ اور متقدمین فقہاءِ حنفیہ نے خود حنفیوں کے لئے بھی اس کو صحیح بتایا ہے، لیکن آج کل کے رواج نے اس سنت سے روک دیا ہے۔ صحیح بخاری شریف جلد اول جزء ۴ ص ۱۲۷ اور صحیح مسلم شریف جلد اول ص ۲۸۷ كتاب الجمعة میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔

قال جاء رجل والنبی ﷺ يخطب الناس يوم الجمعة فقال أصليت يا فلان فقال لا، قال: قم فاركع .

"وہ کہتے ہیں کہ ایک صاحب ایسی حالت میں آئے کہ نبی کریم ﷺ لوگوں کو جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا اے فلاں! تم نے نماز پڑھی، انھوں نے کہا "نہیں" تو آپ نے فرمایا، کھڑے ہو اور نماز پڑھو۔

صحیح بخاری و مسلم کی دوسری روایت میں یہ بھی وضاحت ہے کہ "دو رکعت نماز پڑھو"۔ ❶

اللہ اللہ! اس حدیث پر عمل کرنے سے روکنے کے لئے بعض لوگ یہ بہانہ گھڑتے ہیں کہ اس آنے والے کی حالتِ غربت و مفلسی کی وجہ سے اتنی خراب تھی کہ تمام لوگوں کو اس کی حالت دکھانے کے لئے نماز کے بہانے سے اس کو کھڑا کیا گیا تھا۔ اب ہم لوگوں کو حالتِ خطبہ میں نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس بہانے سے اس حدیث کو باطل کرنے والوں کا جواب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ذریعہ پہلے ہی تیار کر رکھا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ان کو حالتِ خطبہ میں نماز کا حکم دینے کے بعد آپ ﷺ نے اپنی پوری امت کو اس طرح حکمِ عام دیا۔

إذا جاء أحدكم والإمام يخطب فليركع ركعتين وليتجوز فيهما❷

"جب تم میں سے کوئی اس حالت میں آئے کہ امام خطبہ دیتا ہو تو دو رکعت ذرا ہلکی پڑھ لے۔

اب حنفی بھائیوں کے لئے بھی ان کی کتابوں میں موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

"حالت خطبہ میں دو رکعت پڑھنا ثابت ہے"۔

(نور الہدایہ ص ۱۴۸، عین الہدایہ جلد اول ص ۷۸۲) ❸

---

❶ آپ نے فرمایاقم فصل رکعتین ملاحظہ ہو بخاری ج ا ص ۱۲۷ باب من جاء والإمام يخطب صلى ركعتين خفيفتين / مسلم ج ا ص ۲۸۷ كتاب الجمعة فصل من دخل المسجد والإمام يخطب أو خرج للخطبة فليصل ركعتين۔

❷ صحیح مسلم ج ا ص ۲۸۷ كتاب الجمعة فصل من دخل المسجد والامام يخطب او خرج للخطبة فليصل ركعتين وليتجوز فيهما۔ ❸ نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ ج ا ص ۱۲۵۔

پھر بھی آج کل حنفی بھائیوں کو حالتِ خطبہ میں نماز پڑھنے سے روکا جاتا ہے اور تعجب تو یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے والوں پر بھی آپ کو اعتراض ہے۔ ایسے حضرات جب اہل حدیث بھائیوں کے خلاف لکھیں گے تو کیا گل نہیں کھلائیں گے، اس کا اندازہ آپ خود لگالیں۔

ساتویں مثال

نمازِ جمعہ میں صحیح حدیث سے سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ یا سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھنا سنت ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ صحیح مسلم شریف جلد اول ص ۲۸۸ کتاب الجمعة میں نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے۔

قال كان رسول الله ﷺ يقرأ فى العيدين وفى الجمعة بسبح اسم ربك الأعلىٰ وهل أتاك حديث الغاشية وقال وإذا اجتمع العيد والجمعة فى يوم واحد يقرأ بهما أيضا فى الصلاتين۔

"وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عیدین اور جمعہ میں **سبح اسم ربک الاعلیٰ** و**هل اتاک حديث الغاشية** پڑھتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب عید اور جمعہ ایک ہی دن میں جمع ہو جاتے تب بھی آپ ان دو سورتوں کو دونوں نمازوں میں پڑھتے تھے"۔

صحیح مسلم شریف جلد اول کتاب الجمعة ص ۲۸۷ پر ابورافع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

استخلف مروان أباهريرة على المدينة وخرج إلى مكة فصلى لنا أبوهريرة يوم الجمعة فقرأ بعد سورة الجمعة فى الركعة الآخرة اذا جاءك المنافقون قال فأدركت أباهريرة حين انصرف فقلت له إنك قرأت بسورتين كان على بن ابى طالب يقرأ بهما بالكوفة فقال

أبوهريرة إني سمعت رسول اللهﷺ يقرأ بهما يوم الجمعة۔

”مروان نے حضرت ابو ہریرہؓ کو مدینہ پر جانشین بنایا اور مکہ کی طرف نکلا ابو ہریرہؓ نے ہم کو جمعہ کے دن نماز پڑھائی، پس انھوں نے سورۂ جمعہ کے بعد دوسری رکعت میں اذا جاء ک المنافقون پڑھی۔ راوی کہتے ہیں کہ جب ابو ہریرہؓ نے نماز سے منہ پھرایا تو میں نے ان کو جالیا اور ان سے عرض کیا کہ آپ نے جو دو سورتیں پڑھی ہیں حضرت علیؓ بھی کوفہ میں ان کو پڑھتے تھے۔ ابو ہریرہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جمعہ کے دن ان دونوں سورتوں کو پڑھتے ہوئے سنا ہے“۔

اسی طرح فقہ حنفی میں بھی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

”نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ وسورۂ منافقون یا سورۂ اعلیٰ وسورۂ غاشیہ پڑھنا مسنون ہے“۔ (غایۃ الاوطار جلد اول ص ۳۸۱)

صحیح حدیث میں یہ حکم موجود ہے اور فقہاءِ حنفیہ نے بھی حنفیوں کے لئے بیان کیا ہے۔ اہل حدیث کی مسجدوں میں جائیں تو اس پر جمعہ کے دن اسی طرح عمل ملے گا لیکن حنفیوں کو حنفی علماء نے آج کل اس چیز سے محروم کر دیا اور یہ پابندی غیر ضروری اور بے معنی ٹھہرا دی۔ صحیح حدیث اور فقہ کے فتوے کو لاپروائی سے پیٹھ پیچھے ڈال دینا اور پھر مجتہدین ومحدثین پر سلام ورحمت کے تحفے بھیجنا ڈھونگ اور سوانگ نہیں تو پھر اور کیا ہے۔

آٹھویں مثال

عیدین کی نماز میں رسول اللہ ﷺ سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ یا سورۂ ق اور سورۂ قمر پڑھتے تھے۔ صحیح مسلم شریف جلد اول ص ۲۹۱ کتاب صلوٰة العيدين میں عبید اللہ بن عبد اللہؒ روایت کرتے ہیں:

أن عمر بن الخطاب سأل أبا واقد الليثي ماكان يقرأ به رسول اللهﷺ في الأضحى والفطر فقال كان يقرأ فيهما ب قٓ والقرآن المجيد واقتربت الساعة وانشق القمر۔

''حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت ابوواقد لیثیؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں کیا پڑھتے تھے۔ ابوواقد لیثیؓ نے کہا کہ آپ ان دونوں میں ق والقرآن المجید اور اقتربت الساعة وانشق القمر پڑھتے تھے''۔

سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ عیدین میں پڑھنے کی حدیث جو نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے وہ صحیح مسلم کتاب الجمعة ص ۲۸۸ کے حوالے سے ساتویں مثال میں آپ پڑھ چکے ہیں اور احناف کے لئے ان کی کتابوں میں فقہاء کرام نے لکھ دیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمایئے۔

''عیدین میں سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ پڑھنا مسنون ہے''۔

(غایۃ الاذطار اردو ترجمہ درمختار جلد اول ص ۳۸۷) ❶

اگر ہم اسی طرح مثالیں دیتے رہے تو ایک بہت بڑی ضخیم کتاب بن جائے گی کیونکہ اہل حدیث صاحبان کا پورا مذہب حنفی فقہاء، علماء اور مصنفین نے بیان کر دیا ہے۔ اہل حدیثوں کے لئے نہیں بلکہ حنفیوں کے لئے جس کی نمونۃً یہ آٹھ مثالیں ہم نے بیان کر دی ہیں۔ اب ہمیں معترض سے یہ جواب چاہئے کہ جو پانچ الزام ہم پر لگائے ہیں وہ حنفی فقہ میں جب موجود ہیں تو خود حنفی بھائیوں سے چھپانے اور الٹا اہل حدیثوں پر الزام لگانے کا کیا مقصد ہے اور دوسرے مسائل جو فقہاء کرام نے صحیح حدیثوں کے مطابق بیان کر دیئے ہیں آخر ان کو بیان کرتے ہوئے آپ ڈرتے کیوں ہیں؟ ❷ ہماری سمجھ میں صرف ایک ہی بات آتی ہے وہ یہ کہ نہ تو آپ کو فرمانِ رسول کی قدر ہے اور نہ امام اعظمؒ کی نصیحت کا خیال ہے اور نہ فقہ حنفی میں صحیح فتووں کا لحاظ ہے۔ آپ کو خیال صرف اس بات کا ہے کہ مسلمان فرقوں میں بٹے رہیں تا کہ سیلانی اور دنیادار مولوی لمبی چوڑی فیسیں وصول کرتے رہیں۔ اللہ کرے ایسا نہ ہو۔

---

❶ درمختار ج ۱ ص ۱۱۵ باب العیدین

❷ فقہ کے وہ مسائل جو حدیث کے مطابق ہیں اور احناف کا ان پر عمل نہیں ہے اور وہ مسائل جو حدیث بلکہ عقل کے خلاف ہیں اور ان پر احناف کا عمل ہے اسے جاننے کے لئے ملاحظہ کریں حقیقۃ الفقہ تحقیق شدہ جدید ایڈیشن مطبوعہ مکتبہ الفہیم، منو۔

مفصل جوابات

تراویح کا بیان

یا حی یا قیوم برحمتك أستغیث (اے حی وقیوم! تیری ہی رحمت کا آسرا)

ناظرین کرام! یہ تراویح کا لفظ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں استعمال نہیں ہوتا تھا۔ اسی لئے آپ ﷺ نے اس لفظ کو کسی حدیث میں وارد نہیں کیا۔ بعد میں یہ لفظ ایجاد ہوا اور اس کا اشتقاق کیا گیا۔ حدیث کے ترجموں میں ترجمہ کرنے والوں نے اس لفظ کو سمجھانے کے لئے لکھ دیا ہے۔ ورنہ تراویح کی نماز کو حدیث شریف میں قیام رمضان، قیام اللیل، صلوٰۃ اللیل، صلوٰۃ رمضان، وتر اور تہجد کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ محدثین اور فقہاء رحمھم اللہ نے بھی ان ہی الفاظ سے تراویح کے لئے اپنی کتابوں میں باب باندھے ہیں۔ احناف کی بڑی کتاب ''ہدایہ'' میں ''قیام رمضان'' کا باب باندھا ہے ❶۔ امام اعظمؒ کے شاگرد امام محمدؒ نے بھی تراویح کے لئے ''قیام شهر رمضان'' کا باب باندھا ہے۔ ❷ اور صحیح بخاری شریف میں ''قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان وغیرہ'' کے الفاظ کے ساتھ باب باندھا ہے۔ ❸ علامہ عینیؒ نے کنز الدقائق کے عربی حاشیہ میں صلوٰۃ اللیل کے نام سے تراویح کو موسوم کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے بھی ''باب ماجاء فی وصف صلوۃ النبی ﷺ باللیل'' کے الفاظ لکھے ہیں۔ ❹ امام مروزیؒ نے ''کتاب

---

❶ ملاحظہ ہو ہدایہ ج ا ص ۱۵۰ (موجودہ نسخوں کی فہرست میں فصل فی التراویح لکھا ہوا ہے)

❷ ملاحظہ ہو موطا امام محمد ص ۱۴۱

❸ ملاحظہ ہو صحیح البخاری ج ا ص ۱۵۴

❹ جامع الترمذی ج ا ص ۹۹

الــوتــر ‘‘اور ابن خزیمہؒ نے بھی ’’وتر‘‘ کے لفظ سے تراویح پر باب باندھا ہے مصنف ابن ابی شیبہ میں ’’فی صلوۃ رمضان‘‘ کے الفاظ لکھے ہیں۔ تراویح کی حدیث پر امام بخاریؒ نے ’’کتــاب التهــجــد‘‘ کا لفظ وارد کیا ہے۔ ❶ یا یوں کہیے کہ کتــاب التهــجــد میں قیام رمضان کی حدیث لائے ہیں۔ نام الگ الگ ہیں، نماز ایک ہی ہے۔ رات کی نماز، رمضان اور غیر رمضان میں بھی۔ جماعت سے بھی اور بغیر جماعت بھی۔ گھر میں بھی اور مسجد میں بھی۔

آٹھ رکعت تراویح کی بنیادی حدیث

عن أبی سلمة بن عبدالرحمٰن أنه أخبره أنه سأل عائشة كيف كانت صلوة رسول اللهﷺ فی رمضان قالت ماكان يزيد فی رمضان ولا فی غيره على احدیٰ عشرة ركعة يصلی أربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلی أربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلی ثلاثا قالت عائشة فقلت يا رسول الله اتنام قبل ان توتر فقال يا عائشة إن عينی تنامان ولاينام قلبی ❷

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز رمضان شریف میں کیسی تھی، تو انھوں نے کہا کہ رسول

---

❶ بخاری ج ۱ ص ۱۵۴

❷ صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۵۴ كتاب التهجد باب قيام النبیﷺ بالليل فی رمضان وغيره / الصحيح لمسلم ج ۱ ص ۲۵۴ باب صلوة الليل وعدد ركعات النبیﷺ فی الليل جامع الترمذی ج ۱ ص ۹۹ باب ماجاء فی وصف صلوة النبیﷺ بالليل سنن نسائی ج ۱ ص ۱۹۱ كتاب قيام الليل وتطوع النهار باب كيف الوتر بثلث مسند احمد ج ۶ ص ۳۶ ابوداؤد ص ۱۸۹ کتاب الصلوۃ باب فی صلوۃ اللیل موطا امام محمد ص ۱۴۲ كتاب الصلوة باب قيام شهر رمضان وما فيه من الفضل السنن الكبرى للبيهقی ج ۲ ص ۴۹۵ باب ما روی فی عدد ركعات القيام فی شهر رمضان شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۱۹۹ باب الوتر موطا امام مالک ص ۱۴۲ باب صلوة النبیﷺ فی الوتر سنن دارمی، ابن خزیمہ۔

اللہ ﷺ رمضان میں اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ چار رکعت آپ ﷺ پڑھتے ان کی خوبی اور لمبائی کا کچھ نہ پوچھ۔ پھر چار رکعت پڑھتے، ان کی خوبی اور لمبائی کا کچھ مت پوچھ۔ پھر تین رکعت (وتر) پڑھتے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! میری دونوں آنکھیں سو جاتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

اس کے علاوہ حدیث کے بہت سے مجموعوں میں یہ حدیث الگ الگ شیوخ سے روایت کی گئی ہے۔ حضرت عائشہؓ والی اس حدیث کو اہل حدیث حضرات گیارہ رکعت مع وتر تراویح کے لئے اولین دلیل مانتے ہیں، لیکن معترض حقانی صاحب نے لکھا ہے۔ یہ بات تہجد کی ہو رہی ہے۔ تراویح کا اس حدیث میں کوئی ذکر نہیں۔

بیس رکعت تراویح کی بنیادی حدیث

حدثنا يزيد بن هارون قال اخبرنا ابراهيم بن عثمان عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر [1]

(ابن ابی شیبہؒ) کہتے ہیں کہ حدیث بیان کی ہم کو یزید بن ہارون نے وہ کہتے ہیں ہم کو خبر دی ابراہیم بن عثمان نے وہ حکم سے روایت کرتے ہیں وہ مقسم سے روایت کرتے ہیں وہ ابن عباسؓ سے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد۲ ص ۳۹۴۔ سنن کبریٰ بیہقی جلد۲ ص ۴۹۶۔ منتخب مسند عبد بن حمید جلد اول ص ۷۳۔ طبرانی کبیر جلد۳ ص ۱۴۸۔ زوائد المعجمین جلد اول ص ۱۰۹۔

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص۳۹۴ كم يصلي في رمضان من ركعة۔ السنن الکبریٰ للبیہقی ج۲ ص۴۹۵ باب ماروی فی عدد ركعات القيام في شهر رمضان

الکامل ابن عدی (۲/۱)۔ الموضح خطیب بغدادی جلد اول ص ۲۰۹۔ المنتخب من الفوائد جلد دوم ص ۲۶۸)

یہ حدیث سب نے صرف ایک ہی سند سے ایک دوسرے سے نقل کی ہے۔

حنفی معترض نے صحیح بخاری کی حدیث پر رائے دے دی کہ یہ تہجد کے بارے میں ہے اور ابن عباسؓ والی حدیث بیس رکعت تراویح کے ثبوت میں پیش کر دی۔ اس طرح معترض نے رائے پیش کرنے کا دروازہ ہمارے لئے بھی کھول دیا۔ بڑے ادب سے عرض ہے کہ اہل حدیث علماء اول سے آخر تک آٹھ رکعت کی دلیل اسی صحیح بخاری کی حضرت عائشہؓ والی حدیث کو مانتے ہیں اور ان اہل حدیث علماء کی رائے یا مذکورہ حدیث کا معنیٰ ومطلب پیش کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ معترض کا دل اہل حدیث جماعت کی طرف سے میلا ہے، صاف نہیں ہے، اس لئے ہم ان شاء اللہ بڑے بڑے حنفی محدث، حنفی فقہاء اور مقلد شارحینِ حدیث کی رائے ان دونوں حدیثوں کے متعلق پیش کریں گے، تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے اور پتہ چل جائے کہ جس طرح انھوں نے اہل حدیث جماعت پر پانچ بالکل غلط دعوے کئے بعینہ ان دعووں کی دلیلوں میں بھی کھوٹ، جھوٹ اور تہمتوں کے انبار لگا دیئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ شارح صحیح بخاری علامہ احمد بن خطیب قسطلانیؒ اپنی شرح ارشاد الساری میں لکھتے ہیں

أی غیر رکعتی الفجر و أما ما رواہ ابن ابی شیبة عن ابن عباس کان رسول اللہ ﷺ یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر فـإسـنـاده ضـعـیف وقـد عـارضـه حـدیـث عـائشة هذا وهو فی

الصحيحين مع كونها أعلم بحاله عليه السلام ليلا من غيرها.

(ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد دوم ص ۲٦۷)

(یہ گیارہ رکعت) فجر کی دو رکعت چھوڑ کر (کیونکہ ایک روایت تیرہ کی بھی ہے اس میں فجر کی دو سنتوں کو شامل کیا ہے) اور جو ابن ابی شیبہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان شریف میں بیس رکعت پڑھتے تھے تو اس کی، سند ضعیف ہے اور پھر حضرت عائشہؓ کی صحیحین والی حدیث بھی اس کے خلاف ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی کہ رسول اللہ ﷺ کی رات (کی نماز) کا حال وہ دوسروں سے زیادہ جانتی تھیں۔

صحیح بخاری ومسلم کی حضرت عائشہؓ والی حدیث اگر تراویح کے بارے میں نہیں ہے تو علامہ قسطلانی نے بیس رکعت تراویح کے مقابلے میں کیوں بیان کیا؟ اور کیوں اس سے گیارہ رکعت صحیح ثابت کر کے بیس رکعت کو رد کر دیا؟ آخر وہ بھی مقلد تھے۔

۲۔ شارح صحیح بخاری علامہ حافظ احمد علی سہارنپوریؒ

اپنے حاشیہ صحیح بخاری میں اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

ما كان رسول الله صلعم يزيد في رمضان الخ وما رواه ابن أبي شيبة والطبراني و البيهقي من حديث ابن عباس أنه عليه السلام كان يصلي في رمضان عشرين ركعة سوى الوتر فضعيف مع مخالفته للصحيح (صحیح بخاری شریف جلد اول ص۱۵۴ کا حاشیہ۳)

آپ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے الخ۔ اور جو ابن ابی شیبہ نے اور طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ رمضان شریف میں وتر کے علاوہ بیس رکعت پڑھتے تھے وہ ضعیف ہے اور صحیح حدیث

کے خلاف ہے۔

امام قسطلانی کے ساتھ ساتھ شارح صحیح بخاری مولانا احمد علی حنفی سہارنپوریؒ نے بیس رکعت تراویح کے مقابلہ میں حدیثِ عائشہ کو کیوں بیان کیا؟ معلوم ہوا کہ صحیح بخاری شریف کی روایت تراویح کے بارے میں ہے۔

۳۔شارح صحیح بخاری علامہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

وأما ما رواه ابن ابی شيبة من حديث ابن عباس كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوترفإسناده ضعيف وقد عارضه حديث عائشة هذا الذي في الصحيحين مع كونها اعلم بحال النبي ﷺ ليلا من غيرها، والله اعلم

(فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد۴ص۲۵۴)

اور جو ابن عباس کی حدیث سے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان شریف میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے،اس کی سند ضعیف ہے اور صحیحین کی عائشہؓ کی حدیث بھی اس کے معارض ہے باوجودیکہ حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ کے رات کے عمل کو دوسروں سے زیادہ جانتی تھیں۔اور اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

اگر صحیح بخاری شریف کی حدیث تراویح کے بارے میں نہیں ہے تو علامہ حافظ ابن حجرؒ،علامہ احمد علی سہارنپوریؒ اور امام قسطلانیؒ کو کیا ہو گیا تھا کہ انھوں نے بیس کے مقابلے میں گیارہ رکعت تراویح مع وتر ثابت کی اور بیس کو مردود ٹھہرایا۔

۴۔شارح صحیح بخاری علامہ انور شاہ کشمیریؒ

شیخ الحدیث دارالعلوم دیو بند،اپنی شرح ''فیض الباری'' میں لکھتے ہیں:

ثم إن التراويح لم يثبت مرفوعا أزيد من ثلاث عشرة ركعة إلا بطريق ضعيف (فیض الباری شرح صحیح بخاری جزء۲ص۴۲۰مطبوعہ مطبع حجازی قاہرہ)

پھر یہ تراویح مرفوع حدیث کی رو سے تیرہ رکعت سے زیادہ ثابت نہیں ہے۔مگر ہاں ضعیف طریقے سے (بیس کی روایت آتی ہے)

یہ چاروں صحیح بخاری شریف کے شارحین متفق ہیں کہ یہ حدیث عائشہ گیارہ رکعت کے بارے میں ہے اور صحیح ہے اور بیس رکعت تراویح اس کے مقابلے میں نہ صرف ضعیف ہے بلکہ صحیح کے خلاف ہے۔اور تمام طبقہائے اسلام کے نزدیک وہ حدیث ضعیف مردود ہے جو صحیح حدیث کے خلاف ہو۔

۵۔علامہ انور شاہ کشمیری حنفیؒ کی کچھ اور وضاحت

فصح عنه ثمان ركعات وأما عشرون فهو عنه عليه السلام بسند ضعيف وعلىٰ ضعفه اتفاق (العرف الشذی ص۳۲۹)

رسول اللہ ﷺ سے آٹھ رکعات (بغیر وتر کے) صحیح ثابت ہیں لیکن بیس رکعت آپ سے ضعیف سند سے مروی ہے اور اس کے ضعف (کمزوری) پر اتفاق ہے۔

بیس رکعت زیادہ صحیح ثابت ہو رہی ہیں یا آٹھ رکعت، پھر بھی اہل حدیث حضرات سے معترض نے مطالبہ کیا ہے کہ صحاح ستہ میں سے کوئی روایت آٹھ رکعت کی دکھاؤ۔تعجب ہے کہ صحیح بخاری ومسلم کی یہ روایت آٹھ رکعت تراویح کی یہ مقلدین علماء اور شیوخ دیکھ رہے ہیں مگر معترض کو نظر نہیں آرہی ہے تو ہم کیا کریں۔آنکھیں دینا اللہ کا کام ہے ہمارا کام نہیں ہے۔فإنها لا تعمى الأبصار ولكن تعمى

القلوب التی فی الصدور (سورہ حج:۴۶) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں میں رکھے ہوئے دل اندھے ہوجاتے ہیں۔

ولا مناص من تسلیم أن تروایحه علیه السلام کانت ثمانیة رکعات

(العرف الشذی ص۳۲۹)

بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے یہ تسلیم کئے بغیر کہ رسول اللہ ﷺ کی تراویح آٹھ رکعت ہیں۔

اے پاک پروردگار! علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی روح پر سلام ومغفرت کے تحفے نازل فرما اوران کو بتادے کہ آپ کے لکھنے کے باوجود ❶ آپ ہی کے ہم مذہب آٹھ رکعت تراویح تسلیم کرنے سے بھاگ بھی رہے ہیں اوردوسروں کو بھگا بھی رہے ہیں۔

۶۔صاحب ''البحر الرائق'' علامہ ابن نجیمؒ

تراویح کے بیان میں لکھتے ہیں

وقد ثبت أن ذلك کان إحدیٰ عشرة بالوتر کما ثبت فی الصحیحین من حدیث عائشة فإذن یکون علیٰ أصول مشائخنا المسنون ثمانیة منها والمستحب اثنا عشرة۔ (البحر الرائق جلد دوم ص۷۲)

یہ ثابت ہوچکا ہے کہ (تراویح) وتر کے ساتھ گیارہ رکعت ہے۔ جیسا کہ صحیح میں عائشہؓ کی حدیث میں آیا ہے، تو اب ہمارے مشائخِ حنفیہ کے اصول سے آٹھ رکعت سنت ہے اور (مزید) بارہ رکعت مستحب ہے۔

صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیمؒ کا شمار حنفی مذہب کے چند گنے چنے فقہاء

❶ ایک اورجگہ لکھتے ہیں ما کان یزید فی رمضان الخ هذه الروایة روایة الصحیحین وفی الصحاح صلوٰة تراویحه علیه السلام ثمانی رکعات وفی السنن الکبری وغیره بسند ضعیف من جانب أبی شیبة فانه ضعیف اتفاقا عشرون رکعة (ملاحظہ ہو ترمذی ج ا ص ۱۰۱ حاشیہ من العرف الشذی)

میں ہوتا ہے۔ مصنفین فقہاء میں ان کا درجہ بہت اونچا ہے۔ انھوں نے عائشہؓ والی حدیث سے آٹھ رکعت تراویح سنت ثابت کی ہیں اور حنفی مذہب کے بہت سے مشائخ کے اصول سے آٹھ ہی سنت ثابت کی ہیں۔ اس آئینہ میں وہ مسکین اپنا منہ دیکھ لیں جو صرف اہل حدیث صاحبان کو آٹھ کا قائل بتاتے ہیں۔ وہ بے چارے بھی اس آئینہ میں اپنا منھ دیکھ لیں جو پوری بیس رکعت کو سنت موکدہ بتاتے ہیں۔ مزید بارہ رکعت مستحب اور غیر مسنون کو مسنون بتانا کتنا بڑا گناہ ہے، وہ معلوم نہیں ہے کیا؟ مستحب سمجھ کر پڑھ لو وہ الگ بات ہے، لیکن سنت نبی ﷺ نہیں کہہ سکتے۔

۷۔ صاحب نصب الرایہ امام زیلعیؒ کا فتویٰ

وھو معلول بأبی شیبة إبراھیم بن عثمان جد الإمام أبی بکر بن أبی شیبة وھو متفق علی ضعفه ولینه ابن عدی فی الکامل ثم أنه مخالف للحدیث الصحیح عن أبی سلمة بن عبدالرحمن أنه سال عائشة کیف کانت صلوٰة رسول اللّٰه ﷺ فی رمضان قالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیره علی إحدی عشرة رکعة

(نصب الرایہ جلد۲ص ۱۵۳، دوسری طباعت جلد۲ص ۲۹۳)

وہ روایت (بیس رکعت والی) امام ابوبکر بن ابی شیبہ کے دادا ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کی طرف سے کمزور ہے اور اس کی کمزوری پر اتفاق ہے۔ ابن عدیؒ نے بھی اسے اپنی کتاب ''الکامل'' میں کمزور قرار دیا ہے اور پھر یہ روایت صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رمضان شریف میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کیسی تھی تو انھوں نے جواب دیا کہ رمضان اور غیر رمضان میں رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

سرتاج فقہاء حنفیہ علامہ زیلعیؒ کا فیصلہ دیکھو کہ وہ اسی حدیث سے بیس کو رد کر

رہے ہیں اور گیارہ رکعت تراویح مع وتر کے ثابت کررہے ہیں جس حدیث کو معترض نے صرف تہجد کے لئے بتا کر فوراً آنکھیں بند کرلیں۔ اہل حدیث سے تو اعتراض کرنے والوں کو حسد ہے ہی، تعجب یہ ہے کہ وہ اپنے حنفی بھائیوں کو بھی ان حقائق سے کورا رکھ دیتے ہیں۔

۸۔ علامہ ابن تیمیہ حنبلیؒ کا بیان

جاء فی فتاوىٰ ابن تيمية رحمه الله ۲/۱۰۴ أن قيام رمضان لم يوقت النبی ﷺ فيه عددا معينا بل كان هو صلی الله ﷺ لا يزيد فی رمضان ولا فی غيره علی ثلث عشرة ركعة

(تعلیق شعیب الارناؤوط زہیر شاویش علی شرح السنۃ للامام بغوی جلد ۴ ص ۱۲۳)

فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد دوم ص ۱۰۴ کے اندر یہ بیان آیا ہے کہ قیام رمضان کے لئے رسول اللہ ﷺ نے کوئی گنتی (عدد) مقرر نہیں کیا بلکہ یہ حدیث آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان شریف اور اس کے علاوہ دوسرے دنوں میں تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے سنت صرف یہی تعداد بتائی ہے۔ بعد میں مستحب رکعت بھی بیس اور چالیس بتائی ہیں اور ان کے حنبلی مذہب میں جو رواج پڑ گیا ہے اس کی تائید اور تاویل بھی کی ہے۔ ہمارے معترض نے وہ پچھلا بیان جو مستحب ہے نقل کردیا لیکن ابن تیمیہؒ کی وہ عبارت جو اصل سنت نبوی ﷺ سے متعلق ہے صاف چھپا گئے۔

''دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا''۔

جہاں تک میرا خیال ہے اس عربی فتاویٰ کا اردو ترجمہ نہیں ہوا اور معترض کو کسی ''دوسرے'' نے نقل کر کے دیا ہے اور اسی نے معترض کے کاندھے پر کمان رکھ کر غلط تیر چلا دیا۔ اللہ تعالیٰ دے تو امانت دار دے۔

۹۔علامہ ابوالطیب محمد بن عبدالقادر سندھی مدنی حنفی نقشبندیؒ کا بیان

ورد عن ابن عباس قال كان رسول الله ﷺ يصلى فى رمضان عشرين ركعة والوتر رواه ابن أبى شيبة وإسناده ضعيف وقد عارضه حديث عائشة هذا وهو فى الصحيحين فلا تقوم به حجة (شرح سنن ترمذی جلد اول ص۴۲۳)

ابن عباسؓ سے وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔روایت کیا اس کو ابن ابی شیبہ نے اور اس کی سند ضعیف ہے اور حال یہ ہے کہ صحیحین والی حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ حدیث بھی اس کے خلاف ہے۔اس لئے (بیس رکعت کی روایت سے دلیل قائم نہیں ہوسکتی)

۱۰۔مولانا وصی اللہ صاحب حنفیؒ ''طحاوی شریف'' کی تعلیق میں لکھتے ہیں:

وحديث ابن عباس رضى الله عنه هذا ضعيف وقد عارضه حديث عائشة الذى أخرجه محمد بن الحسن فى الموطا والبخارى فى صحيحه قالت ما كان يزيد فى رمضان ولا فى غيره على إحدى عشرة ركعة مع كون عائشة أعلم بحال النبى ﷺ ليلا من غيرها (تعلیق معانی الآثار للطحاوی ص۳۵۰)

اور ابن عباسؓ کی یہ حدیث ضعیف ہے اور حال یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ والی حدیث بھی اس کی مخالف ہے جس کی تخریج امام محمد بن حسنؒ نے موطا میں اور امام

بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں کی ہے (حضرت عائشہؓ) کہتی ہیں کہ آپ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ مستزاد یہ کہ حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کے رات کے عمل کو اوروں سے زیادہ جانتی تھیں۔

۱۱۔ استاذی مولانا زکریا صاحب حنفی کاندھلویؒ کا بیان

لا شك فی أن تحديد التراويح فی عشرين ركعة لم يثبت مرفوعا عن النبی ﷺ بطريق صحيح علی أصول المحدثين وماورد فيه من رواية ابن عباس فمتكلم فيها علی أصولهم

(اوجز المسالک شرح موطا امام مالک جلد اول ص ۳۹)

اس میں شک نہیں کہ تراویح میں بیس رکعت کی حد رسول اللہ ﷺ سے محدثین کے اصولی طریقے پر مرفوعاً ثابت نہیں ہے اور جو روایت ابن عباسؓ سے بیس رکعت کے بارے میں آتی ہے اس میں محدثین کے اصول کے پیش نظر کلام کیا گیا ہے۔ (یعنی اس کو معلول ومجروح ٹھہرایا گیا ہے۔)

۱۲۔ علامہ کمال ابن ہمامؒ فرماتے ہیں۔

وما روی ابن أبی شيبة فی مصنفه فضعيف بأبی شيبة إبراهيم بن عثمان جد الإمام أبی بكر بن أبی شيبة متفق علی ضعفه مع مخالفته الصحيح (فتح القدیر شرح ہدایہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۳۳۳)

اور جو روایت ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں (بیس رکعت والی) کی ہے وہ ضعیف ہے اس کے دادا ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے، اس کے ضعف ہونے پر اتفاق ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ روایت (گیارہ رکعت والی) صحیح حدیث کے خلاف بھی ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ کا درجہ فقہاء مجتہدین میں بڑا زبردست مانا جاتا ہے۔ اگر میں

حنفی ہوتا تو ان بڑے بڑے مجتہدین کے بیان کو فوراً گلے لگا لیتا، کیونکہ حنفی مذہب ایسے ہی بڑے بڑے فقہاء اور مجتہدین کے فتووں اور تصنیفات پر مشتمل ہے۔ مگر الحمد للہ! ہم لوگ پہلے ہی سے حدیث نبوی ﷺ پا کر گیارہ رکعت مع وتر تراویح پر عامل اور کاربند ہیں۔

۱۳۔ شیخ عبدالحق حنفی محدث دہلویؒ کا بیان

قالوا إن هذا الحديث ضعيف والصحيح ما روته عائشة أنه صلى إحدى عشرة ركعة كما هو عادته في قيام الليل وروى أنه كان بعض السلف في عهد عمر بن عبدالعزيز يصلون إحدى عشرة ركعة قصدا تشبيها برسول الله ﷺ (ماثبت بالسنۃ ص ۲۱۷)

(علماء ومحدثین) نے کہا کہ یہ حدیث (بیس رکعت کی) ضعیف ہے اور صحیح وہی ہے جسے حضرت عائشہؓ نے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے گیارہ رکعت تراویح پڑھی جیسا کہ رات کی نماز میں آپ کی عادت مبارکہ تھی۔ اور روایت کیا گیا ہے کہ بعض سلف صالحین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانے میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی مشابہت کے قصد سے۔

آج الحمد للہ! اہل حدیث بھی اسی قربتِ رسول ﷺ کے نیک مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آٹھ رکعت تراویح مع تین وتر پڑھتے ہیں۔

۱۴۔ شیخ عبدالحق حنفی محدث دہلویؒ کا بے لاگ تبصرہ

ولم يثبت رواية عشرين منه ﷺ كما هو المتعارف الآن إلا في رواية ابن أبي شيبة وهو ضعيف وقد عارضه حديث عائشة وهو حديث صحيح (فتح سرالمنان)

بیس رکعت کی روایت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ آج کل رواج پڑ گیا ہے مگر ہاں ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ہے اور وہ ضعیف ہے اور

حضرت عائشہؓ والی حدیث اس کے معارض ہے اور وہ حدیث صحیح ہے۔

اللہ اللہ! یہ فقہاء حنفیہ اور حنفی علماء جو سمجھے ہیں وہ معترض نہیں سمجھ پایا اور جو معترض نے سمجھا ہے یہ بڑے بڑے اساطین حنفیہ اس کی تردید کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح کی روایت بے کار اور آٹھ رکعت تراویح کی حدیث ہی صحیح ہے۔ پھر بھی معترض نے لکھا ہے کہ ''اہل حدیث صاحبوں نے قیامت تک آٹھ رکعات تراویح پڑھنے کا فیصلہ کیسے کرلیا اور کون سی صحیح حدیث سے کرلیا'' آپ دھیان میں رکھ لیجئے کہ اسی صحیح حدیث سے اہل حدیث صاحبان نے آٹھ رکعات تراویح پڑھنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اگر معترض نے عربی کی پہلی جماعت بھی پڑھی ہوتی تو ''میزان منشعب'' میں ان کو ماضی استمراری کا حال معلوم ہو جاتا کہ اس کا صیغہ دوام اور ہمیشگی کے لئے آتا ہے۔ صحیح بخاری کی گیارہ رکعت والی حدیث میں یہی ماضی استمراری کا صیغہ نفی کے ساتھ دو دو فائدوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ گیارہ رکعت ہی نشاط کی حالت میں بغیر عذر کے پڑھتے رہے، دوم یہ کہ آپ نے کبھی اس عادتِ مبارکہ سے زیادہ نہیں کیا، ہاں البتہ دو رکعت ہلکی آپ ﷺ رات کی نماز کا افتتاح کرتے وقت پڑھتے تھے۔ بعضوں نے فجر کی دو سنتیں مراد لی ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ وہ افتتاحی دو رکعت ہیں۔ اسی لئے جنھوں نے تیرہ رکعت کا بیان کیا ہے انھوں نے ان دو رکعتوں کو شامل کرلیا ہے۔ اور جنھوں نے گیارہ رکعت کی تعداد بتائی ہے انھوں نے دو رکعتوں کو شامل نہیں کیا ہے۔ ❶ حضرت عائشہؓ نے گیارہ رکعت ہی کا بیان کیا ہے اس حدیث میں۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ کا یہ دوامی عمل تھا اور اسی لئے اہل حدیث صاحبوں نے بھی ہمیشہ کے لئے اس کو اختیار کرلیا۔

---

❶ ترمذی کے حاشیہ میں ہے: صلوته عليه السلام بالليل في أصح الروايات بإحدى عشرة ركعة وفي بعض الصحاح ثلث عشرة ركعة وقال المحدثون أن صلوة الليل كانت إحدى عشرة ركعة إلا أن الراوي جمع بها ركعتي الفجر الحديث صلى النبي ﷺ بالليل ثلث عشرة ركعة منها ركعتا الفجر وقيل إن الركعتين صلوة التحية وقيل هي الركعتين الخفيفتين قبل صلوة الليل وبعدها وقيل هما ركعتا النفل جالسا بعد الوتر ١١ منه ہو حاشیہ نسائی ج ا ص ١٠١

۱۵۔ بانی دارالعلوم دیوبند مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا بیان

''گیارہ رکعت تراویح سرور عالم ﷺ سے ثابت و موکدہ ہے''۔ (رسالہ ''الحق الصریح'')

۱۶۔ رئیس الفقہاء ابوالحسن شرنبلالیؒ لکھتے ہیں

ثبت أنه ﷺ بالجماعة احدى عشرة ركعة بالوتر

(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۲۴۷)

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جماعت کے ساتھ مع وتر گیارہ رکعت پڑھی ہیں۔

۱۷۔ ملا علی قاری حنفیؒ کا بیان

أن التراويح في الاصل احدى عشرة ركعة فعله عليه السلام

(مرقاۃ در حاشیہ مشکوۃ جلد اول ص ۱۱۵)

تراویح اصل میں گیارہ رکعت ہی ہیں جسے رسول اللہ ﷺ نے ادا کیا ہے۔

۱۸۔ علامہ ابن عابدین شامی حنفیؒ کا بیان

أن مقتضى الدليل كون المسنون منها ثمانية و الباقي مستحبا

(رد المختار جلد اول ص ۴۹۵)

دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ آٹھ رکعت نماز تراویح سنت ہے اور باقی مستحب ہے۔

۱۹۔ علامہ احمد طحطاویؒ کا فتویٰ

أن النبي ﷺ لم يصلها عشرين بل ثمانياً

(طحطاوی حاشیہ در مختار جلد ا ص ۲۹۵)

نبی کریم ﷺ نے بیس رکعت تراویح نہیں پڑھی ہیں بلکہ صرف آٹھ رکعات ادا فرمائی ہیں۔

۲۰۔علامہ ابوالسعود حنفیؒ لکھتے ہیں

لأن النبی ﷺ لم یصلھا عشرین بل ثمانیاً

(شرح کنز ص ۲۶۵)

اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے بیس رکعت نہیں پڑھی ہیں بلکہ صرف آٹھ رکعت پڑھی ہیں۔

۲۱۔علامہ سید احمد حموی حنفیؒ کا بیان

ان النبی ﷺ لم یصلھا عشرین بل ثمانیاً

(حاشیہ الاشباہ والنظائر ص ۹)

نبی کریم ﷺ نے بیس رکعت نہیں پڑھی ہیں بلکہ صرف آٹھ رکعت ہی پڑھی ہیں۔

۲۲۔مولوی محمد احسن نانوتوی حنفیؒ لکھتے ہیں

لان النبی ﷺ لم یصلھا عشرین بل ثمانیاً

(حاشیہ کنز الدقائق ص ۳۶)

اس لئے کہ نبی محترم ﷺ نے بیس رکعت نہیں پڑھی ہیں بلکہ صرف آٹھ رکعت پڑھی ہیں۔

۲۳۔علامہ کمال ابن الہمام حنفیؒ کی ایک اور وضاحت

أن قیام رمضان سنۃ إحدی عشرۃ رکعۃ بالوتر فی جماعۃ

فعله عليه السلام۔

(فتح القدیر حاشیہ ہدایہ جلد اول ص ۱۹۸ مطبوعہ نولکشور۔ اور طبع مصر جلد اول ص ۳۳۴ اور مسک الختام جلد اول ص ۲۸۸)

قیام رمضان سنت گیارہ رکعت ہی ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے جماعت کے ساتھ مع وتر ادا کیا ہے۔

پھر ارشاد فرماتے ہیں

وظاهر كلام المشائخ ان السنة عشرون ومقتضى الدليل ما قلنا (حوالہ مذکور)

مشائخ کے ظاہری کلام سے بیس رکعت سنت معلوم ہوتی ہے لیکن دلیل کی رو سے وہی ہے جو ہم نے کہہ دیا (یعنی آٹھ رکعت)

۲۴۔ امام سیوطیؒ کا فیصلہ کن بیان

هذا الحديث ضعيف جدا لا تقوم به حجة (کتاب المصابیح ص ۲)

یہ (بیس رکعت والی) حدیث بالکل ضعیف ہے۔ اس سے کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔

پھر اسی بیان میں لکھتے ہیں:

ومن اتفق هؤلاء الائمة على تضعيفه لا يحل الاحتجاج بحديثه (کتاب المصابیح)

اور جس شخص کے ضعیف ہونے پر یہ تمام ائمہ متفق ہیں اس کی روایت سے دلیل پکڑنا حلال نہیں (یعنی حرام ہے)

حضرت عائشہؓ والی صحیح بخاری شریف کی روایت کے متعلق ہم نے حنفی علماء

کرام کے بیانات جمع کر دیئے ہیں۔ ❶ انھوں نے گیارہ رکعت تراویح مع وتر اسی حدیث سے ثابت کی ہیں جسے اہل حدیث بھی اپنی اولین اور بنیادی دلیل بناتے ہیں لیکن معترض نے اہل حدیثوں کو ہی موردالزام ٹھہرایا ہے کہ اس حدیث سے تراویح نہیں، نماز تہجد ثابت ہوتی ہے۔ اور پھر ہم کو جہالت کا طعنہ دیا ہے۔ تو پھر معترض کے نزدیک یہ بڑے بڑے فقہاء کرام کیسے ہیں؟ ہم نے معترض کے گھر کی شہادتیں جمع کر دی ہیں۔ جنھوں نے ایک طرف بیس رکعت والی روایت کو دفن کر کے رکھ دیا تو دوسری طرف گیارہ رکعت مع وتر والی حدیث کی توثیق کر دی اور اہل حدیث حضرات

---

❶ چند بیانات اور ملاحظہ فرمائیں: مولانا عبدالحی حنفیؒ لکھتے ہیں: وورد فی روایة ابن ابی شیبة والبیهقی أن النبی ﷺ أیضا صلی عشرین رکعة لکنه حدیث ضعیف عند المحدثین
(ملاحظہ ہو ہدایہ ج ۱ ص ۱۵۱ حاشیہ نمبر ۳)

موطا امام محمد کے حاشیہ میں آپ کا ایک قول اس طرح ہے: وروی ابن ابی شیبة وعبد بن حمید والبغوی والبیهقی والطبرانی عن ابن عباس أن النبی ﷺ کان یصلی بعشرین رکعة والوتر فی رمضان وفی سنده ابراهیم بن عثمان أبو شیبة جد ابن أبی شیبة وهو مقدوح

آگے لکھتے ہیں: قال جماعة من العلماء منهم الزیلعی وابن الهمام والسیوطی والزرقانی ان هذا الحدیث مع ضعفه معارض بحدیث عائشة الصحیح فی عدم الزیادة علی احدی عشرة رکعة فیقبل الصحیح ویطرح غیره (ملاحظہ ہو موطا امام محمد ص ۱۴۲ حاشیہ ۳)

علامہ عینی حنفیؒ لکھتے ہیں: فإن قالت لم یبین فی الروایات المذکوره عدد الصلوات التی صلها رسول الله ﷺ فی تلك اللیالی قلت رواه ابن خزیمة وابن حبان من حدیث جابر قال صلی بنا رسول الله ﷺ فی رمضان ثمانی رکعات ثم اوتر عمدۃ القاری ج ۵ ص ۳۵۷ زکریا بکڈپو دیوبند

اگر تم یہ کہو کہ جو نماز آپ نے ان تین راتوں میں پڑھائی تھی اس میں تعداد کا ذکر نہیں تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو رمضان میں آٹھ رکعت اور وتر پڑھائی تھی۔

مولانا عبدالحی حنفیؒ حاشیہ ہدایہ میں لکھتے ہیں: السنة ما واظب علیه الرسول فحسب فعلی هذه التعریف یکون السنة هو ذلك القدر المذکور ومازاد علیه یکون مستحبا سنت وہی ہے جس پر رسول ﷺ نے مواظبت کی ہو پس اس تعریف کے بموجب صرف مقدار مذکور (آٹھ رکعت) سنت ہوگی اور اس سے زیادہ وہ نماز مستحب ہوگی۔ (حاشیہ ہدایہ ج ۱ ص ۱۵۱ حاشیہ ۳)

کی سچائی ظاہر ہوگئی۔ اب معترض اپنے الزامات کا بوجھ اٹھائے پھرتا رہے، یہاں کون پوچھتا ہے جب یوسفؑ پر زلیخا نے الزام لگایا تو اسی کے گھر کی ایک شہادت نے یوسف علیہ السلام کو تو بری کر دیا لیکن الزام لگانے والی ہکا بکا کھڑی رہ گئی۔ اب آیئے یہ دیکھیں کہ ان فقہاء کرام نے بیس رکعت والی روایت کو شدید ضعیف اور نا قابل حجت کیوں قرار دیا ہے۔

۲۵۔ بیس رکعت والی روایت کی سند کا حال

ناظرین کرام! آپ فقہاء کرام کی تصریحات میں بیس رکعت کی روایت کے متعلق پڑھ چکے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ سند کہتے ہیں راویوں کے اس سلسلے کو جو ایک دوسرے سے سن کر نیچے تک پہنچاتے ہیں۔ اگر سند میں سچے، مضبوط اور ایماندار راوی ہوں تو وہ حدیث صحیح کی قسم میں سے ہے۔ اگر روایت کرنے والے کھوٹے، جھوٹے ہوں تو روایت صحیح نہیں ہے۔ بیس رکعت کی سند میں ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ہے۔ اس کے اوپر حکم بن عتیبہ بن نہاس کوفی ہے اس کے اوپر مقسمؒ تابعی ہیں اور ان کے اوپر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی۔ اس سند میں دو کھوٹے راوی جمع ہو گئے ہیں۔ ایک تو ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ہے اور دوسرا حکم بن عتیبہ بن نہاس کوفی ہے۔ ان دونوں نے تابعی مقسمؒ اور صحابی ابن عباس رضی اللہ عنہ اور پھر رسول اللہ ﷺ کے پاک اور مبارک نام استعمال کر لئے اور بیس رکعت پڑھنے کا بیان ان کے حوالے سے گھڑ لیا۔ اور ان کا یہ بیان منکر ہے۔ اور منکر اسے کہتے ہیں جو صحیح حدیث کے خلاف ہو۔ منکر روایت گھڑنا بدترین گناہ ہے۔ ان دو کھوٹے راویوں کے علاوہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تیسرا کھوٹا راوی خود معترض حقانی صاحب ہیں جنھوں نے ان دونوں کی طرح ابن عباسؓ کا

نام استعمال کرلیا ہے اور انھوں نے بھی ابن عباس پر ایک جھوٹ بات گھڑ کر لگا دی ہے۔ آیئے ان تینوں راویوں کا حال الگ الگ دیکھتے ہیں۔

۲۶۔ پہلا کھوٹا راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان

علامہ امام زیلعیؒ نے اس راوی ابراہیم بن عثمان کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ نمبر ۷ میں دیکھ لیجئے۔ اس کے متعلق ذرا بحث دیکھئے۔

شارح صحیح بخاری علامہ عینیؒ، ابراہیم بن عثمان کے متعلق لکھتے ہیں:

كذبه شعبة وضعفه أحمد وابن معين والبخاری والنسائی وغيرهم واورد له ابن عدی هذا الحديث فی الكامل فی مناكيره

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد۵ ص ۳۵۹ مطبوعہ مصر)

(فن رجال کے امام) شعبہ نے اس کو جھوٹا کہا ہے۔ امام احمد اور امام ابن معین اور امام بخاری اور امام نسائی وغیرہم نے اس کو ضعیف قرار دیا اور ابن عدی نے اپنی کتاب ''الکامل'' میں اس کی بیس رکعت والی حدیث کو منکر روایتوں میں شامل کیا ہے۔

علامہ عینیؒ کا شمار حنفی مذہب کے سخت ترین فقہاء میں ہوتا ہے، انھوں نے بھی بیس رکعت کی روایت کے راوی کا کچا چٹھا کھولنے میں ذرا پس وپیش نہیں کیا۔

۲۷۔ اسماء الرجال کے مسلّمہ امام علامہ ذہبیؒ کا تفصیلی بیان

علامہ ذہبیؒ اپنی مشہور عالم کتاب ''میزان الاعتدال فی نقد الرجال'' مطبوعہ دار الاخبار الکتب العربیۃ قسم اول ص ۴۷ پر لکھتے ہیں:

إبراهيم بن عثمان أبو شيبة قاضی واسط وجد أبی بكر بن ابی شيبة يروی عن زوج أمه الحكم بن عتيبة وغيره كذبه شعبة لكونه رویٰ عن الحكم عن ابن أبی ليلی أنه قال شهد صفين

من أهل بدر سبعون فقال شعبة كذب والله لقد ذاكرت الحكم فما وجدنا شهد صفين أحد من أهل بدر غير خزيمة قلت (يعنى الذهبى) سبحان الله أما شهداها على أما شهدها عمار

ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ واسط شہر کا قاضی ہے اور امام ابوبکر بن ابی شیبہ کا دادا ہے وہ اپنی ماں کے (دوسرے) خاوند حکم بن عتیبہ سے روایت کرتا ہے۔ امام شعبہ نے (دوسری روایت پر بھی) اس کو جھوٹا بتایا ہے۔ کیونکہ اس نے حکم سے اور حکم نے ابن ابولیلیٰ سے یہ روایت کیا ہے کہ جنگ صفین میں ستر بدری صحابہ موجود تھے۔ کہا امام شعبہ نے وہ یہ بات جھوٹ کہتا ہے۔ کیونکہ خدا کی قسم میں نے خود حکم سے بات چیت کی تو حکم نے بتایا کہ جنگ صفین میں ہم کو صرف ایک بدری صحابی خزیمہ رضی اللہ عنہ ملے۔ امام ذہبی کہتے ہیں کہ تعجب ہے اس جنگ صفین میں حضرت علی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما بھی شریک تھے (یہ دونوں بھی بدری صحابی ہیں)

اوپر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ جنگ صفین میں زیادہ سے زیادہ تین بدری صحابی شریک تھے جسے بڑھا کر ابراہیم بن عثمان نے ستر کی تعداد کردی، تو کیا ایسا شخص آٹھ رکعت تراویح کو بیس نہیں بنا سکتا۔ اور اگر ستر کی تعداد کے بجائے صرف ایک صحابی کی شرکت اس کی اماں کے دوسرے خاوند حکم بن عتیبہ نے بتائی ہے تو وہ بھی جھوٹا مجہول ثابت ہوا۔ اور یہ دونوں کھوٹے راوی ابراہیم بن عثمان ہی بیس کی روایت کو منکر بنانے کے لئے کافی تھا، جس کے متعلق علامہ ذہبیؒ آگے لکھتے ہیں:

روى عثمان الدارمى عن ابن معين ليس بثقة وقال أحمد ضعيف وقال البخارى سكتوا عنه وقال النسائى متروك الحديث ومن مناكير أبى شيبة ما روى البغوى انبأنا منصور بن ابى مزاحم انبأنا أبوشيبة عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس كان

رسول اللہ ﷺ یصلی فی شہر رمضان فی غیر جماعۃ بعشرین رکعۃ والوتر۔

عثمان دارمیؒ نے ابن معینؒ سے روایت کیا ہے کہ ابوشیبہ مضبوط راوی نہیں ہے اور امام احمدؒ نے کہا کہ ضعیف ہے۔ امام بخاریؒ نے کہا کہ محدثین نے اس سے خاموشی اختیار کی ہے۔ امام نسائی نے کہا کہ اس کی روایت متروک ہے۔ ابوشیبہ کی منکر روایتوں میں وہ روایت بھی ہے جسے بغویؒ نے منصور بن ابی مزاحم سے روایت کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ابوشیبہ نے بیان کیا وہ حکم سے وہ مقسم سے وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں بغیر جماعت بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔

محدثین کرام اور فقہاء عظام کے نزدیک اور فن رجال کے اماموں کی نظر میں یہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کیسا ہے دیکھ لیجئے اور اس کی منکر روایتوں میں یہی بیس رکعت تراویح کی روایت کو شمار کیا ہے۔ ابوشیبہ کی وفات ۲۶۰ھ کے بعد ہوئی۔ اب دوسرے راوی کا حال دیکھئے۔

۲۸۔ بیس رکعت کی روایت کا دوسرا اکھوٹا راوی حکم بن عتیبہ کوفی ہے

علامہ ذہبیؒ "میزان الاعتدال فی نقد الرجال" کے قسم اول ص ۵۷۷ میں حکم بن عتیبہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

حکم بن عتیبۃ بن نہاس الکوفی ذکرہ ابن أبی حاتم وبیض لہ مجھول لانہ لیس یروی الحدیث وإنما کان قاضیا بالکوفۃ

حکم بن عتیبہ بن نہاس کوفی کا ذکر (فن رجال کے امام) ابن ابوحاتم نے کیا ہے اور بالکل صاف لکھا ہے کہ وہ مجہول ہے۔ اس لئے کہ وہ حدیث تو روایت ہی نہیں

کرتا (حدیث کے نام پر کچھ اور روایت کرتا ہے) وہ کوفہ کا قاضی تھا۔

دوسرا راوی حکم بن عتیبہ آپ کے سامنے ہے۔ یہ بھی پہلے راوی کی طرح مجہول اور منکر گردانا گیا ہے۔ ابوشیبہ جس عورت کا بیٹا تھا تو حکم اسی عورت کا دوسرا خاوند تھا اور یہ دونوں سوتیلے باپ بیٹے سرکاری آدمی یعنی قاضی تھے۔ اور ان سرکاری آدمیوں نے شہید کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے لے کر بعد کے زمانوں تک کیا کیا ظلم ڈھائے ہیں وہ مسلمانوں کی تاریخ میں دیکھئے۔ بلاذریؒ نے اپنی تاریخ میں اور بغدادیؒ نے بھی اس کا نقشہ کھینچا ہے۔ ابن اثیرؒ نے اپنی تاریخ اور ابن کثیرؒ نے البدایۃ والنہایۃ میں اور ابن خلدون نے بھی اور مسعودی نے مروج الذہب میں وہ دل ہلا دینے والے حالات اور واقعات جمع کر دیئے ہیں کہ ان سرکاری آدمیوں نے کتنے ظلم ڈھائے ہیں اور دین میں کیسی کیسی بددیانتی کی ہے اور کروائی ہے۔ خصوصاً اختلافی مسلک رکھنے والے قاضیوں نے تو حد کر دی تھی۔ اختلافی مسائل میں الجھنے والے قاضیوں نے اہلِ اسلام پر تلوار اٹھالی اور زبردستی مسلک پھیلائے اور دوسرے مسلک والوں کا اس طرح خون بہایا ہے جیسے مرتدوں کا خون بہایا جاتا ہے۔ اور اس خوفناک ظلم وستم اور بربریت کا نشانہ لاکھوں مسلمان بنے اور ان کا خون بہادیا گیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہ پرفتن دور ۲۰۰ھ کے بعد اور بھی زیادہ شدت والا تھا۔ موضوع اور منکر روایتیں اور بھی زیادہ گھڑی جانے لگیں۔ تو ایسے پرفتن دور میں یہ دونوں مجہول اور کذاب راوی موجود تھے۔ جنھوں نے مقسم تابعیؒ اور ابن عباسؓ صحابی کا نام استعمال کرلیا اور رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے ایک روایت گھڑ لی۔ علامہ شوکانیؒ کی کتاب ''الفوائد المجموعۃ'' کو دیکھو جس میں موضوع اور حد درجہ ضعیف روایتوں کو جمع کر دیا گیا ہے جن میں دجال، کذاب اور مجہول راویوں نے صحابہ کرام کے نام استعمال کر لئے ہیں اور خود ابن عباس جن کا نام عبداللہ بن عباس ہے ان کے نام سے بھی بہت سی روایتیں

گھڑی گئی ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ محدثین کرام،فقہاء عظام اورفن رجال کے ائمہ رحمہم اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے ہر ایک راوی کو کھنگال ڈالا اور ہر مفتری کا پردہ چاک کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا۔آج آپ ہر ایک حدیث کا درجہ جان سکتے ہیں کہ کون سی حدیث صحیح ہے اور کون سی حدیث ضعیف،کون سی متواتر ہے اور کون سی غریب،کون سی حسن ہے اور کون سی موضوع۔

علامہ ناصر الدین البانیؒ نے اپنی نہایت وقیع اور قابل قدر کتاب ''ارواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبیل ''میں ان دونوں مجہول اور کاذب راویوں کی بیس رکعت تراویح والی روایت کو تین طریقے سے موضوع یعنی من گھڑت ثابت کیا ہے اور نہایت قیمتی بحث کی ہے،جن کو دیکھنا ہو مذکورہ کتاب کی دوسری جلد ص ۱۹۱ مطبوعہ المکتب الاسلامی (بیروت)اور ان کی دوسری کتاب "سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة جلد دوم ص ۳۵ سلسلہ نمبر ۵۶۰ میں دیکھ لیں۔

۲۹۔ابن عباسؓ پر جھوٹ باندھنے والا تیسرا کھوٹا راوی خود محمد پالن حقانی ہیں

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بیس رکعات تراویح کی روایت کو تمام محققین فقہاء حنفیہ اور غیر حنفیہ نے شدید الضعف ومنکر اور موضوع بتایا ہے اور اس کو ناقابل دلیل بتا کر دفن کر دیا ہے،کیونکہ اس کی سند میں دو جھوٹے راوی روایت کرتے ہیں اور اس روایت کا مضمون صحیح حدیث کے خلاف بھی ہے۔ایسی منکر اور موضوع روایت کو محمد پالن حقانی یعنی ہمارے معترض نے بیس رکعت تراویح کے ثبوت میں بھی پیش کیا ہے اور ابوشیبہ اور حکم بن عتیبہ کی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ پر جھوٹ بھی باندھا ہے۔ معترض کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اس بات کی جستجو بھی رہتی تھی کہ حضور ﷺ کس طرح رات کو عبادت کرتے تھے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ وہ ہستی ہیں جن کا فتویٰ حضور ﷺ کی زندگی میں بھی چلتا تھا۔ لیجئے بیس رکعت تراویح کا ثبوت مل گیا۔ اب وہ انعام جس کا آپ ہر سال اعلان کرتے ہیں ہمیں دیا جائے اور اپنے وعدے کو پورا کیا جائے، کیونکہ آپ ایمان والے ہیں اور ایمان والوں کو وعدہ پورا کرنے کے لئے قرآن کریم حکم دے رہا ہے"۔

(شریعت یا جہالت اضافہ شدہ ص ۱۹۶ اور الگ سے جو کتابچہ چھپا ہے اس کا ص ۴۹، ۵۰)

معترض کی عبارت اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے انھوں نے اسی موضوع اور منکر اور نا قابلِ استدلال حدیث کو بیس رکعت تراویح کی دلیل میں پیش کیا ہے اور پھر انھوں نے اس پر انعام کا بھی مطالبہ کیا ہے۔ ہم ان شاء اللہ انعام ضرور دیں گے۔ لیکن انعام لینے سے پہلے جواب دیجئے کہ آپ نے جو دعویٰ کیا ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ کا فتویٰ حضور ﷺ کی زندگی میں بھی چلتا تھا۔ تو وہ فتویٰ کب چلتا تھا؟ مکہ مکرمہ کی زندگی میں یا مدینہ طیبہ کی زندگی میں؟ چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں دس سال قیام فرمایا اور وہیں آپ ﷺ کا انتقال ہوا۔

پیارے معترض! سوال یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کی زندگی ۱ھ ہجری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فتویٰ چلتا تھا یا ۲ھ ہجری میں؟ ۳ھ ہجری میں چلتا تھا یا ۴ھ ہجری میں؟ اچھا ذرا اور آگے بڑھئے ۵ھ ہجری میں ان کا فتویٰ چلتا تھا یا ۶ھ ہجری میں؟ ذرا تاریخ اسلام دیکھ کر بتایئے۔

آیئے! یہ بات بھی تحقیق کر کے ہم ہی بتائے دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہجرت سے صرف تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ یعنی جب رسول اللہ ﷺ

نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تب ابن عباسؓ صرف تین سال کے تھے اور مکہ میں تھے اور ہجرت کے آٹھویں برس میں ان کے والد حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ مدینہ آ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان ہی کے ساتھ یہ عبداللہ بن عباسؓ بھی مدینہ میں آئے۔ ۸ھ کے شروع ہونے تک یہ مدینہ منورہ میں تھے ہی نہیں۔ ۸ھ کے آخر میں مکہ فتح ہونے سے کچھ پہلے اپنے والد کے ہمراہ مدینہ طیبہ آئے اس وقت ان کی عمر صرف گیارہ سال کی تھی۔ انھوں نے اپنی زندگی کا بارہواں اور تیرہواں برس مدینہ میں گزارا اور پھر رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوگیا۔ ابوبکرؓ کی ڈھائی سالہ خلافت کے بعد سیدنا عمرؓ کی خلافت میں علم حاصل کرنا شروع کیا اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث دوسرے صحابہ کرامؓ سے سیکھیں۔ بہت سی روایات انھوں نے خود حضرت عمرؓ سے لی ہیں۔ [1]

ندوۃ المصنفین اعظم گڈھ سے ایک کتاب ''مہاجرین'' کے نام سے بھی شائع ہوئی ہے، جس کے مصنف مولانا حاجی معین الدین ندوی ہیں۔ اس کتاب کے حصہ اول ص ۱۲۱ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حالات یوں لکھے ہیں۔

''حضرت عبداللہ ہجرت سے تین سال قبل مکہ کی اس گھاٹی میں تولد پذیر ہوئے جہاں مشرکینِ قریش نے تمام خاندان بنو ہاشم کو محصور کر دیا تھا''

(اسد الغابۃ تذکرۂ عبداللہ بن عباس)

اسی کتاب مہاجرین حصہ اول ص ۲۱۳ پر ہے۔

''حضرت عباسؓ ۸ھ میں فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ پہنچے۔ حضرت عبداللہ کی عمر

---

[1] اکمال فی اسماء الرجال میں ان کا ترجمہ اس طرح ہے: هو عبدالله ابن عباس ابن عم النبی ﷺ وأمه لبابة بنت الحارث أخت ميمونة زوج النبی ﷺ ولد قبل الهجرة بثلاث سنين وتوفى النبی ﷺ وهو ابن ثلث عشرة سنة وقيل خمس عشرة و قيل عشر۔

اس وقت گیارہ برس سے زیادہ نہ تھی۔ (اسد الغابۃ تذکرۂ عباس بن عبد المطلب)

پھر اسی صفحہ میں لکھتے ہیں:

''انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت کا جو زمانہ پایا وہ درحقیقت ان کا عہدِ طفولیت تھا۔ جس میں انسان کو کھیل کود سے دل آویزی ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں لڑکوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ کو پیچھے سے آتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے ایک گھر کے دروازے میں چھپ گیا لیکن آپ ﷺ نے آ کر مجھے پکڑ لیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا ''جا معاویہ کو بلا لا'' وہ آنحضرت ﷺ کے کاتب تھے۔ میں دوڑ کر ان کے پاس گیا اور کہا ''چلئے رسول اللہ ﷺ آپ کو یاد فرماتے ہیں۔ کوئی خاص ضرورت ہے۔ (اصابۃ تذکرہ عبداللہ بن عباس)

اب تو معترض کو اپنا جھوٹ معلوم ہو گیا ہوگا کہ سیر کی مشہور کتاب ''اصابہ'' کے حوالے سے خود عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان موجود ہے اور یہ بیان مسند احمد جلد اول ص ۲۹۱ پر بھی موجود ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بچوں میں کھیلتے تھے فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ بچپن میں جو دو سال رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ملے تھے اس میں رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز دیکھنے کا بڑا شوق تھا، کبھی کبھی ابن عباسؓ ام المومنین حضرت میمونہؓ کے گھر سو رہتے تھے۔ حضرت میمونہؓ ان کی سگی خالہ تھیں۔ رات کو وہ انتظار کرتے رہتے اور نماز کا حال دیکھتے۔ ایک دفعہ انھوں نے وضو کا پانی پیش کیا، آپ ﷺ کی دعا بھی حاصل کر لی۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تہجد میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ چونکہ ان کا بچپن تھا، مسائل زیادہ معلوم نہ تھے۔ ایک دفعہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بائیں طرف کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے نماز کی حالت ہی میں ان کو گھما کر داہنی طرف کھڑا کر لیا [1] اور نماز

[1] ملاحظہ ہو بخاری ج ۱ ص ۲۵ کتاب الوضوء باب تخفیف الوضوء و ص ۹۷ و ص ۲۶ باب وضع الماء عند الخلاء کتاب الاذان باب إذا قام الرجل عن یسار الإمام فحوله الامام إلى یمینه

میں گھمانے کی روایت خود معترض نے بھی بیان کی ہے مگر معترض اپنی بیان کردہ حدیث سے بھی حضرت ابن عباسؓ کی بچپن کی حالت کو نہ سمجھے اور بے پر کی یہ اڑادی کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ان کا فتویٰ چلتا تھا۔

ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معترض کو صحابہؓ پر جھوٹ گھڑ کر لگانے اور جھوٹی روایتیں بیان کرنے سے بھی اور جھوٹ الزام لگانے اور سچی باتوں میں چوری کرنے سے بھی دلچسپی ہے۔ جہاں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان نے بیس رکعت کی روایت گھڑ کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سر تھوپ دی۔ وہاں ایک جھوٹ ان کے فتوے چلنے کا ہمارے معترض نے بھی ان کے سر تھوپ دیا۔ بہر حال آپ کی ان ''بے بہا'' معلومات اور ''انوکھی تحققات'' پر انعام حاضر ہے۔

پہلا انعام

قرآن مجید کے تیسرے پارے کے چودہویں رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

لَّعْنَةَ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ (آل عمران:۳/۶۱) ''اللہ کی پھٹکار ہے جھوٹوں پر''۔

چونکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ پر یہ جھوٹ باندھا ہے کہ ان کا فتویٰ حضور ﷺ کی زندگی میں چلتا تھا۔ اور جھوٹوں پر قرآن کی یہ آیت ''خدا کی لعنت و پھٹکار'' پیش کرتی ہے۔ اہل حدیثوں کی دشمنی میں آپ خود ہی جس انعام کے مستحق ہوئے اسے گلے لگائیے۔ خوشی سے یا ناخوشی سے۔

دوسرا انعام

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں نہ کوئی فتویٰ دے سکتا ہے اور نہ کوئی بول سکتا ہے۔ قرآن مجید نے ایسی پیش قدمی سے روک دیا ہے۔ اگر کسی نے کوئی بات کہہ دی تو رسول اللہ ﷺ سے تصدیق کرنی ضروری ہے۔ اگر آپ ﷺ باقی رکھیں تو ٹھیک

ہے اور اگر رد فرمادیں تو وہ بات اور فتویٰ کالعدم ہے۔ اب یہ بتایئے کہ عبداللہ بن عباسؓ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں فتویٰ دینے کی اجازت کب مرحمت فرمائی؟ نہ آپ نے ان کو فتویٰ چلانے کی اجازت دی اور نہ انھوں نے آپ ﷺ کی زندگی میں فتوے چلائے۔ مطلب یہ ہوا کہ معترض نے رسول اللہ ﷺ پر بھی جھوٹ باندھ دیا۔ اس پر دوسرا انعام بھی حاضر ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من كذب علىَ متعمدا فليتبوأ مقعده من النار

(مسند احمد جلد ۳ ص ۱۱۶) ❶

جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

یہ دوسرا انعام بھی کاندھے پر سجا لیجئے۔

تیسرا انعام

معترض نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فتویٰ چلنے کا دعویٰ کیا ہے اور دوسری جگہ بھی ان کا نام اور صحابیوں کے ساتھ لیا ہے۔ حالانکہ انھوں نے عہدِ فاروقی میں علم حاصل کرنا شروع کیا تھا۔ تو کیا صحابی رسول پر معترض نے یہ الزام لگایا ہے کہ وہ علم حاصل کرنے سے پہلے بچوں میں کھیلتے ہوئے فتویٰ دیتے تھے۔ صحابی رسول کو اس طرح نشانہ بنانے پر تیسرا انعام قبول فرمایئے۔ حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللّٰه اللّٰه في أصحابى لا تتخذوهم غرضا بعدى۔

(باب فيمن سب أصحاب النبى ﷺ سنن ترمذی حدیث نمبر ۳۸۶۲) ❷

---

❶ الجامع الصحيح للبخارى ج ۱ ص ۲۱ كتاب العلم باب اثم من كذب على النبى ﷺ

❷ مکمل حدیث یوں ہے: الله الله في أصحابى لا تتخذوهم عرضا بعدى فمن أحبهم فبحبى أحبهم ومن أبغضهم فببغضى أبغضهم ومن آذاهم فقد آذانى ومن آذانى فقد آذى الله ومن آذى الله يوشك أن يأخذه۔

(ترمذی ج ۲ ص ۲۲۵ أبواب المناقب عن رسول الله ﷺ باب فيمن سب أصحاب النبى ﷺ)

میرے اصحاب کے معاملے میں اللہ سے ڈرو، میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد ان کونشانہ نہ بنالینا۔(مختصر)

لیکن معترض اپنی کھوٹی بات اور الزام کا نشانہ بنا کر رہا اور اس طرح یہ تیسرا انعام یعنی رسول اللہ ﷺ کی ''ناراضگی'' بھی گلے کا ہار بناؤ۔

چوتھا انعام

معترض کے مذہب کی کتاب ''غاية الاوطار'' جلد اول ص ۶۰ پر ہے:

''جو حدیث شدید الضعف ہو اس پر عمل نہ کیا جائے''۔

اور حنفی مذہب کی کتاب ''عين الهداية'' جلد اول ص ۱۱۷ اور ''غاية الاوطار'' جلد اول ص ۶۰ اور ص ۳۸۶ پر ہے:

''موضوع حدیث سے استدلال کرنا حرام ہے اور عمل کرنا بھی حرام ہے''

بیس رکعت تراویح کی حدیث شدید الضعف ہے اور منکر ہے اور موضوع بھی ثابت ہو چکی ہے۔ اس لئے معترض نے ڈبل حرام کا ارتکاب کیا ہے۔ جس طرح مسحِ گردن کی روایت پیش کرنے پر اسی طرح کے جرم کا ارتکاب کر چکے ہیں۔ اپنے مذہب کی کتابوں کی طرف سے اس جرم کے مرتکب ہونے کا یہ چوتھا انعام حاصل کیجئے۔

پانچواں انعام

جب فقہ کی کتابوں میں مسح کی روایت کو موضوع یعنی من گھڑت لکھا ہے اور اس پر عمل کرنا آپ ہی کے مذہب کی کتابوں سے حرام ہو چکا ہے تو نہ اسے ہم اہل حدیث صاحبوں کے سامنے دلیل بنانا تھا اور نہ حنفی بھائیوں کو عمل کرنے کے لئے بلانا تھا۔ دلیل بنا کر اور احناف کا عمل بنا کر صریح دھوکا دیا ہے۔ اسی طرح محقق فقہاء کی تحقیق سے بیس رکعت والی روایت ناقابلِ حجت، منکر تک ثابت ہو چکی ہے، پھر بھی

اسے بیان کرنا اور اس سے بیس رکعت ثابت کرنا بھی تمام اہل حدیث اور حنفیوں کو دھوکا دینا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من غش فلیس منی ❶ یعنی جس نے دھوکا دیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

یہ پانچواں انعام رسول اللہ ﷺ کی زبانی ہی قبول کیجئے۔

چھٹا انعام

معترض نے اپنی کتاب ''شریعت یا جہالت'' کے صفحہ ۳۴۷ پر درود شریف کی جگہ انگوٹھے چومنے والوں کی تردید کی ہے۔ اور بریلوی صاحبان انگوٹھے چومنے کی جو روایت ابوبکر صدیقؓ سے لاتے ہیں اسے معترض نے ضعیف بھی ثابت کیا ہے اور موضوع بھی بتایا ہے، بلکہ صحیح حدیث کے خلاف بھی بتایا ہے۔ بعینہ یہی صورتِ حال بیس رکعت تراویح کی ہے کہ وہ سند کے لحاظ سے شدید الضعف ہے اور مضمون کے لحاظ سے من گھڑت ہے اور صحیح حدیث کے خلاف ہے، اس لئے منکر بھی ہے۔ بریلویوں کی جو دلیل ضعیف و موضوع اور منکر ہے اسے آپ نے رد کر دیا اور جو دلیل بیس رکعت تراویح کی ضعیف و موضوع اور منکر روایت تھی اسے رد کرنے کے بجائے گلے لگا لیا۔ تو کیا بریلوی صاحبان کے سامنے آپ کی بات اور چہرہ الگ ہوتا ہے اور اہل حدیث حضرات کے سامنے الگ چہرہ ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو رسول اللہ ﷺ کی وعید کا یہ انعام بھی قبول فرمائیے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تجدون شر الناس یوم القیامة ذا الوجهين الذی یاتی هؤلاء بوجه وهؤلاء بوجه (صحیح بخاری و مسلم بالا حظہ اللؤلؤ والمرجان حدیث نمبر ۱۶۴۲) ❷

---

❶ الصحیح لمسلم ج ۱ ص ۷۰ کتاب الإیمان باب قول النبی ﷺ من غشنا فلیس منا

❷ الجامع الصحیح للبخاری ج ۲ ص ۸۹۵ کتاب الآداب باب ماقیل فی ذا الوجهين، الصحیح لمسلم ج ۲ ص ۳۲۵ کتاب البر والصلة باب ذم ذی الوجهين وتحریم فعله

''قیامت کے دن لوگوں میں سب سے برا وہ شخص ہوگا جس کے دو منھ ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ایک منھ سے آتا ہے اور ان لوگوں کے پاس دوسرے منھ سے آتا ہے''۔

معترض نے انعام کا مطالبہ کیا تھا ہم نے سر دست ان کے شایان شان چھ انعام سے نواز دیا۔ باقی رہا مالی انعام تو جہاں بھی اہل حدیث صاحبان نے انعام کا اعلان کیا ہوگا وہ بیس رکعت صحیح حدیث نبوی پر کیا ہوگا، آپ کی پیش کردہ منکر وموضوع اور نا قابلِ استدلال روایت پر نہیں۔ یہ تو بڑی بدعہدی ہے کہ انعام دیا جارہا ہو گھوڑوں پر اور آپ گدھا لے آئیں۔ ایسی صورت میں انعام کہاں، الٹے سرزنش کی جائے گی۔

ناظرین کرام سے عرض صرف اتنی ہے کہ جو صحابی رسول کو نہ چھوڑیں اور جو رسول اللہ ﷺ کو بھی نہ چھوڑیں اور جو پیارے پیغمبر ﷺ کی درخواست کو جو صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہے نہ مانیں اور اپنی کتاب میں اصولی بات کو بھی نہ مانیں اور برابر منکر وموضوع روایت سے استدلال کرتے رہیں۔ اور صحیح اور من گھڑت دونوں طرح کی حدیثوں کو ایک ہی پلڑے میں رکھ کر بات کریں بلکہ تمام اہلِ اسلام اور پوری امت کے اولین اور آخرین کے مذہب کے خلاف من گھڑت روایت سے صحیح حدیث کو رد کردیں، وہ جب اہل حدیث صاحبان کے خلاف لکھنے بیٹھ جائیں تو وہ بے چارے بد دیانتی نہیں کریں گے تو اور کیا کریں گے؟

۳۰۔ ابن عباسؓ کے فتوے

معترض نے بیس رکعت کی منکر وموضوع روایت جس میں ابن عباسؓ کا نام استعمال کیا گیا پیش کردی، اور اوپر سے دعویٰ کردیا کہ ابن عباسؓ وہ ہستی ہیں جن کا فتویٰ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی چلتا تھا۔ خیر دعویدار معترض کی یہ بات تو غلط نکلی، وہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بچے تھے بعد میں وہ کمال کو پہنچے۔ لیکن ظاہری

طور سے ناظرین کرام کو ایسا معلوم ہورہا ہوگا کہ معترض کے دل میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی کتنی قدر ہے کہ ان کو کھوٹی سند اور جھوٹے راویوں اور منکر کے مضمون کے ساتھ جو روایت عبداللہ بن عباسؓ کے نام سے مل گئی تو اسی کو گلے لگایا اور اسی کھوٹے ہتھیار سے اہل حدیث صاحبوں کا مقابلہ کرنے نکل کھڑے ہوئے، تو ایسے قدردان معترض کو اگر صحیح سند کے ساتھ صحیح فتوے عبداللہ بن عباسؓ کے مل جائیں تو شاید وہ اپنی روح کو بھی فدا کردیں۔ آیئے ''ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے''۔ یہ بھی دیکھ لیتے ہیں کہ ان صحابی رسول کے فتووں کی ان کے دل میں کتنی قدر ہے۔

پہلا فتویٰ

ترمذی شریف عربی ص ۴۸ پر ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک سوال کے جواب میں یہ فتویٰ دیا کہ تیمّم میں مسح صرف پہنچوں تک ہے کہنیوں تک نہیں۔ ❶ لیکن آپ کے دل میں ان کے فتووں کی قدر کہاں ہے۔ بیس رکعت تراویح کی منکر روایت پر آپ کا مطلب بن گیا تو اسے لے اڑے اور یہ پہنچوں تک کرنے کی حدیث صحیح بخاری ومسلم میں بھی ہے ❷ اور حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ بھی ہے اور آپ کے لئے سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے یہی پہنچوں تک مسح تیمّم میں مانا ہے (دیکھو ہدایہ عربی جلد اول ص ۳۴ حاشیہ ۳ میں) ❸ لیکن پھر بھی صحیح حدیث کے مقابلے میں ضعیف روایت کو اختیار کرتے ہیں۔ عبداللہ بن عباسؓ کے

---

❶ ترمذی میں ہے عن ابن عباس أنه سئل عن التيمم فقال إن الله قال في كتابه حين ذكر الوضوء فاغسلوا وجوهكم وأيديكم إلى المرافق وقال في التيمم فامسحوا بوجوهكم وأيديكم منه وقال والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما فكانت السنة في القطع الكفين انما هو الوجه والكفين يعني التيمم (ترمذی ج۱ ص۳۸ کتاب الطهارة باب ماجاء في التيمم)

❷ ملاحظہ ہو بخاری ج۱ ص۵۰ کتاب التيمم باب التيمم ضربة مسلم ج۱ ص۱۶۱ كتاب التيمم

❸ الفاظ یہ ہیں ولرواية الحسن عن أبي حنيفة أنه إلى الرسغ وهو يروى عن ابن عباس رضي الله عنهما (ہدایہ ج۱ ص۵۰ باب التيمم حاشیہ۳)

فتوٰی کو بھی اس مسئلہ میں بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور امام اعظمؒ کے اختیار کردہ مسلک کو بھی اس مسئلے میں پیٹھ دکھا دیتے ہیں ❶ کیا اسی کو اطاعت رسول کہتے ہیں، کیا اسی کو صحابی رسول کے فتوٰی کی قدر دانی کہتے ہیں۔ کیا اسی کو امام عالی مقام کی تقلید کہتے ہیں؟ خدا سے ڈرو، اور مخلوق خدا کو دھوکہ مت دو۔

دوسرا فتوٰی

نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا فتوٰی انھی ابن عباسؓ نے دیا ہے اور پہلے مسئلہ کی طرح اس مسئلہ کو بھی انھوں نے قرآن مجید سے ثابت کیا ہے ❷۔ اور صحیح ابن خزیمہ کی صحیح حدیث بھی اس کی تائید میں ہے ❸۔ ان کے فتوٰی کے لئے دیکھو تفسیر خازن آخری جلد ص ۵۲۳ اور اسی کے حاشیہ پر تفسیر معالم التنزیل اور دیکھو سنن بیہقی جلد دوم ص ۳۰ تا ۳۲) لیکن آپ اس کے مقابلے میں ضعیف روایت سے صحیح حدیث

---

❶ ہدایہ میں ہے التيمم ضربتان يمسح بأحدهما وجهه وبالأخرى يديه إلى المرفقين (ہدایہ ج ۱ ص ۵۰ باب التيمم) اور دلیل میں جو حدیث پیش کی ہے وہ یہ ہے التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين وينفض يديه بقدر ما يتناثر التراب كيلا يصير مثلة ۔ اس روایت کو دارقطنی وحاکم نے نقل کیا ہے اور یہ روایت ضعیف ہے۔ اسی طرح دو ضرب والی دوسری روایتیں بھی ضعیف ہیں۔ ملاحظہ ہو الدراية فی تحريج أحاديث الهدايه للحافظ ابن حجر العسقلانی برحاشیہ ہدایہ ج ۱ ص ۵۰)

❷ حضرت ابن عباس نے سینہ پر ہاتھ باندھنے کو قرآن مجید کی آیت فصل لربک وانحر سے ثابت کیا ہے۔ بیہقی میں ہے عن ابن عباس عن قول الله عزوجل "فصل لربك وانحر" قال وضع اليمين على الشمال فی الصلوة عند النحر

(السنن الكبرى للبيهقی ج ۲ ص ۳۱ باب وضع اليدين على الصدر فی الصلوة من السنة)

❸ صحیح ابن خزیمہ کی حدیث یہ ہے: عن وائل بن حجر قال صليت مع رسول الله ﷺ فوضع يده اليمنى على اليسرى على صدره۔ ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۴۳ باب وضع اليمين على الشمال فی الصلوة قبل افتتاح الصلوة / الدراية فی تخريج احاديث الهدايه ص ۱۰۱ / بلوغ المرام باب صفة الصلوة

رد کر دیتے ہیں ❶ تب اطاعت رسول کہاں چلی جاتی ہے اور ابن عباسؓ کا فتویٰ کیوں نہیں دکھائی دیتا؟

تیسرا فتویٰ

سورہ فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثیں صحت کے ساتھ موجود ہیں۔ ❷ حضرت امام بیہقیؒ نے یہ روایت وارد کی ہے کہ ایک تابعی (یہ تابعی عیزار بن حریث الکندی الکوفی ہیں ان کے بارے میں ہے ثقة من الصالحین) کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا: إقرأ خلف الامام بفاتحة الكتاب۔ ❸ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھو۔ امام بیہقیؒ لکھتے ہیں۔ هذا اسناد صحيح لاغبار عليه اس حدیث کی سند صحیح ہے اس پر کوئی غبار نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں بھی آپ نے صحیح حدیثوں کو ضعیف کے مقابلے میں رد کر دیا اور مجمل حدیثوں کو مفصل حدیثوں پر ترجیح دی اور یہاں بھی ابن عباسؓ کے فتویٰ کو صاف نظر انداز کر گئے۔ ❹ جب کہ امام اعظمؒ کا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے سے

---

❶ ہدایہ میں ہے ویعتمد بیده اليمنى على اليسرى تحت السرة ہدایہ ج۱ ص۱۰۲ باب صفة الصلاة اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں ان من السنة وضع اليمين على الشمال تحت السرة جب کہ یہ مرفوع حدیث نہیں ہے بلکہ حضرت علیؓ کا قول ہے اور حاشیہ میں خود اقرار کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے۔ نیز اس کی حیثیت جاننے کے لئے دیکھئے الدراية في تخريج أحاديث الهداية برحاشیہ ہدایہ ج۱ ص۱۰۱ اور دیکھیں دلائل محمدی مطبوعہ مکتبہ التفہیم منو۔

❷ بخاری میں ہے عن عبادة بن الصامت أن رسول اللهﷺ قال لا صلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب (بخاری ج۱ ص۱۰۴ کتاب الاذان باب وجوب القراءة للامام والماموم فى الصلوات كلها فى الحضر والسفر وما يجهر فيها وما يخافت مسلم ج۱ ص۱۶۹ کتاب الصلوة باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة وأنه إذا لم يحسن الفاتحة ولا أمكنه تعلمها قرء ما تيسر له غيرها

❸ السنن الكبرى للبيهقى ج۲ ص۱۶۹ باب ما قال لايقرأ خلف الامام على الإطلاق

❹ ہدایہ میں ہے: ولا يقرأ الموتم خلف الامام (هدايه ج۱ ص۱۲۰ كتاب الصلوة)
اور اس سلسلے میں دلیل کے طور پر جو حدیث پیش کی ہے یعنی من كان له إمام فقرأة الامام له قرأة یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابن ماجہ نے اس کو جابر جعفی سے روایت کیا ہے اور امام ابوحنیفہ جابر جعفی کے بارے میں کہتے ہیں ما رأيت أكذب منه۔
نوٹ: مزید تفصیل کے لئے دیکھیں دلائل محمدی مطبوعہ مکتبہ التفہیم تعلیقات و حواشی مولانا عبداللطیف اثری)

پڑھنے کی طرف رجوع موجود ہے اور آپ کے مشائخ کا عمل بھی سورہ فاتحہ پڑھنے کا موجود ہے۔ ❶ پھر آپ کی اطاعت رسول ﷺ کی دعوت کیا ہوئی۔ ابن عباسؓ کے فتوے کی دہائی کیوں خاموش ہوگئی اور تقلید امام کہاں جا سوئی۔ اللہ پیارے جواب دو یہ گڑبڑ کا ہے کو۔

نوٹ:۔ میں نے ایک رسالہ دیکھا تھا جو بنگلور میں تقسیم کیا گیا جس میں اہل حدیث صاحبان کی نماز کو غلط بتایا گیا ہے۔ مجھے بہت رنج ہوا کہ یہ کیسے غیر ذمہ دارانہ بیانات شائع کئے جارہے ہیں اور سوچتا رہا کہ ایک ایسا رسالہ لکھوں جو ان جھگڑوں کو مٹادے، چنانچہ چند ماہ کی لگاتار محنت سے ''حدیث نماز'' کے نام سے ایک ایسی کتاب تیار کی جس میں نیت سے لے کر سلام پھیرنے تک کے مسائل صحیح حدیثوں سے اور فقہ کی کتابوں اور حنفی فقہاء کرام کے فتووں سے ثابت کردیئے اور اس کا بہترین اثر ہوا، وہ

---

❶ کتاب الآثار میں ہے محمد قال أبوحنيفة عن حماد عن سعيد بن جبير أنه قال اقرأ خلف الإمام فى الظهر والعصر (كتاب الآثار لمحمد ص٢٣)

مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں: روى عن محمد أنه استحسن قرأة الفاتحة للمؤتم فى السرية وروى مثله عن أبى حنيفة صرح به فى الهدايه والمجتبى شرح مختصر القدورى وغيرهما وهذا هو مختار كثير من مشائخنا وعلى هذا فلا يستنكر استحسانها فى الجهرية أيضا أثناء سكتات الامام (عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ ج۱ ص۱۵۰ فصل فی القراءۃ)

ترجمہ۔ امام محمد سے مروی ہے کہ جن نمازوں میں امام قرأت آہستہ پڑھتا ہے مقتدی کو بھی الحمد شریف پڑھ لینا چاہئے۔ امام ابوحنیفہؒ کا فرمان بھی یہی ہے۔ ہدایہ اور مجتبیٰ وغیرہ میں مروی ہے۔ اور ہمارے حنفی مذہب کے اکثر مشائخ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے اور جب یہ ہے تو جن نمازوں میں امام اونچی آواز سے پڑھے ان میں بھی مقتدی کو سکتات امام کے درمیان الحمد شریف پڑھ لینا ہی اچھا ہے۔ یہی مولانا عبدالحی اپنی کتاب ''امام الکلام'' میں لکھتے: ''إن أقوى المسالك التى سلك عليها أصحابنا هو مسلك استحسان القرأة فى السرية كما هو رواية عن محمد بن الحسن واختارها جماعة من فقهاء الزمان وهو وإن كان ضعيفا رواية لكنه قوى دراية'' (امام الکلام ص۳۹)

بھی میں نے دیکھ لیا۔ الحمد للہ بہت سی جگہوں پر اہل حدیث مذہب قبول کیا گیا۔ اگر نماز کے مسائل کی تفصیل دیکھنا چاہیں تو ''حدیث نماز'' میں دیکھیں جس کا جواب معترضین سے اب تک نہیں بن پڑا ہے۔

چوتھا فتویٰ

امام ابن تیمیہ حنبلیؒ کا زندگی بھر مقابلہ کرنے والے امام سبکیؒ نے اپنے فتاویٰ میں اور امام بخاریؒ نے اپنے رسالہ ''جزء رفع الیدین'' میں اور امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب میں رکوع کے بعد رفع الیدین کی روایت کرنے والے پچاس صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بھی بتایا ہے، لیکن حدیثوں کے ساتھ ساتھ یہاں ابن عباسؓ کے فتوی کو آپ نے رد کر دیا۔ جب کہ ہم نے ''حدیث نماز'' میں اس مسئلہ کو ہر طرح ثابت کر کے امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول بھی پیش کیا ہے کہ رفع الیدین ترک کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ دلائل آج کے رواج کے خلاف تھے، اس لئے آپ نے رفع الیدین کی تمام احادیث کو بھی نظر انداز کیا۔ ابن عباسؓ کی طرف بھی نہ دیکھا۔ فقہاء حنفیہ کی تصریحات کو بھی پس پشت ڈال دیا اور امام عالی مقام کے فرمان سے بھی آنکھیں پھیر لی ہیں۔

پانچواں فتویٰ

امت کے سب سے بڑے مفسر قرآن، سب سے زیادہ حدیثوں کے حافظ سات صحابہ کرامؓ میں سے ایک، مکہ مکرمہ کے زبردست محدث فقیہ اور نامور مدرس اور رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حدیث روایت کی کہ یہودی تم مسلمانوں سے سب سے زیادہ سلام اور آمین پکارنے پر چڑتے ہیں تو تم اور زیادہ آمین پکارا کرو۔ (دیکھو سنن ابن ماجہ عربی ص ۶۲) [1] کیوں جناب! یہاں عبداللہ بن

---

[1] ابن ماجۃ ج۱ ص ۲۷۸ کتاب إقامة الصلوة والسنة فيها باب الجهر بآمين الفاظ یہ ہیں۔ عن عائشة قال ماحسدتكم اليهود على شئ ماحسدتكم على السلام والتامين

عباس کے فتوے پر کیوں چپ سادھ لیتے ہو؟ ❶ وجہ یہ ہے کہ صحیح حدیثوں کو ترک کر کے خطا سے پر روایتوں کو مدارِ عمل ٹھہرالیا اور فتویٰ ابن عباس صحیح حدیث پر مبنی ہے اور آپ کے خلاف ہے اس لئے اسے چھوڑنے میں آپ کو ذرا پرواہ نہ ہوئی۔

چھٹواں فتویٰ

انہی عبداللہ بن عباسؓ کا فتویٰ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورج گہن کی نماز پڑھی تو تین قیام والی رکعتیں پڑھیں (دیکھو مسند احمد جلد اول ص ۲۹۸) ❷ ہم سورج گہن کی نماز اسی طرح مانتے ہیں آپ نے ابن عباسؓ کے اس فتویٰ کا انکار کردیا۔ ❸

ساتواں فتویٰ

یہی عبداللہ بن عباسؓ روایت کررہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جانور سے لواطت کرے اس کو اور جانور کو بھی قتل کردو (دیکھو مسند احمد جلد اول ص ۳۰۰) ❹ لیکن آپ کے یہاں اس کا انکار کردیا گیا اور کہا گیا کہ ایسے جانور سے

❶ ہدایہ میں ہے "ویخفونها" (ہدایہ ج ۱ ص ۱۰۵ کتاب الصلوٰۃ) ور اس کی دلیل میں جو روایت پیش کی ہے اس کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہ روایت اس لفظ کے ساتھ مجھے کہیں نہیں ملی اور خود ہدایہ کے محشی نے حاشیہ میں اقرار کیا ہے کہ یہ روایت غریب ہے۔ دیکھئے حاشیہ ہدایہ ج ۱ ص ۱۰۳ اور درایۃ
ان کی پیش کردہ حدیث یہ ہے: عن ابن مسعود اربع بخفیهن الامام التعوذ والتسمية وآمين والتحميد. واضح رہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے۔

❷ الفتح الربانی لترتيب مسند الامام احمد بن حنبل الشيبانی ج ٦ ص ۲۰۳، أبواب صلوة الكسوف. باب من روى أنها ركعتان فى كل ركعة ركوعان۔

❸ ہدایہ میں ہے۔ إذا انكسفت الشمس صلى الإمام بالناس ركعتين كهيأة النافلة فى كل ركعة ركوع واحد (ہدایہ ج ۱ ص ۱۷۵ باب صلوٰۃ الکسوف)

❹ ملاحظہ ہو: (عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من وجدتموه وقع على بهيمة فاقتلوه واقتلوا البهيمة قيل لابن عباس ما شان البهيمة فقال ماسمعت من رسول الله فى ذالك شيئا ولكن أرى أن رسول الله ﷺ كره أن يوكل من لحمها او ينتفع بها وقد عمل بها ذلك العمل) الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی ج ۱۶ ص ۱۰۲ كتاب الحدود باب الاقرار بالزنا / ترمذی ج ۲ ص ۲۶۹ کتاب الحدود باب ماجاء فيمن يقع على البهيمة (یہ حدیث ضعیف اور ناقابل احتجاج ہے)

بدفعلی کرنے والے پر کوئی حد نہیں ہے۔ ❶

آٹھواں فتویٰ

یہی عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز فجر میں الم تنزیل السجدة اور ھل اتی علی الانسان حین من الدھر پڑھتے تھے اور نبی ﷺ نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھا کرتے تھے (دیکھو صحیح مسلم شریف جلد اول ص ۲۸۸) ❷ ہمارا اس پر عمل ہے لیکن آپ لوگ اس کو بھول گئے۔ ❸

نواں فتویٰ

یہی عبداللہ بن عباسؓ لوگوں کو سنایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیٹیوں اور بیویوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ وہ عیدین میں شامل ہونے کے لئے گھروں سے نکلیں (مسند احمد جلد ا ص ۲۳۱) ❹

دسواں فتویٰ

یہی ابن عباسؓ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری) ❺

---

❶ ملاحظہ ہو ہدایہ ج ا ص ۵۱۷ کتاب الحدود باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبه، فتاوی ہندیہ ج ۲ ص ۱۵۰، درمختار ج ا ص ۳۲۰، شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۵۳ (الفاظ یہ ہیں: من وطی بهیمة فلا حد علیه / أو بهیمة أو أتی فی دبر) نور الہدایہ ج ۲ ص ۹۶۔

❷ (مسلم ج ا ص ۲۸۸ کتاب الجمعة فصل فی قرأة الم تنزیل وهل اتی فی صلوة الفجر یوم الجمعة) الفاظ یہ ہیں: عن ابن عباس أن النبی ﷺ کان یقرء فی صلوة الفجر یوم الجمعة الم تنزیل السجدة و هل اتی علی الانسان حین من الدهر وأن النبی ﷺ کان یقرأ فی صلوة الجمعة سورة الجمعة والمنافقون

❸ (ہدایہ میں ہے و یکرہ ان یوقت بشئ من القرآن لشئ من الصلوة لما فیه من هجر الباقی وایهام التفضیل ملاحظہ ہو ہدایہ ج ا ص ۱۲۰ باب صفة الصلوة فصل فی القرأة

❹ الفتح الربانی لترتیب مسند الإمام أحمد بن حنبل الشیبانی ج ۶ ص ۱۲۴ أبواب العیدین باب مشروعیة خروج النساء إلی العیدین۔

❺ ملاحظہ ہو: صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۸ کتاب الجنائز باب قرأة فاتحة الکتاب علی الجنازة

ان پچھلے دونوں فتووں کو بھی معترض کے یہاں نہیں مانا جاتا عبداللہ بن عباسؓ کے فتووں کا ایک دفتر موجود ہے جن میں سے نمونے کے طور پر ہم نے یہاں ان کے دس فتوے نقل کر دیئے جو نہ موضوع ہیں نہ منکر، بلکہ صحیح ہیں۔ مگر یہی بے چارے بیس رکعت تراویح کی منکر وموضوع روایت لے اڑنے والے معترضین جب ابن عباسؓ کے صحیح فتوے پاتے ہیں تو اس کو پیٹھ دکھانے میں دیر نہیں لگاتے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ ان کے رواج کے خلاف ہوتے ہیں۔ اور یہی ابن عباسؓ پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کی حدیثِ مبارک کے ساتھ بھی ان کا سلوک یہی ہے کہ جو اپنے رواج کے مطابق حدیث دیکھی، لے لی ورنہ چھوڑ کر چل دیئے ❷ بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ خود اپنے مذہب اور اپنے امام کے قول اور فتوے کے ساتھ بھی ان کا یہی سلوک ہے جس کی آٹھ مثالیں دے کر ہم نے واضح کر دیا ہے۔ اگر کبھی ضرورت محسوس ہوئی تو ان شاء اللہ ایسی مثالوں کا پورا دفتر بنا کر پیش کر دوں گا۔

زیر نظر مسئلہ تراویح میں بھی معترض نے وہی بھونڈی چال چلی ہے کہ جس حدیث سے صاف آٹھ رکعت تراویح علاوہ وتر ثابت ہو رہی ہے اس کو تہجد کے بارے میں بتادیا۔ حالانکہ نمبر ۲۵ تک دیکھ لیجیے کہ ہم نے فقہاءِ حنفیہ کے بیانات اسی صحیح حدیث کی تشریح میں جمع کر دیئے۔ انھوں نے ایک طرف حضرت عائشہؓ والی حدیث کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ آٹھ رکعت تراویح مانے بغیر چارہ نہیں ہے، وہیں انھوں نے بیس رکعت والی روایت کو دفن کر کے رکھ دیا اور فن رجال کے اماموں نے جرح وتنقید کر کے بیس رکعت کی روایت کا گلا کاٹ کے دکھادیا۔ یعنی وہ اکلوتی روایت جو ابن عباسؓ کا نام لے کر گھڑی گئی تھی جب اس کا پتہ ہی کٹ گیا تو پیغمبر خدا ﷺ سے بیس رکعت تراویح کا دوسرا کوئی ثبوت اور وجود ہی نہیں رہا، اگر کوئی اور حدیث پیغمبر ہے

❷ حدیث کو چھوڑ کر خود ساختہ قول ورائے پر عمل کرنے کا سین دیکھنے کے لئے دیکھئے شمع محمدی محقق حواشی وتعلیقات مولانا عبداللطیف اثری مطبوعہ مکتبہ الفہیم مئو۔ اسی طرح حدیث کے موافق ہونے پر حدیث کے ایک حصہ کو لینا اور دوسرے حصہ کو ترک کر دینے کا سین دیکھنے کے لئے دیکھیں اعلام الموقعین (ابن قیم ترجمہ مولانا محمد جونا گڈھی رحمہما اللہ)

بیس رکعت تراویح کی صحیح سند کے ساتھ تو پیش کرو۔ ہم اہل حدیث لوگوں کے یہاں صحاح ستہ کی قید نہیں ہے۔ یہ بات معترض نے بار بار دہرائی ہے۔ مستند علماء اہل حدیث صحیح حدیث کی قید لگاتے ہیں اور صحت میں سب سے اونچا صحیح بخاری و مسلم کو مانتے ہیں اب اس کی صحیح سند اور صحیح متن والی حدیث چاہے سنن اربعہ میں ہو یا دوسرے مسانید و معاجم میں ہو، ہم اسے مانیں گے۔ اور اگر صحیح سند والی حدیث نہیں ہے تو وہ چاہے صحاح ستہ میں ہو (صحیح بخاری و مسلم کو چھوڑ کر) وہ ہمارے نزدیک ایسی ہی معلول ہے جیسا کہ محدثین کرام کے اصول سے ثابت ہے۔ اور ایسی صورت میں تو اور بھی ناقابل قبول ہے جب کہ صحاح ستہ کے علاوہ دوسری جگہ صحیح سند والی حدیث موجود ہو۔ طوالت کے خوف سے ہم یہاں پر صرف ایک مثال اپنے محترم معترض کے لئے بھی اور معزز ناظرین کے لئے بیان کرتے ہیں اور اس میں ہم اکیلے نہیں ہیں بلکہ محققین علماء حنفیہ نے اس میں بھرپور ساتھ دیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

۳۱۔ صحیح حدیث کے خلاف نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایت ضعیف ہے۔

نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایتیں سنن ابوداؤد اور مسند احمد اور سنن بیہقی میں ہیں ❶۔ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث صحیح ابن خزیمہ

---

❶ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی سب سے معروف دلیل روایت علی ہے جو دراصل حضرت علیؓ کا قول ہے اور وہ یہ ہے إن من السنة فی الصلوة وضع الاکف علی الاکف تحت السرة بعض روایت میں وضع الیمیں علی الشمال اور بعض میں وضع الیمنی علی الشمال ہے۔

(حاشیہ ابوداؤد ص ۱۱۰/ الفتح الربانی لترتیب مسند الامام أحمد بن حنبل الشیبانی ج ۳ ص ۱۷۱ باب ماجاء فی وضع الیمیں علی الشمال / دارقطنی ج ۱ ص ۲۸۶ باب فی أخذ الشمال بالیمین فی الصلوة / ابن أبي شیبة ج ۱ ص ۳۹۱ وضع الیمین علی الشمال / السنن الکبری للبیهقی ج ۲ ص ۳۱ وضع الیدین علی الصدر فی الصلوة من السنة)

نوٹ: یہ روایت ابوداؤد کے اکثر نسخوں میں نہیں ہے صاحب عون المعبود کے بقول صرف ابن الاعرابی کے نسخہ میں ہے لیکن علامہ زیلعیؒ کے بیان کے مطابق ابن اعرابی و ابن داسہ دونوں کی روایت میں ہے۔ حنفیہ کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔

حنفیہ کے مزید دلائل اور اس پر مفصل بحث کے لئے دیکھیں "شمع محمدی" ص ۱۴۸ کا حاشیہ ۱۔ و دلائل محمدی ص ۱۵۳، ۱۵۴۔ محقق تعلیقات و حواشی مولانا عبداللطیف اثری

میں ہے اور مسند احمد، معجم طبرانی اور بیہقی وغیرہ میں بھی ہے ❶۔ زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایت بالکل ضعیف ہے اور صحیح ابن خزیمہ میں حضرت وائل بن حجرؓ سے سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث صحیح ہے۔ اہل حدیث اور محققین علماء حنفیہ دونوں نے اپنی اپنی تحقیق سے زیر ناف ہاتھ باندھنے کی حدیث بالکل ضعیف ثابت کر کے سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث کو صحیح ثابت کیا ہے ❷ اہل حدیثوں کو بفضلہٖ تعالیٰ صحیح حدیث پر عمل کرنا نصیب ہوا۔ اور حاسد لوگ اعتراض کرتے ہی رہ گئے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

صاحبِ ہدایہ نے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے ثبوت میں جو روایت ❸ بیان کی ہے اس پر حنفی مذہب کے نامور فقیہ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: هذا قول علي بن

---

❶ وہ حدیث یہ ہے: عن وائل بن حجر قال صليت مع رسول الله ﷺ فوضع يده اليمنى على اليسرى على صدره (صحیح ابن خزیمہ ج۱ ص۲۴۳ باب وضع اليمين على الشمال في الصلوٰة قبل افتتاح القرأة بلوغ المرام باب صفۃ الصلوٰۃ/ الدراية في تخريج احاديث الهداية ص۱۰۱)

❷ روایتِ علی کے بارے میں خود حنفی مذہب کی اعلیٰ و معتبر کتاب ''ہدایہ'' میں لکھا ہوا ہے۔ ضعيف متفق على ضعفه ملاحظہ ہو ہدایہ ج۱ ص۱۰۲ باب صفة الصلوٰة حاشیہ ۱۷۔ اس روایت کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی ہیں جن پر اس حدیث کا مدار ہے وہ ضعیف و ناقابل اعتبار ہیں، امام بخاریؒ فرماتے ہیں ان میں نظر ہے۔ ابن حنبل اور ابو حاتم کہتے ہیں یہ منکر الحدیث ہیں۔ بیہقی کہتے ہیں اس کی سند ثابت نہیں، عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی متروک ہیں۔ نووی نے ''خلاصہ'' اور ''شرح مسلم'' میں کہا ہے کہ اس حدیث کی تضعیف پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن الہمام نے ''التحریر'' میں لکھا ہے کہ جب امام بخاریؒ کسی آدمی کے بارے میں کہیں کہ اس میں نظر ہے تو اس کی حدیث ناقابلِ استدلال ناقابل استشہاد اور ناقابل اعتبار ہے مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج۳ ص۶۲/ تحفۃ الاحوذی ج۲ ص۷۸ مسلم مع شرح النووی ج۱/ نصب الرایۃ ج۱ ص۳۱۴/ لأحادیث الہدایۃ بر حاشیہ ہدایہ ج۱ ص۱۰۱/ شمع محمدی محقق مطبوعہ مکتبہ الفہیم مئو۔

امام ابوداؤدؒ بھی اس حدیث کو ضعیف بتاتے ہیں پھر حنفیہ کے اصول کے مطابق یہ حدیث منسوخ بھی ہے کیونکہ امام ابوداؤدؒ نے اپنی اسی کتاب میں ابن جریر الضبی عن ابیہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رأيت عليا يمسك شماله بيمينه على الرسغ فوق السرة اور علماء حنفیہ کا یہ ضابطہ ہے کہ صحابی جب اپنی روایت کے خلاف کرے تو یہ روایت منسوخ ہونے پر دال ہے۔

❸ وہ روایت یہ ہے: إن من السنة وضع اليمين على الشمال تحت السرة

أبي طالب وإسناده إلى النبي ﷺ غير صحيح۔
(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جز ۵ ص ۲۷۹ مطبوعہ مصر)

(ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا) یہ حضرت علیؓ کا قول ہے اور اس کی سند رسول اللہ ﷺ تک صحیح نہیں ہے۔ ❶

یعنی یہ حدیث پیغمبر تو ہے ہی نہیں۔ حضرت علیؓ کا قول ہے بھی یا نہیں اس کے متعلق علامہ عینیؒ جرح و تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ولكن الذي روى عن علي فيه مقال لان في سنده عبدالرحمن بن اسحاق الكوفي قال احمد ليس بشئ، منكر الحديث (حوالہ مذکور) جو کچھ حضرت علیؓ سے روایت کیا گیا ہے اس پر تنقید کی گئی ہے۔ اس لئے کہ اس کی سند میں عبد الرحمٰن بن اسحاق کوفی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں یہ شخص بالکل نکما ہے، منکر الحدیث ہے''۔

''منکر الحدیث'' وہ جو صحیح حدیث کے خلاف روایتیں گھڑتا رہے۔ اسی نے حضرت علیؓ کے نام سے یہ زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایت گھڑ لی۔ محققین فقہاء حنفیہ کا زور بیان سینہ پر ہاتھ باندھنے کے متعلق ہی ہے۔ حنفی مذہب کی چوٹی کی کتاب ''ہدایہ'' کا اردو ترجمہ ''عین الہدایہ'' جلد اول ص ۳۵۰ پر ہے۔

''ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث باتفاق ائمہ محدثین ضعیف ہے''۔

ہدایہ عربی جلد اول کتاب الصلوٰۃ ص ۸۶ کے حاشیہ نمبر ۷ اپر یہ عبارت ہے۔ ضعيف متفق على ضعفه ❸ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث ضعیف ہے اور اس پر اماموں کا اتفاق ہے۔

عین الہدایہ جلد اول ص ۳۵۰ پر ہے۔

''سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث قوی ہے''۔

---

❶ نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ ج ا ص ۸۵ میں ہے ''ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث مرفوع نہیں ہے، وہ قول حضرت علی ہے اور ضعیف، صاحب الکافی، المبسوط، فتح القدیر اور نووی، عینی شارحین نے بھی اس قول کی نسبت حضرت علی کی جانب کی ہے۔

❷ ہدایہ کے موجودہ نسخوں میں یہ عبارت ص ۱۰۲ پر ہے اور آخر میں ہے کذا قال النووی۔

نورالہدایہ اردو ترجمہ شرح وقایہ ص ۹۳ پر بھی یہی بیان موجود ہے۔

ہدایہ عربی جلد اول کتاب الصلوٰۃ ص ۸۶ حاشیہ ۱۸ پر بیان ہے۔ هـذا تعليل بمقابلة حديث وائل فردوا حديث على لا يعارضه لما ذكرنا من ضعفه ❶

''ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا کمزور بات ہے۔ حضرت وائلؓ کی حدیث کے مقابلے میں یہ مردود ہے۔ حضرت علیؓ والی روایت اس کے مقابل اور معارض ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کا کمزور ہونا ہم نے خود ہی بیان کر دیا ہے''۔

اس مثال سے واضح ہے کہ ہمارا مسلک صحاح ستہ ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی دوسری مسانید کی حدیثیں بھی ہیں، جب کہ صحیح سند سے ہو۔ ہاں البتہ ضعیف روایت فضائلِ اعمال میں اور کسی صحیح کے مخالف نہ ہو تو ہم مانتے ہیں۔ ہمارا مسلک ہے بدعت کو چھوڑ کر سنت کی طرف آنا اور ضعیف سے صحیح کی طرف اور صحیح سے اصح کی طرف آنا۔ اصول کی کتابیں دیکھ لو! تقریباً تمام طبقہائے اسلام نے اہل حدیث کے اصول کی نہ صرف تائید کی ہے بلکہ عمل بھی کیا ہے۔

۳۲۔ ہولناک غلطی

تو اب اعتراض کرنے والوں سے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ دوسری کوئی دلیل رسول اللہ ﷺ سے بیس رکعت تراویح کی لاؤ۔ ورنہ یہ بات طے شدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تراویح مع وتر گیارہ رکعت ہی ہے ہمارے اور آپ کے محققین کے نزدیک۔ اب طریقۂ پیغمبر کے علاوہ جو چند دلائل صحابہ اور تابعین سے دیئے ہیں ان کی حیثیت سنت کی نہیں ہو سکتی بلکہ زیادہ سے زیادہ اباحت اور استحباب نکلتا ہے اور اباحت و استحباب کو لوگ اس کے درجے سے زیادہ اہمیت دینے لگیں تو حنفی مذہب میں

❶ موجودہ نسخوں میں یہ عبارت ص ۱۰۲ اور حاشیہ ۲۳ پر کچھ تبدیلی کے ساتھ ہے۔

کیا حکم ہے وہ خود معترض نے اپنی کتاب میں انگوٹھے چومنے کے بیان میں لکھ دیا ہے۔ وہاں بریلوی صاحبان کو گرانے کے لئے وہ بیان لکھ مارا اور یہاں اسی بیان سے خود گر جاتے، اس لئے گول کر گئے۔ معترض نے اپنی کتاب اضافہ شدہ کے ص ۳۴۸ پر لکھا ہے۔

''جس مباح کو سنت یا واجب سمجھ لیا جائے وہ مکروہ ہے''۔

حوالہ فتاویٰ عالمگیری جلد ا ص ۱۹۱ سجدۂ تلاوت کا بیان۔

''مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے''۔

یہ ہے آپ کی پیش کردہ عبارت۔ ہم آپ کو آپ ہی کی طرح جہالت، ضد اور ہٹ دھرمی کا طعنہ ہرگز نہیں دیں گے۔ اور جو کچھ ایسے الفاظ کے طعنے آپ نے ہم کو دیئے ہیں اس پر بھی ہم صبر کئے لیتے ہیں۔ لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ جس بیس رکعت تراویح کو سنت موکدہ آپ کہتے ہیں اس کے لئے کوئی صحیح حدیثِ پیغمبر ڈھونڈ یئے۔ تبھی آپ بیس کو سنتِ موکدہ کہہ سکتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب البحر الرائق ابن نجیم حنفیؒ اور علامہ ابن عابدین شامیؒ کے کلام سے ہم نمبر ۷ اور نمبر ۱۹ میں ثابت کر چکے ہیں کہ بیس میں صرف آٹھ سنت ہیں اور باقی بارہ رکعت سنت نہیں، بلکہ مستحب ہیں۔ اب مستحب کو بھی آپ حضرات کے یہاں سنت اور سنتِ موکدہ کہنے لگیں تو یہ آپ ہی کے لکھنے کے مطابق مکروہ تحریمی ہوا۔ لہٰذا اس مکروہ تحریمی سے اپنے ہم مذہب لوگوں کو بچایئے۔ اہل حدیث حضرات کے خلاف لکھنے سے سوائے بدنامی کے اور کچھ بھی پلے نہیں پڑے گا۔

ذرا ٹھہریئے اور سنئے! حضرت عمرؓ سے بیس رکعت ثابت کرتے ہوئے بہت سے فقہاءِ حنفیہ نے اسے مستحب اور مندوب لکھا ہے اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ مستحب، مباح اور مندوب کو سنت موکدہ یا واجب بتانا مکروہ تحریمی ہے۔ تو ذرا خدا لگتی

کہئے کہ اسی مباح و مستحب سے موکدہ سنت کورد کرنے کی کوشش کریں یا یوں کہئے کہ بیس رکعت مستحب سے آٹھ رکعت سنت صحیحہ اور ثابتہ کورد کرنے کی کوشش کریں تب یہ ”مکروتحریمی“ کتنا بڑا ہو جاتا ہے۔ ذرا اچھی طرح اس مکروہ تحریمی کا سائز ناپ کر جواب دو۔ مہربانی ہوگی۔

ذرا ٹھہریئے حضرت! ایک بات اور عرض کرنی ہے کہ یہ مکروہ تحریمی اس وقت ہے جب کہ حضرت عمرؓ سے صحیح طریقے سے مستحب ثابت ہو جائے اور پھر اس مستحب کو اہمیت دے کر سنتِ موکدہ بتادیں تب مکروہ تحریمی ہے اور جب اسی ثابت شدہ مستحب سے سنتِ محمدی ہی کورد کرنے لگیں تو اور بھی بھیانک مکروہ تحریمی بن جاتا ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ سے یہ مستحب ثابت نہیں ہے۔ ان سے بھی گیارہ رکعت ہی ثابت ہے۔ اور ان شاءاللہ دلائل سے ہم تحقیق پیش کریں گے کہ یہ مستحب بھی خلیفہ دومؓ سے غیر ثابت شدہ ہے۔ پھر اس وقت ہم آپ سے پوچھیں گے کہ غیر ثابت شدہ مستحب کو سنتِ موکدہ کہنا اور اسی سے سنتِ محمدی کورد کرنا اور اس سنت محمدیؐ پر عمل کرنے والوں کا مذاق اڑانا کتنا بڑا مکروہ تحریمی ہے اور کون ساعدد ہے جس کے ساتھ ایسی ہولناک غلطی پر آپ کے مکروہ تحریمی کو ضرب دیا جائے۔

۳۳۔ آٹھ رکعت تراویح کی دوسری معاون حدیث

صحیح ابن خزیمہ جلد دوم باب نمبر ۴۳۴ حدیث ۱۰۷۰ ص ۱۳۸ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت (لبنان) ملاحظہ فرمایئے۔

حدثنا محمد بن العلاء بن كريب نا مالك يعني ابن اسماعيل نا يعقوب ح وحدثنا محمد بن عثمان العجلي نا عبيد الله يعني ابن موسى نا يعقوب وهو ابن محمد بن عبيد الله القمي عن عيسى بن جارية عن جابر بن عبدالله قال صلى بنا رسول الله ﷺ في

رمضان ثمان رکعات والوتر فلما کان من القابلة اجتمعنا فی المسجد ورجونا أن یخرج إلینا فلم نزل فی المسجد حتی أصبحنا فدخلنا علی رسول اللّٰهﷺ فقلنا له یا رسول اللّٰه رجونا أن تخرج إلینا فتصل بنا فقال کرهت أن یکتب علیکم الوتر۔

''حدیث بیان کی ہم کو محمد بن علاء بن کریب نے ۔وہ کہتے ہیں ہم کو حدیث بیان کی مالک یعنی ابن اسماعیل نے ،کہا کہ ہم کو حدیث بیان کی یعقوب نے (دوسری سند)حدیث بیان کی ہم کو محمد بن عثمان عجلی نے ،کہا ہم سے حدیث بیان کی عبید اللہ بن موسیٰ نے ،کہا ہم کو حدیث بیان کی یعقوب یعنی ابن محمد بن عبید اللہ قمی نے ،وہ عیسیٰ بن جاریہ سے اور وہ جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھائے ۔جب اس کے بعد والی رات آئی تو ہم مسجد میں جمع ہو گئے اور ہمیں امید تھی کہ آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائیں گے،تو ہم صبح تک مسجد میں رہے اور پھر ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمیں امید تھی کہ آپ ﷺ تشریف لا کر نماز پڑھائیں گے، آپ نے فرمایا مجھے ناپسند ہوا کہ کہیں تم پر رات کی یہ نماز فرض نہ ہو جائے''۔

اس حدیث پر ابن خزیمہ میں اس طرح تعلیق ہے۔

(۱۰۷۰)إسناده حسن۔ عیسی بن جاریة فیه لین۔ المروزی کتاب الوتر ۱۹۶۔۱۹۷من طریق یعقوب

اس حدیث کی سند حسن ہے۔عیسی بن جاریۃ میں نرمی (کمزوری) ہے۔
مروزی نے اپنی کتاب الوتر میں ص ۱۹۶ پر طریق یعقوب سے روایت کیا۔

یہ آٹھ رکعت کی دوسری حدیث ہماری معاون روایت ہے جس کا درجہ حسن ہے۔لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اہل حدیث ساتھیوں کی سب سے مضبوط اور اولین دلیل

وہی ہے جسے امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے، جسے تمام اہل حدیث اور محدثین کرام اور محققین علماء حنفیہ نے تراویح آٹھ رکعت کے لئے بنیاد بنایا ہے اور اسی سے بیس رکعت کی روایت کو رد کردیا ہے۔ ہاں البتہ حضرت جابرؓ کی یہ روایت صحیح حدیث کی تائید اور آٹھ رکعت پڑھنے والوں کو مزید تقویت کے لئے بہت خوب ہے اس حدیث کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ پر فن رجال کی ایک جماعت نے کلام کیا ہے اور فن رجال کی دوسری جماعت نے اس کو بحال رکھا ہے۔ اسی لئے یہ حدیث حسن (یعنی قابلِ قبول) کے درجے تک پہنچ گئی ہے۔ اس کو شدید ضعیف نہیں کہہ سکتے، موضوع تو ہے ہی نہیں۔ اور اس کا مضمون منکر نہیں بلکہ معروف ہے اور صحیح حدیث مع وتر گیارہ رکعت کے بالکل موافق ہے۔

ناظرین کرام سے عرض ہے کہ اگر بیس رکعت والی روایت سند اور مضمون کے لحاظ سے صحیح ثابت ہوجاتی تو یہ جابرؓ والی روایت خود بخود رد ہوجاتی۔ کیونکہ حسن روایت اگر صحیح کے خلاف ہو تو رد کردی جائے گی۔ ہر ایک مسلک والوں اور محدثین کے نزدیک یہی اصولی قاعدہ ہے۔ اس کی صرف ایک مثال ہم یہاں دیتے ہیں۔

۴۳۔ رکوع کے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث حسن اور کرنے کی حدیث صحیح ہے

تکبیر تحریمہ کے بعد رفع یدین کے علاوہ رکوع کے دو رفع یدین ہیں۔ یعنی ہاتھ اٹھانا۔ یہ دونوں مرتبہ ہاتھ اٹھانے کی حدیث صحیح بخاری، مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے اس طرح آتی ہے۔

رأيت رسول الله ﷺ إذا قام في الصلوة رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه وكان يفعل ذالك حين يكبر للركوع ويفعل

ذالك إذا رفع راسه من الركوع ويقول سمع الله لمن حمده ولا يفعل ذالك فی السجود ❶

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کاندھوں کے برابر کرتے۔ اسی طرح اس وقت کرتے جب رکوع کے لئے اللہ اکبر کہتے اور اس وقت بھی ایسا کرتے جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور سجدے میں ایسا نہیں کرتے تھے۔

(صحیح بخاری شریف جلد اول جزء ۳ ص ۱۰۲۔ صحیح مسلم شریف مع نووی جلد اول ص ۱۱۶۔ سنن ترمذی شریف ص ۶۴ باب رفع اليدين عند الركوع۔ سنن ابوداؤد جلد اول ص ۱۱۱۔ سنن ابن ماجہ ص ۶۲ باب رفع اليدين۔ موطا امام مالک مع کشف المغطا ۵۰۔ امام بخاریؒ کی جزء رفع اليدين ۹ (مطبوعہ فاروقی)۔ مسند احمد جلد ۳ ص ۱۶۶۔ مؤطا امام محمد ص ۸۹۔ سنن بیہقی جلد دوم ص ۶۹۔ سنن نسائی شریف کتاب الصلوٰۃ ص ۸۹۔ سنن دارقطنی ص ۱۰۹۔ سنن دارمی ص ۱۰۷۔ کتاب الأم للشافعی جلد ۲ ص ۱۶۸۔ رفع العجاجہ جلد اول ص ۳۰۰۔ اور مشکوٰۃ شریف جلد اول باب صفة الصلوٰة کی پہلی فصل کی چوتھی حدیث)

درجہ کے لحاظ سے یہ اصح یعنی صحیح ترین حدیث ہے۔

اب رفع الیدین نہ کرنے کی روایت سنن ترمذی میں اس طرح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے لوگوں کو نماز پڑھ کر بتائی اور کہا کہ میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے مشابہ نماز پڑھتا ہوں۔ پھر یہ الفاظ ہیں فلم يرفع يديه الا مرة انھوں نے صرف ایک مرتبہ ہاتھ اٹھائے

حوالہ سنن ابوداؤد عربی جلد اول ص ۱۱۶ اور سنن ترمذی ص ۶۴ ❷

---

❶ الجامع الصحيح للبخاری ج ۱ ص ۱۰۲ باب رفع اليدين إذا كبرو إذا ركع وإذا رفع / مسلم ج ۱ ص ۱۶۸ كتاب الصلوٰة باب استحباب رفع اليدين حذو المنكبين مع تكبيرة الإحرام والركوع وفی الرفع من الركوع وأنه لا يفعله إذا رفع من السجود / ترمذی ج ۱ ص ۵۹ كتاب الصلوٰة باب رفع اليدين عند الركوع / ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۴ كتاب الصلوٰة باب رفع اليدين / موطا امام محمد ص ۸۹ باب افتتاح الصلوٰة.

❷ ترمذی ج ۱ ص ۵۹ باب رفع اليدين عند الركوع / ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۹ باب من لم يذكر الرفع عند الركوع / نسائی ج ۱ ص ۱۱۷ ترك رفع اليدين عند الركوع ص ۱۲۰ باب الرخصة فی ترك ذلك / مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۲

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اب یہ حسن سند والی روایت اوپر بیان کی ہوئی رکوع کے دونوں رفع الیدین والی صحیح ترین روایت کو رد نہیں کر سکتی بلکہ حسن روایت صحیح ترین حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے خود ہی رد ہو جائے گی۔ اور یہ اصول سب کے یہاں مسلّم ہے۔ اگر یہ قاعدہ ہے کہ حسن سے صحیح ترین کو رد کریں گے تو لاؤ دکھلاؤ، ورنہ رفع یدین ثابت ہے اور نہ کرنا مسترد ہو چکا۔ اور ہوا بھی یہی، امام اعظمؒ کے شاگرد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ جو تقریباً صحاح ستہ والے تمام محدثین کرام کے استاذ الاساتذہ ہیں، فرماتے ہیں:

قد ثبت حدیث من یرفع رفع یدین کرنے والے کی حدیث ثابت ہو چکی ہے، پھر اس کی سند کا تعارف کرا کے کہتے ہیں ولم یثبت حدیث ابن مسعود اور ابن مسعودؓ کی حدیث ثابت ہی نہیں ہے۔ لیجئے امام ترمذیؒ تو اسے حسن بتا رہے تھے۔ وہی امام ترمذیؒ عبداللہ بن مبارکؒ کی یہ تحقیق اسی حدیث ابن مسعودؓ کے تحت لائے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کا نام لے کر جو حدیث بیان کی گئی ہے وہ سنداً ثابت نہیں ہے۔ ❶ اب جو صحیح طریقے پر ثابت ہے وہ صرف رفع یدین کرنا ہے۔ ان تمام طریقوں، اصولوں اور تحقیقات کو پیٹھ دکھانا اور پھر یہ راگ الاپتے پھرنا کہ اختلاف اماموں کا نہیں بلکہ صحابہ کرام سے چلا آ رہا ہے، یہ صحابہ کرام پر الزام لگانا ہے۔ صحابہ کرام میں ایسا کوئی اختلاف نہیں تھا کہ اس کی بناء پر امت میں کئی مذہب بنا کر پھوٹ ڈال دی جائے۔

اماموں کا بھی اختلاف نہیں رہا، انھوں نے حدیثوں کے قبول کرنے کے اصول بنا دیئے۔ ان اصولوں کے پیش نظر صحیح حدیث سے حسن روایت مخالف ہونے کی وجہ سے رد ہو جائے گی۔ اور اماموں کی وصیت بھی یہی ہے کہ "جب کوئی حدیث صحیح

---

❶ ملاحظہ ہو ترمذی ج ۱ ص ۹۵ باب رفع الیدین عند الرکوع ۔ اس حدیث پر مکمل جرح دیکھنے کے لئے ملاحظہ ہو عون المعبود ج ۱ ص ۲۷۳، تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۹۳ مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ دیوبند

ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے'' [1] تو اب اختلاف نہ صحابہ کرام کا رہا اور نہ اماموں کا اور کتابوں میں بھی دوٹوک فیصلے موجود ہیں۔ چنانچہ مقلدوں کی کتاب ''نور الہدایہ اردو ترجمہ شرح وقایہ'' ص ۹۴ پر یہ عبارت فیصلہ کن ہے۔

''رفع الیدین نہ کرنے کی حدیث ضعیف ہے''۔

''عین الہدایہ'' جلد اول ص ۳۸۹ پر نہایت واضح بیان ملاحظہ فرمائیے۔

''رفع الیدین کرنے کی حدیثیں بہ نسبت ترک رفع کے قوی ہیں''۔

تو اب اختلاف نہ صحابہ کرام کا ہے اور نہ اماموں کا رہا اور نہ کتابوں کا رہا۔

اگر اختلاف ہے تو ان لڑانے والوں کی طرف سے جو نہ تو اصول وقواعد کے مطابق حدیثوں کو مانتے ہیں، اور نہ اپنے اماموں کی وصیت کو مانتے ہیں، اور نہ اپنے مذہب کی کتابوں کے تحقیقی فیصلوں کو مانتے ہیں، بلکہ ان تمام تحقیقات اور اصولوں کو چھپا کر اپنوں سے خیانت کرتے ہیں اور جو عمل کرنے والے اہل حدیثوں پر کھوٹے الزام بھی دھرتے ہیں۔ ان لوگوں کو نہ مرنے کا ڈر ہے اور نہ خدا کے سامنے جواب دینے کا ڈر ہے، بلکہ ان لوگوں کو اپنے جیب، پیٹ اور انانیت کا خیال رہتا ہے۔

اب اگر کسی مجتہد نے نیک نیتی سے تحقیق کی اور صحیح حدیث تک نہ پہنچ سکا اور ضعیف حدیث سے استدلال کر لیا تب بھی اسے ایک اجر ملے گا، لیکن بعد والوں پر صحیح حدیث ملنے پر اس مجتہد کے استدلال پر عمل کرنا درست نہیں۔ اور اگر کسی مجتہد نے تحقیقات کرتے کرتے صحیح حدیث کے مطابق فیصلہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس مجتہد کو ڈبل یعنی دوگنا اجر عطا فرمائے گا۔ اور مجتہدین کرام میں دونوں طرح کے ملتے ہیں

مسئلہ رفع الیدین کی بحث ہماری کتاب ''حدیث نماز'' میں دیکھئے۔

---

[1] امام شعرانی اپنی کتاب المیزان الکبری میں لکھتے ہیں: وقد كان الائمه المجتهدين كلهم يحثون أصحابهم على العمل بظاهر الكتاب والسنه ويقولون إذا رأيتم كلامنا يخالف ظاهر الكتاب والسنة فاعملوا بالكتاب والسنة واضربوا بكلامنا الحائط (المیزان الکبری ج۱ ص۶۰)

۳۵۔آٹھ رکعت تراویح کی دوسری معاون حدیث سے مجتہدین وفقہاءِ حنفیہ کا بے دھڑک استدلال

رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع الیدین کرنے کی مثال سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ جو کم درجے کی روایت اونچے درجے کی روایت کے مخالف ہو تو کم درجے کی روایت رد ہو جائے گی۔اور اگر سند کے لحاظ سے کم درجے کی حدیث اونچے درجے کی صحیح حدیث کے مطابق ہو تو کم درجے کی حدیث اور زیادہ طاقت ور ہو جائے گی۔یہی حال حضرت جابرؓ والی حدیث کا ہے جسے بہت سے،صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں وارد ہونے اور حضرت عائشہؓ والی صحیح بخاری کی حدیث کے موافق ہونے کی وجہ سے جابرؓ کی اس حدیث کو بالکل صحیح مانتے ہیں اور ان کے نزدیک اس حدیث کا ایک راوی عیسیٰ بن جاریہ بھی کمزور راوی نہیں ہے۔اور جو لوگ اسے کمزور راوی مانتے ہیں انھوں نے اس حدیث کو حسن مانا ہے۔اور چونکہ یہ حسن روایت صحیح روایت کے موافق ہے اس لئے اور بھی زیادہ قوی ہو گئی،اسی لئے بیس رکعت کی روایت کو منکر اور ناقابلِ استدلال بتانے والے فقہاءِ حنفیہ تک نے بھی حدیث جابرؓ کو بغیر کسی خوف وخدشہ کے استدلال میں پیش کیا ہے۔ملاحظہ فرمایئے۔

۳۶۔علامہ امام زیلعیؒ کا بیان

وعند ابن حبان فی صحیحه عن جابر بن عبدالله أنه علیه السلام قام بهم فی رمضان فصلی ثمان رکعات والوتر

(نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ جلد دوم ص۱۵۲)

اور صحیح ابن حبان میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی

کریم ﷺ نے ان کو رمضان شریف میں جو قیام کرایا وہ آپ نے آٹھ رکعت پڑھی ہیں اور وتر ادا کیا ہے۔

۳۷۔ ملا علی القاریؒ کا بیان

وفی صحیحی ابن خزیمة و ابن حبان أنه صلی بهم ثمان رکعات والوتر (مرقاۃ المفاتیح جلد دوم ص ۱۷۵)

اور صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو آٹھ رکعات اور وتر پڑھائے۔

فقہاء حنفیہ میں امام زیلعیؒ اور ملا علی القاریؒ کا شمار صف اول میں ہوتا ہے۔

۳۸۔ سرتاج علماء حنفیہ مولانا عبدالحیؒ کا اس حدیث پر بیان

واما عدد ما صلی ففی حدیث ضعیف أنه صلی عشرین رکعة والوتر أخرجه ابن أبی شیبة من حدیث ابن عباس وأخرج ابن حبان فی صحیحه من حدیث جابر انه صلی بهم ثمان رکعات ثم أوتر، وهذا اصح کذا فی التنویر (التعلیق الممجد حاشیه موطا امام محمد) ❶

اور جو آپ ﷺ نے نماز پڑھی اس کے عدد کے بارے میں ابن عباسؓ کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے بیس رکعت اور وتر پڑھی، اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو آٹھ رکعت پڑھائی اور پھر وتر ادا کیا اور یہ حدیث زیادہ صحیح ہے اسی طرح ''کتاب التنویر'' میں بھی ہے۔

❶ التعلیق الممجد حاشیه موطا امام محمد ص ۱۴۱ حاشیہ نمبر ۶

۳۹۔مولانا عبدالحی لکھنوی حنفیؒ کی ایک اور وضاحت

عمدۃ الرعایۃ جلد اول ص ۲۰۷ میں لکھتے ہیں:

واما العدد فروی ابن حبان وغیرہ أنه صلی بهم فی تلک اللیالی ثمان رکعات وثلاث رکعات وترا ❶

اور تعداد کے بارے میں ابن حبان وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو ان راتوں میں آٹھ رکعات اور تین وتر پڑھائے تھے۔

جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اہل حدیث صاحبان کون سی صحیح حدیث کی رو سے آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں اور کس حدیث سے فیصلہ کرتے ہیں، ان کو جواب دے دو کہ پہلی حدیث صحیح بخاری شریف میں ہے اور دوسری یہ حضرت جابرؓ والی حدیث ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اگر کوئی شخص کٹ حجتی پر اتر آئے تو اس کے سامنے دلائل کے ڈھیر لگا دیئے جائیں تب بھی وہ نہیں مانے گا۔

۴۰۔شارح صحیح بخاری علامہ عینی حنفیؒ کا بیان

عن عروة ابن الزبیر عن عائشة أم المومنین رضی اللّٰه تعالی عنها ان رسول اللّٰه ﷺ صلی ذات لیلة فی المسجد فصلی بصلاته ناس ثم صلی من القابلة فکثر الناس ثم اجتمعوا من اللیلة الثالثة أو الرابعة فلم یخرج إلیهم رسول اللّٰه ﷺ فلما أصبح قال رأیت الذی صنعتم فلم یمنعنی من الخروج إلیکم إلا أنی خشیت ان تفرض علیکم و ذالك فی رمضان۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جزء ثالث ص ۵۹۶)

---

❶ عمدة الرعاية حاشيه شرح وقايه ج۱ ص ۲۰۷ حاشيه نمبر ۱۱. باب الوتر والنوافل

''حضرت عروہ بن زبیر ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی تو آپ کی نماز کے ساتھ لوگوں نے بھی نماز پڑھی، پھر آپ نے دوسری رات کو بھی نماز پڑھی تو لوگ اور زیادہ ہو گئے۔ پھر لوگ تیسری یا چوتھی رات کو بھی جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف نہیں لائے، جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ جو تم نے کیا وہ میں نے دیکھ لیا۔ تمہارے پاس آنے سے مجھے صرف اس بات نے روکا کہ مجھے ڈر ہوا کہیں یہ نماز تمہارے اوپر فرض نہ ہو جائے اور یہ قصہ رمضان شریف کا ہے''۔

علامہ عینیؒ اس حدیث کی اور اس سے پہلے کی احادیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فدل هذه الروايات على أن عدم خروجه ﷺ إليهم كان للخشية عن فرضية هذه الصلوة لا لعلة أخرى

(عمدۃ القاری جزء ثالث ص ۵۹۷)

''یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کا ان کی طرف نہ نکلنا صرف اس خوف سے تھا کہ کہیں یہ نماز فرض نہ ہو جائے اور دوسری کسی وجہ سے نہیں''

کچھ آگے پھر ان کی جو عبارت ہے اسے ضرور ہی ملاحظہ فرمایئے

فإن قلت لم يبين فى الروايات المذكورة عدد هذه الصلوة التى صلاها رسول الله ﷺ فى تلك الليالى قلت روى ابن خزيمة وابن حبان من حديث جابر رضى الله تعالى عنه قال صلى بنا رسول الله ﷺ فى رمضان ثمان ركعات ثم أوتر (عمدۃ القاری جزء ثالث ص ۵۹۷)

اگر تمہارا کہنا یہ ہے کہ ان مذکورہ روایتوں میں اس نماز کی تعداد نہیں بتائی جو

رسول اللہ ﷺ نے ان راتوں میں پڑھی، تو میں جواب میں کہتا ہوں کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت جابرؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو (رمضان شریف میں) آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔ پھر وتر بھی پڑھائی۔ ❶

تین رات تک جو نماز رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی تھی اس میں تعداد کا ذکر نہیں ہے، اس کا جواب علامہ عینی حنفیؒ سات سو برس پہلے ہی دے کر فارغ ہو گئے۔ ہم اگر صحیح حدیث سے جواب دیتے ہیں تو اعتراض کرنے والوں کی سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ جو ان کے یہاں رواج پڑ گیا وہ اسی کے خوگر ہیں۔ لیکن یہ کتنی عبرت کی جگہ ہے کہ ایک ان پڑھ اور اصول سے ناواقف حنفی اعتراض کرے اور اسی کے مذہب کے افاضلین * پہلے ہی جواب تیار کر جائیں۔ سبحان اللہ!

۴۱۔ پہلے استدلال کرنا سیکھو پھر اعتراض کرو

علامہ عینیؒ نے ایک حدیث سے دوسری حدیث کو ملا کر آٹھ رکعت تراویح کا

---

❶ یہی بات حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں لکھی ہے لکھتے ہیں لم أر فی شئ من طرقه بیان عدد صلواته فی تلك اللیالی لكن رواه ابن خزیمة وابن حبان من حدیث جابر قال صلی بنا رسول الله ﷺ فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر (فتح الباری ج۱ ص۵۹۷)
میں نے حدیث مذکورہ بالا کی کسی سند میں یہ نہیں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے ان تین راتوں میں کتنی رکعت پڑھائی تھی، لیکن ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر کے علاوہ آٹھ رکعت پڑھائی تھی۔

*ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں امام ابن الہمام لکھتے ہیں: فتحصل من هذا كله ان قیام رمضان سنة إحدی عشرة رکعة بالوتر فی جماعة فعله ﷺ فتح القدیر ج۱ ص۴۰۷ فصل فی قیام شهر رمضان
ہدایہ کے حاشیہ کی یہ عبارت بھی مدنظر رہے: السنة ما واظب علیه الرسول ﷺ فحسب فعلی هذا التعریف یكون السنة هو ذلك القدر المذكور ومازاد علیه یكون مستحبا۔ حاشیہ ہدایہ ج۱ ص۱۵۱ حاشیہ۳۔ امام اعظمؒ کے شاگرد ترجمان امام محمدؒ موطا میں یہ حدیث درج کرتے ہیں: عن ابی سلمة بن عبدالرحمن انه سأل عائشة كیف كانت صلوة رسول الله ﷺ قالت ماكان رسول الله ﷺ یزید فی رمضان ولا فی غیره علی إحدی عشرة رکعة

ثبوت دیا ہے۔یعنی ایک حدیث صرف تراویح پڑھانے کی آئی دوسری حدیث میں اس کی تعداد بتائی گئی اور چوتھی حدیث میں جماعت کا ذکر آیا۔تو اب باجماعت آٹھ رکعت کا ثبوت کئی کئی حدیثوں سے ثابت ہوگا۔تیمم، وضواور اس کے متعلقات، نماز، روزہ وغیرہ اعمال کے پورے پورے باب باندھے گئے ہیں، کسی صحابی نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ طور پڑھی مغرب میں۔حدیث سند کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے۔ ❶ اب اگر کوئی شخص کہے کہ مغرب کی نماز کے لئے سورۂ طور کا ذکر آیا ہے تو وہ کھڑا ہوکر سورۂ طور پڑھ کر بیٹھ جائے اور کہے کہ دیکھو میں نے مغرب کی نماز ادا کرلی۔کیونکہ اس حدیث میں نہ سجدہ کرنے کا ذکر ہے اور نہ اتنی اتنی رکعتوں کا ذکر اور نہ جماعت سے نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔تو اسے آپ ہی بتائیں گے کہ دوسری حدیث میں رکعتوں کی تعداد اتنی ہے۔تیسری حدیث میں جماعت سے پڑھنے کی تاکید ہے اور چوتھی حدیث میں رکوع، سجدے کا بیان ہے اور پانچویں حدیث میں دعائیں پڑھنے کا بیان ہے۔لیکن وہ صرف سورۂ طور پڑھ لینے والا کہے کہ نہیں اس حدیث میں دکھاؤ کہاں ہے۔تو آپ اس شخص کے بارے میں یہی کہیں گے کہ بہت ہی بے خبر اور بے وقوف آدمی ہے۔ہمارے معترض نے یہی روش اختیار کی ہے۔

اچھا اب ایک اور دوسرا شخص آیا اور کہنے لگا کہ اس حدیث میں صرف سورۂ طور پڑھنے کا ذکر ہے۔اس میں رکوع وسجدے کا اور التحیات کا ذکر نہیں ہے۔ہم اس حدیث کو نہیں مانیں گے۔اب کوئی اللہ والا اس کو بتائے کہ بھائی! اس حدیث میں پوری نماز کا بیان صحابی نے نہیں کیا، بلکہ ایک دو مرتبہ سورۂ طور پڑھتے دیکھا تو انھوں نے آپ کی اس قراءت کا بیان کردیا۔وہ اسی بات پر اڑا رہا کہ نہیں اس حدیث میں

❶ بخاری شریف میں ہے: عن محمد بن جبير بن مطعم عن ابيه قال سمعت رسول اللهﷺ قرأ في المغرب بالطور (بخاری ج۱ ص۱۰۵ کتاب الاذان باب الجهر في المغرب)

اور کچھ بیان نہیں ہے اس لئے یہ حدیث ماننے جیسی نہیں ہے۔ ہمارے معترض نے اس طرح بھی باتیں بنائی ہیں۔

اب ایک تیسرا شخص آیا اس نے درج ذیل روایتیں دیکھیں۔

۱۔ ابوحمید ساعدیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو قبلہ رو ہوتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے اور فرماتے اللہ اکبر۔ ❶

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو سبحانك اللھم (آخر تک) پڑھتے تھے۔ ❷

۳۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر یعنی اللہ اکبر کہتے اور دونوں ہاتھ بلند فرماتے اور جب رکوع میں جاتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ ❸

۴۔ سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ آدمی اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے۔ ❹

۵۔ علی بن حسینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں جھکنے اور اٹھنے پر اللہ اکبر کہتے تھے اور آپ کی نماز ہمیشہ ایسی رہی یہاں تک کہ اللہ سے جا ملے۔

---

❶ کان رسول اللہ ﷺ إذا قام إلی الصلوۃ استقبل القبلۃ ورفع یدیه وقال اللہ أکبر (ابن ماجہ ج ا ص ۲۶۴ کتاب إقامة الصلوٰۃ والسنة فیھا۔ باب افتتاح الصلوٰۃ

❷ عن عائشة قالت کان النبی ﷺ إذا افتتح الصلوۃ قال سبحانك اللھم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالی جدك ولا اله غیرك.
(ترمذی ج ا ص ۵۷ أبواب الصلوۃ باب مایقول عند افتتاح الصلوۃ ابوداؤد ص ۱۱۳ کتاب الصلوۃ باب من رأی الاستفتاح بسبحانك اللھم)

❸ عن نافع أن ابن عمر کان إذا دخل فی الصلوۃ کبر ورفع یدیه وإذا رکع رفع یدیه وإذا قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیه وإذا قام من الرکعتین رفع یدیه (بخاری ج ا ص ۱۰۲ کتاب الاذان باب رفع الیدین إذا قام من الرکعتین)

❹ عن سهل قال کان الناس یومرون أن یضع الرجل الید الیمنی علی ذراعه الیسری فی الصلوۃ (بخاری ج ا ص ۱۰۲ کتاب الاذان باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ)

وغیرہ وغیرہ۔ ❶

پہلی روایت سنن ابن ماجہ میں دوسری سنن ترمذی وسنن ابوداؤد میں چوتھی اور تیسری صحیح بخاری میں پانچویں موطا مالک میں۔ یہ تیسرا شخص دیکھتا ہے اور پھر حنفی اور اہل حدیث کو نماز پڑھتے دیکھ کر چلا پڑے کہ تم اس طرح نماز کیوں پڑھتے ہو؟ اگر آپ اس سے پوچھیں تو کہے کہ تم اگر مسلمان ہو تو ایک دن ابوحمیدؓ کی حدیث پر عمل کرو۔ قبلہ رو کھڑے ہو جاؤ! ہاتھ اٹھاؤ اور اللہ اکبر کہہ دو۔ بس ہوگئی نماز۔ اور دوسرے دن حضرت عائشہؓ کی حدیث پر کیوں عمل نہیں کرتے یہ بھی حدیث ہے کہ صرف سبحانك اللّٰھم والی دعا پڑھ لو اور کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور تیسرے دن ایسی نماز پڑھو کہ اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ اونچے کرلو، پھر ایک دفعہ اور ہاتھ اونچے کرلو اور رکوع میں چلے جاؤ، پھر رکوع سے اٹھ کر ایک دفعہ اور ہاتھ اونچے کرلو۔ بس ہوگئی نماز، کیونکہ تیسری حدیث اسی طرح ہے اگر تم مسلمان ہو تو ایسی بھی نماز پڑھو۔

پھر وہ تیسرا شخص یہ بھی کہے کہ چوتھے دن چوتھی حدیث پر عمل کرو کہ صرف بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ لو، اور کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ حدیث بھی عمل کرنے کے لئے ہے، کیوں عمل نہیں کرتے؟

پھر وہ آواز لگاتا ہے کہ ایک دن پانچویں حدیث پر عمل کرو کہ بس خالی جھکتے رہو اور اٹھتے رہو اور اللہ اکبر کہتے رہو، بلکہ مرتے دم تک ایسی ہی نماز پڑھتے رہو، پرواہ نہیں ہے۔ اس طرح کا بھی معترض نے اہل حدیثوں کو درس دیا ہے۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ اس طرح کی باتیں بنانے والے کیسے لوگ ہیں؟ میرے خیال میں یا تو یہ تینوں بے حد علم والے ہیں کہ ساری امت میں ایسے پیدا نہیں ہوئے۔ یا پھر دماغ کی چولیں ڈھیلی ہو چکی ہیں۔

---

❶ عن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب أنه قال کان رسول الله ﷺ یکبر فی الصلوة کلما خفض ورفع فلم تزل تلك صلوته حتی لقی الله (موطا ص ٢٥ باب افتتاح الصلوٰۃ)

بالکل ان تین آدمیوں کی طرح ہمارے بے حد فاضل معترض نے بھی ایک حدیث لے کر خوب اچھل کود کی ہے۔ پہلی اچھل کود تو یہ کی کہ حضرت عائشہؓ والی حدیث تہجد کے بارے میں بتا کر اس سے تراویح مراد لینے والے اہلِ حدیث صاحبان کو نہایت ہی ناشائستہ الفاظ میں یاد کیا اور آٹھ رکعت تراویح ماننے والے جمہور علماء کے خلاف بتا کر نازیبا الفاظ کا ہدف بنایا۔ ہم نے تراویح مراد لینے والے ایسے بزرگوں کو پیش کر دیا جو معترض کے مذہب کی جان ہیں۔ اور ہم نے ثابت کر دیا کہ آٹھ رکعت سنت ماننے والے ہم ہی نہیں بلکہ مع وتر گیارہ رکعت ماننے والے معترض کے یہاں بھی ایسے ایسے ہیں کہ انکار کی مجال کسی کو نہیں ہو سکتی۔ پھر معترض نے بیس رکعت تراویح کو سنت ثابت کرنے کی کوشش کی اور کھوٹی روایت بھی درج کر دی۔ ہم انہی کے بزرگ محققین کے ہاتھوں اس بیس رکعت کی روایت کا پوسٹ مارٹم کرا کے دفن بھی کرا چکے ہیں اللہ کے حکم سے۔ پھر اچھل کود کی کہ کون سی حدیث صحیح سے آٹھ رکعت لی ہے؟ اس کا جواب بھی ہم نے صحیح بخاری شریف کی روایت سے دیا ہی تھا، یہاں حضرت جابرؓ کی حدیث بھی پیش کر دی۔ یہی نہیں بلکہ جن حدیثوں کے متعلق یہ واویلا مچایا تھا کہ ان حدیثوں میں تعداد کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کے متعلق خود معترض کے مذہب کے نامور فقیہ شارحِ صحیح بخاری صاحبِ عمدۃ القاری علامہ عینیؒ کی وہ جچی تلی عبارت پیش کر دی گویا کہ معترض ان کے سامنے بیٹھا ہو اور علامہ عینیؒ اسے منہ توڑ جواب دے کر آٹھ رکعت تراویح کا ثبوت دے رہے ہوں۔ معترض نے پھر ایک اچھل کود یہ کی کہ آپ ﷺ نے تین دن تراویح پڑھائی ہے، یہ اہل حدیث صاحبان پورے مہینے تک کیوں پڑھتے اور پورا مہینہ جماعت سے کیوں پڑھتے ہیں؟ لیجئے اس اعتراض کو بھی مٹی میں ملا دیتے ہیں۔ ان شاء اللہ۔

۴۲۔ آٹھ رکعت تراویح کی تیسری حدیث

جاء ابی أبن کعب إلی رسول اللهﷺ فقال یا رسول الله إنه کان منی اللیلة شئ یعنی فی رمضان قال وماذاك یا أبی قال نسوة فی داری قلن إنا لا نقرأ القرآن فنصلی بصلاتك فصلیت بهن ثمانی رکعات وأوترت فکانت سنة الرضا ولم یقل شیئاً۔

(قیام اللیل مروزی ص ۱۵۵۔ ابن خزیمہ۔ طبرانی صغیر قیام اللیل لامروزی مسند ابی یعلی)

حضرت ابی بن کعبؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا اے اللہ کے رسول! آج کی رات مجھ سے ایک بات ہوگئی یعنی رمضان شریف میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابی! کیا بات ہوگئی؟ انھوں نے کہا میرے گھر میں عورتیں بولیں کہ ہم قرآن نہیں پڑھ سکتے، تو ہم بھی آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھیں گے چنانچہ میں نے ان کو آٹھ رکعات اور وتر پڑھا دیا، پس یہ آپ کی رضامندی سے سنت ثابت ہوئی اور آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔

یہ آٹھ رکعت قیام رمضان کی تیسری حدیث ہے۔ اہل حدیث اتنے یتیم نہیں ہیں کہ آٹھ رکعت تراویح کو سنت بتائیں اور پھر ایک بھی صحیح حدیث نہ دکھا سکیں۔ الحمدللہ! یہ تین تین احادیث موجود ہیں۔ معترض نے آٹھ رکعت کی حدیث صحیح کا ہم سے مطالبہ کیا ہے۔ لیجئے حاضر ہے۔

۴۳۔ حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ کا بیان

رئیس التبلیغ حضرت جی مولانا محمد یوسف نے اپنی کتاب ''حیاۃ صحابہ'' اردو کی تیسری جلد کے ص ۱۶۵ پر ''نماز تراویح'' کا بیان کیا ہے۔ یہ بیان ص ۱۶۵ تا ص ۱۶۶ اور ص ۱۶۷ تک ہے۔ مرحوم نے تراویح کے متعلق بہت سی حدیثیں فضیلت کی بیان

کی ہیں اور حضرت عمر، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے متعلق روایات لائے ہیں، لیکن کہیں بھی بیس رکعت تراویح کی نہ حدیث لاکر اپنے آپ کو پھنسوایا اور نہ خلفاء راشدین کے اثر کو لاکر زد میں آئے، اگر انھوں نے کچھ بیان کیا ہے تو صرف آٹھ رکعت تراویح کی مسند ابویعلیٰ کی مذکورہ حدیث ہی بیان کی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

''حضرت جابر بن عبداللہؓ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ حضور ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ سے آج کی رات ایک بات ہوگئی یعنی رمضان کی رات میں۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا اے ابی! وہ کیا بات ہوگئی؟ تو انھوں نے بیان کیا کچھ عورتوں نے میرے گھر میں آکر کہا کہ ہم نے قرآن نہیں پڑھا ہے، ہم نماز میں تیری اقتداء کریں گے۔ حضرت ابیؓ نے عرض کیا میں نے ان کو آٹھ رکعت پڑھائی اور وتر پڑھائی، تو آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا۔ تو یہ سنت گویا آپ کی رضامندی پر ہوئی (چونکہ آپ نے منع نہیں فرمایا)

اس حدیث پر نمبر ۱۳ اور نمبر ۱۴ کے فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں۔ أخرج أبويعلى۔ قال الهيثمي ج۲ص۷۴ رواه أبو يعلىٰ والطبراني بنحوه في الأوسط وإسناده حسن۔ ابویعلیٰ نے اس حدیث کو وارد کیا ہیثمیؒ کہتے ہیں اپنی کتاب کی دوسری جلد ص۷۴ میں کہ اس حدیث کو ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے اور طبرانی نے ''اوسط'' میں اس کو اسی طرح روایت کیا ہے حسن سند کے ساتھ۔

امید ہے کہ حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ کا یہ بیان معترض کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہوگا اور مرحوم سے مضبوط تعلق رکھنے کی بنا پر تبلیغی جماعت کے لئے بھی یہ حدیث مشعلِ راہ ثابت ہوگی، ان شاءاللہ۔ خلفاء راشدین سے متعلق جو اقوال بیس رکعت کے آتے ہیں اور جو بیس رکعت کی روایت آتی ہے اگر اس میں ذرا بھی

جان ہوتی تو مرحوم اسے ضرور بیان کردیتے۔ان سب کو چھوڑ کر حضرت جیؒ نے صرف آٹھ رکعت تراویح کی حدیث سندِ حسن کے ساتھ بیان کرکے ثابت کردیا کہ تراویح آٹھ رکعت ہی علاوہ وتر کے صحیح ہے۔اللہ اکبر۔

۴۴۔تراویح اور تہجد

الحمد للہ اس وقت تک پوری تین مرفوع حدیثیں آپ آٹھ رکعت تراویح کی دیکھ چکے ہیں جب کہ معترضین یہ کھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ آتھ رکعت تراویح پڑھنے کی کوئی حدیث نہیں ہے۔ہم نے تراویح کی تین تین حدیثیں پیش کرکے ہمیشہ کے لئے ان اعتراض کرنے والوں کی چھٹی کردی۔بیس رکعت تراویح کی روایت کو منکر و موضوع ثابت کرکے بیس کے دعویداروں کی بھی چھٹی، اطمینان رکھئے کہ ان دعویداروں کے پاس اب کوئی مرفوع دلیل نہیں ہے۔مرفوع کا مطلب یہ ہے کہ وہ دلیل رسول اللہ ﷺ سے ملتی ہو۔

لیکن یہ اعتراض کرنے والے اپنے بزرگوں اور فقیہوں کے علی الرغم ایک اور شوشہ چھوڑتے ہیں کہ تراویح اور تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں، گیارہ رکعت مع وتر تراویح کی آپ حدیث دکھایئے۔یہ معترضین فوراً کہہ دیں گے کہ یہ تو تہجد کی بات ہورہی ہے اس میں تراویح کا کوئی ذکر نہیں ہے۔اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ تہجد رات کو سو کر اٹھنے کے بعد پڑھی جاتی ہے اور تراویح عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے۔تہجد اکیلے اور تنہا پڑھی جاتی ہے اور تراویح جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔تہجد رمضان اور غیر رمضان دونوں میں پڑھی جاتی ہے اور تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے۔ بس ان کی اس رٹ کے سوا اور اس زبانی جمع خرچ کے علاوہ ان کے پاس کوئی دلیل سرے سے ہے ہی نہیں، جس سے پتہ چلے کہ یہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں، اگر یہ معترضین اور زیادہ زور لگائیں گے تو یہ ثابت کردیں گے کہ بعض لوگوں کے قول کے

مطابق تہجد رسول اللہ ﷺ پر فرض تھی۔ اور یہ تمام فرق جو یہ لوگ بتاتے ہیں بالکل لغو اور باطل ہیں، جنھیں ہم ان شاء اللہ صحیح حدیثوں کی روشنی میں دکھائیں گے۔

۴۵۔ وتر رات کی نماز کے آخر میں رکھو

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اجعلوا آخر صلوتکم بالليل وترا ❶ (صحیح بخاری جلد اول ص۱۳۶)

''وتر کو اپنی رات کی نماز کے آخر میں رکھو''۔

یہ صحیح حدیث تقریباً تمام حدیث کی کتابوں میں ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ جو تہجد کا عادی ہو وہ رات کی نماز میں وتر کو آخر میں رکھے۔ یہ آپ کا حکم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے رات کو اٹھنے وغیرہ کا بیان کر کے کہتے ہیں۔

ثم قام يصلى فصنعت مثله و قمت إلى جنبه فوضع يده اليمنىٰ على راسى وأخذ بأذنى يفتلها ثم صلى ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم أوتر الخ ❷

(بخاری شریف جلد ا ص۱۳۵ ابواب الوتر)

پھر آپ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے، میں نے بھی ایسا ہی کیا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا تو آپ نے اپنا داہنا ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرا کان پکڑ کر آپ نے موڑا، پھر آپ نے دو رکعت پڑھی، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت پڑھی، پھر وتر ادا کیا۔

---

❶ صحیح بخاری ج ا ص۱۳۶ أبواب الوتر، باب ليجعل آخر صلوته وترا / ابوداؤد ص۲۰۳ كتاب الصلوة باب فى وقت الوتر

❷ بخاری ج ا ص۱۳۵ أبواب الوتر، باب ليجعل آخر صلوته وترا

وتر صرف ایک ہی تھی اور اس سے پہلے بارہ رکعتیں آپ نے ادا فرمائیں، کل تیرہ رکعتیں ہوئیں۔ یہی ابن عباسؓ تیرہ کی تعداد بھی روایت کرتے ہیں دیکھو صحیح بخاری شریف جلد اول ص ۱۵۲ ❶ اسی صفحہ پر حضرت عائشہؓ سے بھی تیرہ رکعت کی روایت ہے جس میں وہ کہتی ہیں کہ دو رکعت فجر کی اور وتر بھی شامل ہیں، ❷ پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دو رکعت ہلکی پڑھ کر رات کی نماز کا افتتاح فرماتے تھے۔ ایسا آپ اکثر یا کبھی کبھی کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ والی مذکورہ حدیث میں دو رکعت افتتاحی بھی شامل ہیں۔ دیگر یہ کہ تہجد میں جماعت بھی ثابت ہوگئی۔ حنفی ہوں یا اہل حدیث سب کے یہاں تہجد میں جماعت کرنے کا بیانِ جواز موجود ہے۔ شوق ہو تو مزید معلومات کے لئے علامہ عینیؒ کی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جزء ثالث ص ۵۹۷ مطبوعہ مصر، طبع قدیم اور فتاویٰ سبکی جلد اول میں ملاحظہ فرمالیں کہ تہجد میں جماعت سے پڑھنا جائز ہے۔ ❸ ان لوگوں کی ہم نے چھٹی کردی جو کہتے ہیں کہ تہجد جماعت سے نہیں پڑھی جاتی۔ لیکن ہمیں ثابت یہ کرنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ تہجد میں سب سے آخر میں وتر ادا کرتے تھے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کبھی کبھی تہجد اور وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ لیکن یہ کبھی آپ کی عادت ثابت نہیں ہوئی کہ آپ ﷺ نے وتر پڑھا ہو پھر تہجد کی رکعات ادا فرمائی ہوں۔ آپ ﷺ نے ایسا نہ رمضان شریف میں کیا اور نہ رمضان کے علاوہ اور دنوں میں۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ تہجد کے بعد ہی وتر ادا کیا ہے۔

---

❶ بخاری ج۱ص۱۳۵ ابواب الوتر باب لیجعل آخر صلوته وترا.

❷ حدثني عروة أن عائشة أخبرته أن رسول اللهﷺ كان يصلي إحدى عشرة ركعة كانت تلك صلوته تعني بالليل فيسجد سجدة من ذلك قدر ما يقرأ أحدكم خمسين آية قبل أن يرفع راسه ويركع ركعتين قبل صلوة الفجر ثم يصطجع على شقه الايمن حتى ياتيه الموذن للصلوة (بخاری ج۱ص۱۳۵ ابواب الوتر باب ما جاء فی الوتر)

❸ عمدۃ القاری ج۵ ص۲۵۷ زکریا بکڈپو۔ دیوبند

ہم نے جو اپنی آٹھ رکعت تراویح کی حضرت عائشہؓ والی حدیث سے اولین دلیل پیش کی ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت نماز مع وتر سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ اور اس پر آپ کے یہاں متاخرین میں سے بعض یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ یہ تراویح کے بارے میں نہیں بلکہ تہجد کے بارے میں ہے۔ چلئے آپ سچے، تسلیم۔ اب ہمیں اسی گلی میں گھیر کر آپ کو پکڑنا ہے۔ اب جو نماز رسول اللہ ﷺ نے وتر کے ساتھ پڑھی ہے وہی اول ہے اور وہی آخر ہے۔ دو نمازیں ہرگز نہیں، جن دنوں میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو رمضان شریف میں قیام کرایا تھا اس میں بھی آپ نے وتر ادا کیا تھا۔ مطلب یہ ہوا کہ یہی آپ کی رات کی نماز وتر کے ساتھ ادا ہوئی۔ پہلی رات کو عشاء سے لے کر ایک تہائی رات تک دوسرے دن دو تہائی رات تک اور تیسرے دن اتنی لمبی نماز آپ نے پڑھائی کہ لوگ ڈرنے لگے کہ کہیں سحری فوت نہ ہو جائے۔ ❶ اور یہ نماز وتر کے ساتھ تھی۔ اور یہی ایک نماز ہے جو آپ نے ادا فرمائی۔ اور سارا عالمِ اسلام یہی نماز وتر کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جن حافظوں کو تراویح پڑھانے کے لئے رکھا تھا وہ عشاء کے بعد سے شروع کرتے اور اتنی لمبی نماز پڑھاتے کہ صبح صادق کا وقت قریب ہو جاتا تھا اور جو لوگ بیس رکعت

---

❶ یہ روایت ابن ماجہ میں اس طرح ہے:

عن أبي ذر قال صمنا مع رسول اللهﷺ رمضان فلم يقم بنا شيئا منه حتى بقي سبع ليال فقام بنا ليلة السابعة حتى مضى نحو من ثلث الليل ثم كانت الليلة السادسة التى تليها فلم يقمها حتى كانت الخامسة التى تليها ثم قام بنا حتى مضى نحو من شطر الليل فقلت يا رسول الله لو نفلتنا بقية ليلتنا هذه فقال: إنه من قام مع الإمام حتى ينصرف فانه يعدل قيام ليلة، ثم كانت الرابعة التى تليها فلم يقمها حتى كانت الثالثة التى تليها قال فجمع نساء ه وأهله واجتمع الناس قال فقام بنا حتى خشينا أن يفوتنا الفلاح قيل وما الفلاح؟ قال السحور، قال ثم لم يقم بنا شيئا من بقية الشهر

(ابن ماجہ ج ۱ ص ۳۲۰ كتاب إقامة الصلوة والسنة فيها باب ماجاء في قيام شهر رمضان)

تراویح پڑھتے ہیں یا پہلے چھتیس یا چالیس رکعتیں پڑھتے تھے وہ بھی اس کے ساتھ وتر ضرور پڑھتے اور یہ ثبوت دے دیتے ہیں کہ یہی رات کی آخری اور واحد وحید نماز ہے۔ حضرت عمرؓ یہی نماز جماعت سے نہیں بلکہ اکیلے پڑھتے تھے۔ اسی کو چاہے تہجد کہہ لیجئے یا رمضان میں تراویح کا نام دے دیجئے۔ قیام اللیل کہئے یا قیام رمضان۔ وتر کہئے یا صلوٰۃ اللیل۔ وہی ایک نماز ہے جس کے آخر میں وتر ادا کیا جاتا ہے۔

مسند ابویعلیٰ اور معجم طبرانی میں حسن سند کے ساتھ جو روایت صحابی رسول حضرت ابی بن کعب سے آتی ہے جس میں گھر کے اندر عورتوں کو آٹھ رکعت رمضان شریف میں پڑھانے کا ذکر ہے ❶ اور جسے حضرت جیؒ نے بلا کھٹکے تراویح کے بیان میں لیا ہے۔ اس میں بھی وتر پڑھانے کا ذکر کر کے یہ ثبوت موجود ہے کہ بحکم پیغمبر عالم ﷺ وہی رات کی آخری نماز تھی۔ جسے تراویح کہئے یا تہجد۔ قیام رمضان کہئے یا قیام اللیل، وہ ایک ہی نماز ہے جس کے ساتھ وتر ادا کر کے ثبوت دے دیا جاتا ہے کہ اول وآخر رمضان اور غیر رمضان میں صرف ایک ہی نماز ہے۔ اگر یہ معاملہ نہ ہوتا تو صاف حکم دیا جاتا کہ تراویح کے ساتھ نہیں بلکہ تہجد کے ساتھ آخر میں وتر ادا کرو، بلکہ آپ بھی اسی طرح عمل کر کے بتاتے کہ تراویح بغیر وتر کے پڑھ کر آپ تہجد اور آخری نماز کے لئے وتر کو باقی رکھ دیتے، لیکن ایسا کہیں نہیں ہے۔ اور دنیا کے پردے پر کوئی ایسا نہیں ہے جو اسے ثابت کر سکے۔ اس لئے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ رمضان اور غیر رمضان میں نماز ایک ہی تھی۔ بڑے تعجب کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ قیامِ تراویح جس کا درجہ ایک سنت کا ہے اس کا بیان تو بڑی شان اور بڑے اہتمام کے ساتھ ملے اور آخری نماز کے طور پر ملے اور جس تہجد کو فرض ثابت کرتے ہیں اس کا تراویح کے ساتھ دور دور تک نشان بھی نہ ملے، سبحان اللہ!

تراویح اور تہجد کا فرق یہ بتاتے ہیں کہ تہجد گھر میں پڑھی جاتی ہے اور تراویح

---

❶ اس روایت کے لئے دیکھئے اسی کتاب کا صفحہ ۱۰۹۔

جماعت سے پڑھی جاتی ہے۔ ایسا فرق بتانے والوں سے پوچھئے کہ وتر کے متعلق کیا خیال ہے وہ بھی اکیلے پڑھی جاتی ہے تہجد کے ساتھ یا بغیر تہجد کے۔ پھر یہی اکیلے پڑھی جانے والی وتر جماعت سے تراویح کے ساتھ رمضان شریف میں پڑھتے ہیں تو کیا اس وتر کو بھی کوئی دوسری نماز کہیں گے۔ ہرگز نہیں، بس بالکل اسی طرح سال بھر تہجد کے نام سے اکیلے پڑھی جانے والی نماز جماعت سے ایک ماہ تک پڑھی جاتی ہے جماعت سے پڑھی جانے کے باوجود نماز وہی ہے جو رات کی نماز اور تہجد اور دنوں میں کہلاتی ہے جیسے وتر رمضان شریف میں جماعت سے پڑھے جانے کے باوجود وتر ہی کہلاتی ہے جو اور دنوں میں اکیلے پڑھی جاتی ہے۔

ہم نے فقہاءِ حنفیہ کے جو بیانات نمبر ۲۵ تک دیئے ہیں ان میں اگر غور کریں تو بخوبی پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی تراویح اور تہجد دو الگ الگ نمازیں نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی نماز ہے۔

چنانچہ ہم نے اسی مضمون کے نمبر ۱ میں علامہ قسطلانیؒ اور نمبر ۳ میں حافظ ابن حجرؒ کا اور احناف میں سے شیخ عبدالحقؒ کا نمبر ۱۴ اور مولانا وصی احمدؒ کا نمبر ۱۰ میں بیان دے دیا ہے۔ ان بیانات کو ذرا ایک مرتبہ اور دیکھئے۔ تو حسب ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

ابن عباسؓ کی بیس رکعت کی روایت کو عائشہؓ والی گیارہ رکعت کی روایت سے رد کر دیا ہے۔

پھر اسی سے آٹھ رکعت تراویح کو سنت ثابت کیا۔

اسی سنت کے بارے میں انھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ آپ کے رات کے عمل کو زیادہ جانتی تھیں اور رات کے عمل کو تہجد کہتے ہیں۔ یعنی تہجد ہی کو تراویح کہا گیا ہے۔ اسی کو پھر دوسری طرف سے دیکھئے۔ رات کو تہجد کی نماز آپ ﷺ گھر میں مع گیارہ رکعت پڑھتے تھے اور حضرت عائشہؓ اسے زیادہ جانتی تھیں۔ اسی نماز کو

بطور تراویح گیارہ رکعت ثابت کیا اور اسی سے بیس رکعت تراویح کو رد کردیا۔ یعنی تہجد ہے سال بھر کے لئے اور وہی تراویح ہے رمضان میں۔ اور اسی صحیح حدیث سے ثابت شدہ تراویح سے منکر روایت پر مبنی بیس رکعت تراویح کو رد کردیا گیا۔ نماز ایک ہی ہے نام دو ہیں۔ لیکن جو لوگ دو نمازیں ثابت کرنے پر زور لگاتے ہیں ان کا مقصد صرف یہی ہے کہ انھیں گیارہ رکعت تراویح کو سنت نہ کہنا پڑے، یعنی جھگڑا ان کا اہلِ حدیث سے نہیں ہے صرف حدیثِ پیغمبر سے ہے۔

صحابۂ کرام سے لے کر اب تک تمام اہل حدیث اور محدثین کے نزدیک تہجد وتراویح دو الگ الگ نمازیں نہیں ہیں ایک ہی نماز ہے، لیکن تمام اگلے فقہاءِ حنفیہ بھی دو نمازوں کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ آپ نے نمبر ۲۵ تک ملاحظہ فرمالیا ہے۔ وہ بڑے مزے سے تہجد کی حدیث سے تراویح کے لئے دلیل لیتے ہیں اور تراویح کے دلائل سے تہجد کے مسائل ثابت کرتے ہیں۔ لیکن متاخرین علماءِ حنفیہ نے یہ بات اڑادی کہ تہجد اور تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں، لیکن ان ہی علماء حنفیہ میں بعض ایسے بھی مسلّمہ اساتذہ ہیں جنھوں نے ان کی بے دلیل بات کا پردہ چاک کرکے رکھ دیا۔ ہاں ہم معترض کی ضیافتِ طبع اور اطمینانِ خاطر کی غرض سے کچھ شہادتیں پیش کرتے ہیں۔

۴۶۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

اپنی کتاب ''فیض الباری'' شرح صحیح البخاری جزء دوم ص۴۲۰ مطبوعہ قاہرہ میں لکھتے ہیں۔

والمختار عندی أنهما واحد وإن اختلفت صفتاهما كعدم المواظبة على التروايح وأدائها بالجماعة وأدائها فى أول الليل تارة وايصالها الى السحر أخرى۔

''اور میرے نزدیک مختار بات یہ ہے کہ یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں، اگر چہ دونوں کی صفتیں الگ الگ ہیں، جیسے تراویح پر مواظبت نہ کرنا اور اسے ادا کرنا جماعت سے اور کبھی اسے اول رات میں پڑھنا اور کبھی اسے سحری تک پہنچا دینا۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

وعامتهم لما لم يدركوا مراده جعلوه دليلا على تغاير الصلاتين

''اور عام لوگوں نے جب اس کے معنی اور مطلب کو نہیں سمجھا تو اس کو دو الگ الگ نمازوں کی دلیل بنا دی''۔

اعتراض کرنے والے ہم اہلحدیثوں کی بات تو مانتے ہی نہیں، لیجئے آپ اپنوں کے فتوے دیکھ لیجئے اور پوچھ لیجئے کہ علماء دیوبند میں ان کا مرتبہ کیا ہے۔ علماء دیوبند کو جانے دیجئے خود بانیِ دارالعلوم دیوبند کو دیکھئے۔

۴۷۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی وضاحت

آپ ''فیوض قاسمیہ'' ص ۱۳ پر لکھتے ہیں:

''بر اہلِ علم پوشیدہ نیست کہ قیام رمضان وقیام اللیل فی الواقع یک نماز است کہ در رمضان برائے تیسیر مسلمین در اول شب مقرر کردہ شد و ہنوز عزیمت در ادائش آخر شب است''۔

اہل علم پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ قیامِ رمضان (تراویح) اور قیام اللیل (تہجد) واقعی دونوں ایک ہی نماز ہے جو رمضان میں مسلمانوں کی آسانی کے لئے اولِ شب میں مقرر کی گئی، مگر اہمیت آخرِ شب ہی میں ادا کرنے میں ہے۔

دیکھ لیا آپ نے اپنی بحث کا انجام؟ بڑے دھڑلے سے یہ پبلک کو دھوکہ دے رہے تھے کہ اس حدیث سے ''تراویح مراد لیتے ہیں تو تہجد ثابت نہیں ہوتی اور اگر تہجد ثابت کرتے ہیں تو تروایح کی نماز ثابت نہیں ہوتی'' اب آپ اس گیارہ رکعت

نماز سے کون سی نماز مراد لیں گے؟ ایسا لکھنے والوں کو یہ آپ کے دونوں مانے ہوئے بزرگ کیا سمجھا رہے ہیں اور وہ بڑے بڑے فقہاء کیا سمجھا رہے ہیں جن کا ہم نے بیان نقل کیا، اور وہ کون سی نماز مراد لے رہے ہیں، اگر اہلِ حدیث حضرات کو طعنہ دیا تو آپ کے ہاتھوں سے آپ ہی کے علماء اور فقہاء کی توہین ہو جائے گی۔ اس لئے شرافت اسی میں ہے کہ اہلِ حدیث جماعت کو ہدف ملامت نہ بناؤ اور اچھی طرح سمجھ لو کہ تہجد اور تراویح کوئی الگ الگ نماز نہیں ہے، ایک ہی ہے۔

۴۸۔ تراویح میں جماعت کا ثبوت رسول اللہ ﷺ سے

معترض نے ایک بچکانہ اعتراض یہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین دن جماعت سے نماز پڑھی ہے۔ یہ اہلِ حدیث لوگ پورا مہینہ کیوں جماعت سے نماز پڑھتے ہیں؟

سبحان اللہ! یہ وہ لوگ اعتراض کر رہے ہیں جنھوں نے پوری زندگی میں صرف ایک دفعہ التحیات سکھاتے وقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے دونوں ہاتھوں میں دیکھ لیا تو بس زندگی بھر کے لئے اور ہر ایک کے لئے اور قیامت تک کے لئے مصافحہ قرار دے لیا۔ بس ذرا دو طرح سے ہیرا پھیری کر لی کہ جو تین ہاتھ کا مصافحہ تھا اس کو دونوں طرف سے چار ہاتھ کا بنا لیا اور جو التحیات سکھاتے وقت ہاتھ کا تھامنا تھا اسے ملاقات کے وقت کا مصافحہ قرار دے لیا۔ تب ان کو حرج محسوس نہیں ہوا، اور جو نماز جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے تین دن تک پڑھائی اسے اگر اہل حدیث ایک مہینہ پڑھ لیں تو قیامت آ جاتی ہے، جب کہ مسجد بھر کر صحابہ کرام نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ پڑھی تھی۔

خدا کی شان پورے مہینے جماعت سے تراویح پڑھنے کا ثبوت ہم سے وہ لوگ مانگ رہے ہیں جو بے دردی سے احادیثِ مبارکہ کو پیٹھ دکھاتے ہوئے چل

دیتے ہیں، جس کا ثبوت ہم نے شروع میں آٹھ مثالوں میں دیا، ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتووں میں ہم نے دیا، اور آئندہ مصافحہ کے بیان میں بھی ہم ان شاء اللہ دیں گے۔ ایسے لوگوں کو کیا کوئی حق پہنچتا ہے کہ وہ ہم کو سبق دیں کہ یوں کرو اور یوں کرو۔ اور یوں عمل کرنے کی حدیث دکھاؤ۔

حیرت ہے کہ آج اہلِ حدیث حضرات کے منھ ایسے لوگ آرہے ہیں کہ جو کھلم کھلا اپنی من مانی چلا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں ایک دوسرے سے مل کر کاندھے سے کاندھا اور پاؤں سے پاؤں ملا کر صحابہ کرام کو کھڑا ہونا سکھایا ❶ اور ہم نے وہی سنتِ نبوی اور عملِ صحابہ کو اپنا مذہب بنایا لیکن آپ نے نہ صرف اس سنت کو چھوڑا بلکہ اس کے خلاف آپ نے تعلیم دی اور سب کو آپ لوگوں نے اس حدیث کا مخالف نمازوں اور مسجدوں میں بنا ڈالا۔ مصافحہ میں تو ٹھونک ٹھانک کر اور کھینچ تان کر ایک حدیث سے دلیل بنائی تھی لیکن نمازیوں کے الگ الگ پاؤں رکھ کر کھڑے ہونے کی کوئی دلیل ہے ہی نہیں۔ اب اگر اہل حدیث تین دن تک رسول اللہ ﷺ اور مسجد میں پھر صحابہ کرام کو تراویح کی جماعت کا نمونہ دیکھ کر تیں دن تک پڑھ لیں تو آپ کو ان پر بولنے کی مجال ہی کہاں تھی۔

مطلق ومقید اور بیانِ جواز کی بحثیں نہیں معلوم تھیں تو اپنے انہی مولویوں سے پوچھ لیا ہوتا جنھوں نے آپ کو عربی کتابوں کی عبارتیں جانبداری کے ساتھ ترجمہ کر کر کے دی ہیں۔

ابوداؤد شریف کھول کر دیکھو! عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو صرف ایک مرتبہ مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے ایک درخت کے نیچے آرام کرتے ہوئے دیکھا تھا تو وہ ساری زندگی جب بھی اس راستے سے گزرتے اس درخت کے نیچے آرام کئے

❶ دیکھیں بخاری ج ۱ ص ۱۰۰ باب إلزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم في الصف

بغیر آگے نہیں بڑھتے تھے۔ ❶

اسی سنن ابوداؤد میں ڈھونڈ لو کہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ کے کرتہ مبارک کی گھنڈی کھلی ہوئی دیکھا تو زندگی بھر اپنے کرتے کی گھنڈی کھلی ہوئی رکھی، کبھی اس کو بند نہیں کیا۔ ❷

ان دونوں صحابیوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک مرتبہ کرتے ہوئے دیکھا چونکہ یہ فعل آپ کا مطلق تھا اس لئے ساری زندگی کے لئے اختیار کرلیا، یہ ان کی سنتِ رسول سے محبت کی دلیل تھی۔ اہل حدیث حضرات نے تین دن تک تراویح پڑھتے پایا اسے صرف تیس دن کے لئے اختیار کرلیا تو کون سی آفت آگئی۔ اگر اہلِ حدیث خطا کار ہیں تو پھر ان دونوں صحابیوں کے متعلق کیا خیال ہے۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ کی شدید امید اور آرزو بھی ہمارے ساتھ ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے اس کے فرض ہونے کا ڈر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس کے فرض ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو ہمیشہ اس کی جماعت ہوتی رہتی۔

۴۹۔ آپ ﷺ کی آرزو بھی سنت ہے اگرچہ آپ نے عمل نہ کیا ہو

مشکوۃ شریف جلد اول باب صیام التطوع ص ۱۷۹ پر حدیث آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! اس عاشوراء کی یہود ونصاریٰ تعظیم کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر آئندہ سال تک زندہ رہا تو نویں تاریخ کا (بھی) روزہ

---

❶ ابوداؤد ص ۲۷۵ کتاب المناسک باب التحصیب / مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۵ باب اتباعہ فی کل شئ / ترغیب ج ۱ ص ۲۷

❷ یہ صحابی حضرت عبداللہ بن عمر ہیں ملاحظہ کریں ابوداؤد ص ۵۶۴ کتاب اللباس باب فی حل الازرار مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۵ السنن الکبری للبیھقی ج ۲ ص ۲۴۰، ترغیب ج ۱ ص ۲۷۔ حضرت معاویہ اور ان کے بیٹے بھی اتباع نبوی میں گھنڈی کھلا رکھتے تھے۔ ملاحظہ کریں ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۸۴ کتاب اللباس باب حل الازرار۔ ترغیب ج ۱ ص ۲۷۔ اصابہ ج ۳ ص ۲۳۳، ابن سعد ج ۱ ص ۴۶۰

رکھوں گا۔ (صحیح مسلم شریف حدیث نمبر ۱۱۳۴) ❶

اسی حدیث پر نمبر ۲ کا حاشیہ دے کر ملا علی قاریؒ عربی میں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے: ''رسول اللہ ﷺ آئندہ سال تک حیات نہیں رہے بلکہ آپ کی وفات ہوگئی۔ پس نویں تاریخ کا روزہ سنت ہوا اگرچہ آپ نے وہ روزہ نہیں رکھا مگر اپنا عزم ظاہر فرمایا۔ ❷

نمبر ا کے عربی حاشیہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ کا فتویٰ بھی نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ نویں اور دسویں محرم کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو۔ ❸

امام ابن الہمامؒ کی عبارت اسی حاشیہ میں موجود ہے کہ: ''دسویں محرم سے ایک دن پہلے یا دسویں کے ایک دن بعد کا روزہ رکھنا مستحب ہے۔ اگر کسی نے صرف دسویں کا ایک ہی روزہ رکھا تو مکروہ ہے''۔ ❹

---

❶ عن ابن عباس حين صام رسول الله ﷺ عاشوراء وأمر بصيامه قالوا يا رسول الله ﷺ إنه يوم يعظمه اليهود والنصارى فقال رسول الله ﷺ لئن بقيت إلى قابل لاصومن التاسع (مشکوٰۃ ص ۱۷۸ باب صیام التطوع)

صحیح مسلم میں الفاظ یہ ہیں: حدثنا الحسن بن على الحلوانى حدثنا ابن أبى مريم حدثنا يحيى بن أيوب حدثنى إسماعيل بن امية أنه سمع أباغطفان بن طريف المرى يقول سمعت عبدالله بن عباس يقول حين صام رسول الله ﷺ يوم عاشوراء وأمر بصيامه قالوا يا رسول الله ﷺ إنه يوم يعظمه اليهود والنصارى فقال رسول الله ﷺ فإذا كان العام المقبل إن شاء الله صمنا اليوم التاسع قال فلم يات العام المقبل حتى توفى رسول الله ﷺ (مسلم ج ا ص ۳۵۹ کتاب الصیام باب صوم یوم عاشوراء)

❷ صحیح مسلم کے اندر ہے کہ اگلے سال عاشوراء آنے سے پہلے آپ کا انتقال ہوگیا جیسا کہ پچھلے صفحہ کے حاشیہ میں حدیث گزری۔ ملا علی قاریؒ کے الفاظ یہ ہیں: فلم يعش ﷺ الى القابل بل توفى فصار صوم التاسع سنة وإن لم يصم لانه عزم عليه۔ دیکھئے حاشیہ مشکوٰۃ نمبر ۲ ص ۱۷۹ بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ۔

❸ ابن عباس کا فتویٰ یہ ہے کہتے ہیں: صوموا التاسع والعاشر وخالفوا اليهود حوالہ سابق

❹ ابن الہمام کے الفاظ یہ ہیں: يستحب أن يصوم قبل العاشر يوما أو بعده يوما فإن أفرد فهو مكروه (ایضا)

یعنی رسول اللہ ﷺ کے صرف آرزو اور امید کرنے پر نویں تاریخ کا روزہ سب نے عین سنت ٹھہرالیا، کیا حنفی اور کیا شافعی اور اہل حدیث سب نے اس سنت کو مانا ہے۔ بالکل اسی طرح جماعت سے تراویح پڑھنے کی آپ کی شدید آرزو تھی بلکہ تین دن تک آپ نے وہ نماز جمہور صحابہ کو بھی پڑھائی اور پھر آپ نے وحی آجانے اور فرض ہوجانے کے خوف سے چھوڑ دی۔ ❶ اب جب کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوچکی ہے حضرت عمرؓ پورے مہینہ جماعت سے تراویح پڑھوائیں یا آپ کی خواہش اور آرزو کے پیش نظر اہلِ حدیث صاحبان پورے مہینے جماعت سے تراویح پڑھیں تو عین آپ کی سنت کے موافق اور آپ ﷺ کی مرضی کے مطابق ہے۔ یہ اعتراض کرنا کہ آپ ﷺ نے تین دن جماعت سے تراویح پڑھی ہے پورے مہینہ کیوں پڑھتے ہو؟ یہ روحِ سنت اور مرضی پیغمبر ﷺ کے خلاف معاندانہ بکواس کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اور پھر وہ علت ختم ہوچکی ہے جس کا رسول اللہ ﷺ کو ڈر تھا یعنی وحی آجانے اور اس نماز کے ہمیشہ کے لئے فرض ہوجانے اور امت کے مشقت میں پڑ جانے کا ڈر۔ لیکن اب آپ کی وفات کے بعد وحی کا سلسلہ نہیں ہے۔ فرض ہوجانے کا ڈر نہیں رہا۔ تو اب علت ختم ہونے کے بعد حضرت عمرؓ کا، ہمارا اور آپ کا جماعت کرنا تراویح میں معیوب نہیں، بلکہ سنت ہے اور جب کہ گیارہ رکعت پڑھیں تو جماعت بھی سنت اور تعداد رکعات بھی سنت ہے۔ اللہ توفیق دے آمین۔

۵۰۔ علتوں کا بیان

ناظرین کرام! جب علت کی بات نکلی ہے تو تھوڑی سی وضاحت اور کردوں

---

❶ ملاحظہ ہو صحیح بخاری ج ا باب فضل من قام رمضان / صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین باب الترغیب فی قیام رمضان

تو موزوں اور مناسب رہے گا۔

صحیح بخاری شریف جلد اول میں مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ تم کو رسول اللہ ﷺ کی نماز دکھاتا ہوں، پھر جب وہ دوسرے سجدے سے اٹھے تو بیٹھے اور ہاتھ زمین پر ٹیکے (اٹھنے کے لئے)

(شرح وقایہ ص ۱۶۹ کا حاشیہ عمدۃ الرعایۃ بحوالہ صحیح بخاری شریف) ❶

جلسۂ استراحت:

اس حدیث سے بخوبی ثابت ہے لیکن یہاں پر یہ علت اپنی طرف سے گھڑ لیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آخر عمر میں کمزور ہو گئے تھے اس لئے آپ جلسۂ استراحت کرتے ہوئے ہاتھ ٹیک کر اٹھتے تھے۔ واہ واہ! کیا مزے دار استدلال ہے اور حدیث کو رد کرنے کی کیسی البیلی من گھڑت علت نکالی ہے رسول اللہ ﷺ کی کمزوری کی۔ اور پھر اس حدیث کو یکسر رد کر کے اپنی خانہ ساز علت پر عمل کیا تب کوئی خلجان نہیں ہوا۔ کہتے ہیں کہ اب ہمارے پاس وہ کمزوری کی علت نہیں ہے اس لئے ہم جلسۂ استراحت نہیں کرتے ❷ اور جو علت رات کی نماز جماعت کے ساتھ فرض

---

❶ شرح وقایہ ج ۱ ص ۱۴۷ حاشیہ نمبر ۷ باب صفۃ الصلوٰۃ

جس حدیث کی جانب یہاں اشارہ ہے وہ صحیح بخاری میں یوں ہے: عن أيوب عن أبي قلابة قال جاء نا مالك بن الحويرث فصلى بنا في مسجدنا هذا فقال إني لأصلى بكم وماأريد الصلوٰة لكني أريد أن أريكم كيف رأيت رسول اللهﷺ يصلى قال أيوب فقلت لأبي قلابة وكيف كانت صلوته قال مثل صلوة شيخنا هذا يعني عمرو بن سلمة قال أيوب وكان ذلك الشيخ يتم التكبير وإذا رفع رأسه عن السجدة الثانية جلس واعتمد على الارض ثم قام۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۱۴ کتاب الاذان باب كيف يعتمد على الأرض إذا قام من الركعة)

❷ ترک جلسۂ استراحت کے لئے حنفیہ نے ترمذی کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ أن رسول اللهﷺ كان ينهض في الصلوة على صدور قدميه ترمذی ج ۱ ص ۶۵ کتاب الصلوة باب كيف النهوض من السجود لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اور اس کا اعتراف خود علماء حنفیہ کو بھی ہے، ملاحظہ ہو حاشیہ شرح وقایہ ج ۱ ص ۱۴۷، اس روایت میں ایک راوی خالد بن ایاس ہیں جن کے بارے میں امام ترمذی لکھتے ہیں وخالد بن أياس ضعيف عند أهل حديث۔

ہو جانے کی خود رسول اللہ ﷺ بیان فرمائیں اور وہ علت آپ کی وفات کے بعد ختم ہو جانے پر اہلِ حدیث اگر جماعت سے تراویح پڑھیں تو فوراً اعتراض کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ حالانکہ اہلِ حدیث حضرات کے پاس بلا قید آپ کا تین دن نماز پڑھانے کا نمونہ موجود ہے۔

اور پھر یہ دیکھو کہ اس حدیث کے راوی مالک بن حویرثؓ جب اپنی بستی کو جانے لگے تو آپ نے ان سے وہ مشہور جملہ فرمایا جو آپ کے لئے بہت سی جگہوں پر بڑا خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ یعنی صلوا کما رأیتمونی أصلی (صحیح بخاری شریف جلد اول پارہ نمبر۳ ص ۸۸) ❶ تم اسی طرح نماز ادا کرو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے''۔ اگر پہلی اور تیسری رکعت میں کچھ بیٹھ کر اور ہاتھ ٹیک کر اٹھنا برا ہوتا تو آپ مالک بن حویرثؓ اور ان کے ساتھی نوجوانوں کو سمجھا دیتے کہ تم ۹ ھ میں مسلمان ہوئے ہو، میری عمر اس وقت باسٹھ برس کی ہو چکی ہے، کمزور ہو گیا ہوں، تم لوگ جلسۂ استراحت نہ کرنا اور ہاتھ ٹیک کر مت اٹھنا، لیکن آپ نے جو نہیں سمجھایا وہ آپ کے یہاں سمجھاتے ہیں، اور کچھ بیٹھ کر اور ہاتھ ٹیک کر پہلی اور تیسری رکعت میں اٹھنے کی حدیث کو آج کل بیکار اور نا قابلِ عمل سمجھتے ہیں اور طرفہ تماشا یہ کہ سب کے حق میں اس علت کمزوری کو ختم کر دیتے ہیں، کیا آپ کے یہاں بوڑھے اور کمزور نمازی نہیں ہیں۔ کیا ان کے لئے اس سنت پر عمل کرنے میں راحت اور آسانی نہیں تھی۔ مگر

---

❶ پوری حدیث اس طرح ہے: حدثنا محمد بن المثنی قال أخبرنا عبدالوهاب قال أخبرنا أیوب عن أبی قلابة قال حدثنا مالك قال أتینا النبی ﷺ ونحن شببة متقاربون فأقمنا عنده عشرین یوما ولیلة وكان رسول الله ﷺ رحیما رقیقا فلما ظن أنا قد اشتهینا أهلنا أوقد اشتقنا سألنا عمن تركنا بعدنا فأخبرنا فقال إرجعوا إلیٰ أهلیكم فأقیموا فیهم وعلموهم ومروهم وذكر أشیاء أحفظها أولا أحفظها وصلوا كما رأیتمونی أصلی فاذا حضرت الصلوٰة فلیوذن لكم أحدكم ولیؤمكم أكبركم۔

(بخاری ج۱ ص۸۸ کتاب الاذان۔ باب الاذان للمسافر إذا كانوا جماعة والإقامة)

بے چارے بوڑھے نمازیوں کو بھی آپ نے اس سنت سے اور اس سنت کی ادائیگی میں راحت سے محروم کردیا۔ اور بعضوں نے تو بے دلیل ہی اس پر کفارہ اور فدیہ بھی رکھ دیا کہ پہلی اور تیسری رکعت میں ذرا بھی بیٹھ گیا تو اس کے اوپر کفارہ ہے۔ اب بے چارے بوڑھے بھی مارے ڈر کے ہانپتے کانپتے بڑی مشکل سے سجدے سے اٹھ کر سیدھے کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ڈر بالکل اسی طرح بٹھا دیا گیا جس طرح کے ڈر کا ذکر خود معترض نے اپنی کتاب میں انگوٹھے چومنے والوں کے متعلق کیا ہے اور پھر ہندوستان کی جہالت پر افسوس بھی کیا ہے۔ آپ نے انگوٹھے چومنے والوں کی جہالت پر افسوس کیا لیکن ہم بفضلِ خدا جہالت کا طعنہ نہیں دیتے ہیں جب کہ معاملہ یہاں پر اس سے بھی زیادہ سنگین ہے۔ سنگین اس لئے کہ آپ کے مذہب کی کتابوں میں تو بوڑھے اور جوان سب کے لئے اجازت بھی موجود ہے اور تحقیقِ روایات بھی موجود۔ ملاحظہ فرمایئے۔

حنفی مذہب کی کتاب درمختار جلد اول ص۷۶ پر یہ عبارت بھی موجود ہے ولو فعل لا باس اگر پہلی اور تیسری رکعت میں بیٹھ کر اور ہاتھ ٹیک کر اٹھے تو کوئی حرج نہیں۔

شرح وقایہ ص۱۶۹ کے حاشیہ پر مولانا عبدالحی حنفی لکھنوی ؒ نے لکھا ہے فان عتمد فلا باس به کما فی المحیط ❶ نماز میں اٹھتے وقت اگر ہاتھ ٹیک لے تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ (حنفی فقہ کی کتاب) ''المحیط'' میں ہے''۔ پھر اسی صفحہ کے حاشیہ نمبر۳ میں لکھتے ہیں کہ جلسۂ استراحت اور ہاتھ ٹیکنے کی حدیث مضبوط اور صحیح ہے اور یوں ہی سیدھے اٹھ جانے کی روایت کمزور اور ضعیف ہے۔ ❷

نورالہدایہ اردو ترجمہ شرح وقایہ ص۱۰۱ پر یہ بیان ہے:

---

❶ شرح وقایہ ج۱ص۱۴۷ حاشیہ۶

❷ حوالہ سابق حاشیہ۷

''جلسۂ استراحت نہ کرنے کی حدیث میں ابن ایاس راوی نزدیک محدثین کے ضعیف ہے''۔ ❶

امام ترمذیؒ نے بھی سنن ترمذی شریف عربی ص ۶۸ پر جلسۂ استراحت کی حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور نہ کرنے کی روایت کو ابن ایاس کی وجہ سے ضعیف بتایا ہے۔ ❷

جو علت موجود نہیں اسے اپنی طرف سے گھڑ کر جلسۂ استراحت کی حدیث کو اپنی کتابوں کے علی الرغم رد کر دیا اور جو علت صحیح رسول اللہ ﷺ کی زبانی بیان ہوئی اسے ماننے سے انکار ہے اور جماعت سے تراویح پڑھنے والوں پر اعتراض ہے۔ اللہ رحم کرے آپ کی سمجھ پر۔

اپنی سی کرنے پر اگر آپ آئیں تو ضرورت ختم ہونے کا دعویٰ کر کے حدیثِ پیغمبر ﷺ تک کو رد کر دیں اور اگر اکڑ جائیں تو ضرورت ختم ہونے پر بھی حضرت عثمانؓ کے جمعہ کے دن کے ایک اعلان تک کو نہ چھوڑ سکیں۔ یہ پرہیز گاری کی کونسی قسم ہے؟

۵۱۔ اذانِ عثمانی کی علّت اور ضرورت

اذانِ عثمانی یعنی وہ اعلان جو لوگوں کی کثرت ہونے کی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے جمعہ کا وقت معلوم کرانے کے لئے مسجد کے باہر کرایا تھا، جو شریعت میں نہ فرض ہے نہ واجب، نہ سنت ہے نہ مندوب، بلکہ وہ ایک وقتی اور مقامی ضرورت پر ایک انتظامی معاملہ ہے۔ اس پر بھی معترض نے جماعت اہل حدیث پر خود کی تمام کوتاہیوں کے باوجود لے دے کی ہے۔ آیئے اس اذانِ عثمانی کو بھی ذرا دیکھیں کہ پہلے کیوں تھی اور اب کیوں ہونی چاہئے۔ یہ وجہ صحیح بخاری شریف جلد اول ص ۱۲۵ باب التأذین

---

❶ نور الہدایہ اردو ترجمہ شرح وقایہ ج ۱ ص ۹۲

❷ ملاحظہ ہو ترمذی ج ۱ ص ۱۵

عندالخطبة میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

يقول إن الاذان يوم الجمعة كان أوله حين يجلس الامام يوم الجمعة على المنبر فى عهد رسول اللهﷺ وأبى بكر وعمر فلما كان فى خلافة عثمان وكثروا أمر عثمان يوم الجمعة بالاذان الثالث فأذن به على الزوراء فثبت الأمر على ذالك۔

ترجمہ: ''وہ کہتے ہیں کہ پہلے اذان جمعہ کے دن امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی تھی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اور ابوبکرؓ وعمرؓ کے زمانے میں بھی۔ جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا دور آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے دن تیسری اذان کا حکم دیا۔ پس وہ اذان زوراء مقام پر دی گئی اور یہی معاملہ اسی طرح مقرر ہو گیا''۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے شارحینِ صحیح بخاری لکھتے ہیں:

وفى مصنف عبدالرزاق عن ابن جريج قال سليمان بن موسىٰ أول من زاد الاذان بالمدينة عثمان رضى الله عنه فقال عطاء كلا إنما كان يدعو الناس دعاء ولا يوذن غير أذان واحد وفيه أيضا عن الحسن النداء الأول يوم الجمعة الذى يكون عند خروج الامام والذى يكون قبل ذالك محدث وكذا قال ابن عمر فى رواية عنه الأذان الأول يوم الجمعة بدعة۔

(دیکھو علامہ عینی حنفیؒ کی شرح عمدۃ القاری جلد نمبر ۳ ص ۲۹۰ اور حافظ ابن حجرؒ کی شرح فتح الباری جلد دوم ص ۳۹۵) ❶

ترجمہ: مصنف عبدالرزاق میں ابن جریج سے روایت ہے کہ سلیمان بن موسیٰ نے کہا کہ مدینہ میں سب سے پہلے جس نے اذان زیادہ کی وہ حضرت عثمانؓ ہیں۔ حضرت عطاءؒ نے کہا کہ وہ اذان ہرگز نہیں تھی۔ وہ تو ایک بلاوا اور اعلان تھا، اس سے لوگوں کو

❶ عمدۃ القاری ج ۵ ص ۲۷ زکریا بکڈپو دیوبند فتح الباری ج ۲ ص ۵۰۱ مکتبہ اشرفیہ دیوبند

بلاتے تھے اور اذان تو ایک کے سوا دوسری ہوتی ہی نہیں تھی۔ اور اس میں امام حسن بصریؒ سے بھی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ اذان تو وہی پہلی ہے جو امام کے نکلتے وقت دی جاتی ہے اور جو اس سے پہلے دی جاتی ہے وہ بدعت ہے۔ اور اسی طرح عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی ایک اور روایت میں کہا ہے کہ جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت ہے۔

اس تشریح سے پہلے کی صحیح بخاری شریف کی روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کی کثرت ہونے کی وجہ سے جمعہ کا اعلان ان کے لئے کرایا تھا، کیونکہ مسجد کی اذان کی آواز دور دور تک نہیں جاسکتی، اس لئے بازار میں مقام زوراء پر یہ بلاوا اذان ہوتی تھی۔

اس حدیث کی شرح میں معلوم ہوا کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے استاذ اور جلیل القدر تابعی اور محدث امام عطاءؒ تو کہتے ہیں کہ وہ اذان کے پورے الفاظ تھے ہی نہیں وہ تو ایک بلاوا تھا۔ ایک پکار تھی۔ شرعی اذان تو وہی تھی جو امام کے منبر پر بیٹھتے وقت دی جاتی تھی۔ امام حسن بصریؒ نے بھی بدعت کہا ہے۔ اور صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی اس کو بدعت کہا ہے۔ یاد رہے کہ ہمارے معترض نے حضرت ابن عمرؓ کا فتویٰ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں چلنے کا دعویٰ کیا ہے، ہم نے معترض کی ضیافتِ طبع کے لئے ان ہی کا فتویٰ پیش کر دیا ہے۔ اتنا سخت فتویٰ اہل حدیث علماء نہیں دیتے۔ نہ معلوم معترض کا سلوک امام عطاء و امام حسن بصری اور ابن عمرؓ کے ساتھ کیسا رہے گا؟

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کے بعد لکھتے ہیں:

لكن ذكر الفاكهاني أن من أحدث الأذان الأول بمكة الحجاج وبالبصرة ابن زياد وبلغني أن أهل المغرب الادنى الآن لاتاذين عندهم سوى مرة. (فتح الباری جلد۲ ص۳۹۴ مطبوعہ روضہ) [1]

لیکن فاکہانی نے ذکر کیا ہے کہ مکہ میں سب سے پہلے اس اذان کو حجاج نے

---

[1] فتح الباری ج ۲ ص ۱۰۵ مکتبہ اشرفیہ دیوبند

جاری کیا اور بصرہ میں ابن زیاد نے اور مجھے یہ بات بھی پہونچی ہے کہ مغرب ادنیٰ والوں کے یہاں اب کوئی اذان نہیں ہوتی سوائے پہلی مرتبہ کے۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی پوری قلمرو میں نہیں بلکہ صرف مدینہ میں لوگوں کی کثرت ہونے پر انھیں جمعہ کا وقت معلوم کرانے کے لئے یہ بلاوا اور اذان شروع کرائی تھی۔ ان کی خلافت سمرقند اور تاشقند یعنی آج کل کے روس تک پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن انھوں نے اپنی پوری قلمرو میں یہ حکم جاری نہیں کیا، بلکہ ان کے بہت بعد میں حجاج بن یوسف ظالم نے مکہ مکرمہ میں یہ اذان جاری کی اور امام حسینؓ کے قاتل ابن زیاد نے بصرہ میں یہ اذان جاری کردی۔ حضرت عثمانؓ نے اتنی احتیاط کی کہ اس اذان کو مسجد کے باہر زوراء مقام پر مقرر کیا، لیکن ان کے اسّی (۸۰) سال بعد خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے اسے مسجد کے اندر دلانا شروع کردیا۔

فلما كان هشام جعل الموذنين أو بعضهم يوذنون بين يديه۔

جب ہشام حکمران ہوا تو اس نے موذن کو لگادیا وہ اس کے سامنے یہ اذان دیتے تھے۔

حنفی مذہب کی کتاب ہدایہ جلد ا ص ۱۵۱ میں اس اذانِ عثمانی کے بیان پر حاشیہ میں شافعیوں کا تذکرہ یوں کیا ہے۔

وذكره الشافعية بين يدى الخطيب واختلفوا فى استحبابه وكراهته ❶

شافعیوں نے خطیب کے سامنے یہ اذان دینے کا تذکرہ کیا ہے لیکن ان میں اس بات کا اختلاف ہے کہ یہ اذان مستحب ہے یا مکروہ ہے؟

پھر اسی حاشیہ میں لکھتے ہیں: ولا خصوصية للجمعة إذ الفروض الخمسة تحتاج إلى الإعلام ❷

---

❶ حاشیہ ہدایہ ج ا ص ۱۷۱ ۔ صلوة الجمعة ❷ حوالہ سابق

اور جمعہ ہی کے لئے کیا خصوصیت ہے (لوگوں کو معلوم کرانے کی) جب کہ پنجوقتہ نماز فرض کے لئے بھی لوگوں کو معلوم کرانے کی ضرورت وحاجت ہے۔ (پھر ہر فرض نماز کی اذان سے پہلے ایک اور اذان دینا شروع کردو۔ کیسا رہے گا)

✿ جواذان نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ سنت۔

✿ جواذان امام حسن بصریؒ کے نزدیک بدعت ہے۔

✿ جواذان حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک بدعت ہے۔ ✿ جواذان حضرت عطاء تابعیؒ کے نزدیک شرعی اذان کے کلمات کی طرح نہیں ہے۔ ✿ جواذان باہر ایک اعلان کی طرح تھی اسے اہل بیت کے دشمن خلیفہ ہشام نے مسجد کے اندر ایک شرعی اذان کے طور پر جاری کرادی۔

✿ جواذان اس امت کے ظالم ترین انسان حجاج بن یوسف ثقفی نے مکہ مکرمہ میں جاری کی۔

✿ جواذان شہیدِ کربلا نواسۂ رسول کے قاتل ابن زیاد نے بصرہ میں جاری کی۔

✿ جواذان شافعیوں کے نزدیک مستحب ومکروہ کے درمیان اختلاف کا شکار ہوگئی۔

✿ جواذان بلادِ مغرب ادنیٰ یعنی لیبیا، الجزائر، مراکش اور تیونس میں حافظ ابن حجرؒ کے زمانے تک نہیں دی گئی۔

✿ جواذان لوگوں کو معلوم کرانے کے لئے دی گئی اور آج اس ضرورت کے لئے گھڑیاں اور لاؤڈ اسپیکر اللہ تعالیٰ نے عطا کر کے پھر خالص سنتِ نبوی کی طرف واپس ہونے کا راستہ عطا فرمایا۔

کیا اسی اذان کے نہ دینے پر وہ معترضین جماعت اہل حدیث کو طعنہ دے رہے ہیں کہ جنھوں نے صاف اور صریح حدیثوں کو چھوڑ دیا اور اطاعت رسول کو کسی امتی کی اطاعت سے توڑ کر رکھ دیا۔ آؤ اپنے گھر کی شہادت کو دیکھو۔ دار العلوم دیوبند

کی مسندِ حدیث کے فاضل استاذ حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ نے تو اس اذان کے قائلین کو ایسا لتھیڑا ہے کہ کوئی اہل حدیث بھی اتنا سخت بیان نہیں دے سکتا، اور انھوں نے چاروں مسلک والوں کی وہ خبر لی ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ شاہ صاحب کا بیان ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں:

والظاهر أن الاذان الثانی وهو الأول انتقل إلیٰ داخل المسجد ثم أن الامة أخذت بفعلهٖ وتعاملوا به واحدا بعد واحد إلا مانقل أبوبکر بن العربی رحمه اللّٰه تعالیٰ عن بعض أهل المغرب أنه لاتاذین عندهم غیر مرة واحدة، ثم إذا تسلط بنوامیة نقلوا الثالث علی المنارة، والذی کان علیٰ عهد النبیﷺ جعلوه فی المسجد (أمام الإمام) ولم أجد علیٰ کون هذا الاذان داخل المسجد دلیلا عند المذاهب الأربعة إلا ماقال صاحب الهدایة انه جریٰ به التوارث ثم نقله آخرون أیضا ففهمت منه أنه لیس عندهم دلیل غیر ما قاله صاحب الهدایة ولذا یلجأون إلی التوارث

(فیض الباری شرح صحیح البخاری جزء ثانی ص ۳۳۵)

ترجمہ: ’’اور ظاہر بات ہے کہ یہ دوسری اذان جسے پہلے دیتے ہیں یہ مسجد کے اندر منتقل کردی گئی۔ پھر امت نے اس (منتقل کرنے والے) کے فعل کو لے لیا۔ ایک کے بعد ایک نے اس کو اپنا معمول بنالیا، مگر جو ابوبکر بن عربیؒ نے بعض اہلِ مغرب سے نقل کیا ہے کہ ان کے یہاں صرف ایک مرتبہ کے علاوہ کوئی اذان نہیں ہے، پھر جب بنو امیہ کا تسلط ہوا تو انھوں نے اس تیسری اذان کو مسجد کے منارہ پر منتقل کردیا اور جو اذان رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دی جاتی تھی اس کو مسجد کے اندر امام کے سامنے دینے لگے۔ مسجد کے اندر (نئی) اذان دینے کی دلیل میں نے چاروں مذاہب میں

نہیں پائی مگر جو صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ پرانا رواج اسی طرح چلا آ رہا ہے اور پھر دوسروں نے بھی اسی قدیم رواج کو نقل کر دیا، تو میں نے سمجھ لیا کہ ان کے پاس صاحب ہدایہ کے قول کے علاوہ کوئی دلیل (باہر کی اذان مسجد کے اندر دینے کی) نہیں ہے۔ اسی لئے یہ لوگ قدیم رواج کی طرف پناہ لیتے ہیں''۔

لیجئے جمہور علماء اور چاروں مسلک والوں کی پول کھول کر رکھ دی کہ عثمانی اذان باہر دی جاتی تھی۔ مسجد کے اندر دینے کے لئے شرعی دلیل چاہئے اور شرعی دلیل چاروں مسلک والوں کے پاس نہیں ہے۔ اگر کچھ ہے تو صرف پرانا رواج ہے۔ رواج کو یہاں کون پوچھتا ہے۔ کیونکہ ہمارا دین رواجی نہیں بلکہ کتابی ہے۔

لیکن ہم اہل حدیث تو یہ کہتے ہیں کہ اگر وہی علت وضرورت ہو جو حضرت عثمانؓ نے محسوس کی تو یہ اذان دے دو جیسے چھوٹے گاؤں میں جہاں نہ گھڑیاں ہیں اور نہ لاؤڈ اسپیکر تو وہاں یہ عثمانی اذان یعنی مسجد کے باہر اعلان کے لئے دلوا دو، لیکن وہ مروانی اذان نہ ہو یعنی مسجد کے اندر نہیں ہونی چاہئے۔ اب معاملہ رہا ایسی جگہ کا جہاں گھڑیاں ہیں اور آواز پہنچانے کے لئے لاؤڈ اسپیکر ہیں تو وہاں ایسی مخدوش اذان کی ضرورت ہی نہیں ہے، جب کہ دور دور سے بھی لوگ اذان کی آواز سے نہیں بلکہ گھڑیوں میں وقت دیکھ کر وقت پر حاضر ہو جاتے ہیں۔ سوچئے اگر یہ اعلان کرنے اور وقت بتانے والی چیزیں حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوتیں تو کیا وہ اس اذان کو جاری فرماتے؟

ہماری غرض اتنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلی اور تیسری رکعت میں بیٹھ کر اٹھتے تھے اور تاکید یہ ہے کہ جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھو ویسی ہی نماز پڑھو، اس صحیح حدیث کو اور آپ ﷺ کی تاکید کو رد کرنا ہی آپ کا مقصد تھا تو آپ نے علت نکالی کہ آخر عمر میں کمزوری کی بنا پر ایسا کیا تھا اور جو ضرورت محسوس کر کے حضرت عثمانؓ نے

ایک اضافی اذان مسجد کے باہر دلائی آج وہ ضرورت پوری ہو چکی، گھڑی اور لاؤڈ نے وہ علت ختم کر دی، تب بھی اس اذان کو گلے لگائے ہوئے ہیں، یہ تو ایسی روش ہے کہ جس سے نہ تو حضرت عثمانؓ خوش ہوں گے اور نہ رسول اللہ ﷺ راضی۔ اور جس نماز سے خود رسول اللہ ﷺ راضی اور خوش تھے اور آپ ﷺ نے وہ نماز پڑھ کر بھی بتا دی، اس پر اعتراض کرنے چلے ہیں۔

حضرت عثمانؓ کی بات نکلی ہے تو معترض کی ایک بات اور یاد آئی وہ یہ کہ اہلِ حدیث اذان عثمانی کو نہیں مانتے لیکن قرآن میں موجودہ ترتیبِ عثمانی کو کیوں مانتے ہیں؟

۵۲۔ قرآن مجید کی ترتیب کیا حضرت عثمانؓ نے کی؟

معترض نے جس طرح اذانِ عثمانی پر غلط بیانی کی اور مروانی اذان کو عثمانی اذان ظاہر کیا ہے، اسی طرح قرآن مجید کی ترتیب میں بھی بری طرح ٹھوکر کھائی ہے۔ خود ٹھوکر کھا کر اہل حدیثوں کو یہ طعنہ دینا کہ موجودہ ترتیبِ عثمانی کو اہلِ حدیث کیوں مانتے ہیں؟

اصل بات یہ ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس کئی کاتبان وحی تھے ❶۔ جو وحی نازل ہونے کے بعد لکھ لیا کرتے تھے اور لکھائی خط کوفی سے زیادہ بگڑی ہوئی شکل میں ہوتی تھی، لیکن غرض وغایت لکھائی نہیں تھی بلکہ اسے حافظہ میں محفوظ کرنے کے لئے یہ مخطوطے بطور یادداشت کے تیار کر لیا کرتے تھے اور ان مخطوطوں اور حفظ کی ترتیب خود رسول اللہ ﷺ بتاتے تھے، یہاں تک کہ بتدریج آیتیں نازل ہوتیں تو آپ فرماتے یہ آیت فلاں سورت میں جمع کرو اور یہ آیت فلاں سورت میں ❷۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد یہ قرآن مجید اسی طرح مخطوطوں

---

❶ ملاحظہ ہو بخاری ج ۲ ص ۷۴۸ کتاب فضائل القرآن وج ۱ ص ۵۳۷ کتاب المناقب

❷ ملاحظہ ہو ترمذی ج ۲ ص ۱۳۹ ابواب تفسیر القرآن

اور خاندانوں میں محفوظ تھا اور اس کے حفظ کرنے والے ان ہی مصادر سے فیض حاصل کرتے اور ایک دوسرے کو سکھاتے، اور دور دور تک اسی طرح کلام اللہ کی تبلیغ کرتے، حرہ کے واقعہ کے بعد سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو شدت سے احساس ہوا کہ یہ قرآن مجید ایک جگہ جمع ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ ان خاندانوں اور مخطوطوں سے قرآن مجید کی ترتیب رسول اللہ ﷺ کی ترتیب کے مطابق لکھی گئی۔ حضرت زید بن ثابتؓ کی سرکردگی میں ان اصحاب کرام کی ایک کمیٹی قائم کی گئی اور اس کمیٹی میں وہ اصحابِ کرام بھی موجود تھے جن کے متعلق خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قرآن کو معاذ بن جبل اور عبداللہ بن مسعود وغیرہؓ سے لو۔ چنانچہ ان حضرات کی مساعی جمیلہ سے قران مجید کا نسخہ رسول اللہ ﷺ کی ترتیب پر تیار کیا گیا۔ پھر بہت سے نسخے تیار کر کے بھیجے گئے اور دور دور تک یہ نسخے پہنچا دیئے گئے۔ ہماری اس وضاحت سے آپ نے اتنا تو سمجھ لیا ہوگا کہ قرآن مجید کی ترتیب خود رسول اللہ ﷺ نے بتائی ہے اور آپ ﷺ کو یہ ترتیب اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے، کیونکہ آپ بغیر وحی کے کچھ نہیں بتاتے تھے، تو قرآن مجید کی ترتیب اللہ تعالیٰ نے لاکھوں برس پہلے دے کر لوح محفوظ میں لکھوا دیا، پھر اس کو اسی ترتیب کے ساتھ لیلۃ القدر میں آسمانِ دنیا کی ایک عزت کی جگہ میں پورا کا پورا نازل و منتقل فرما دیا، پھر ۲۳ برس میں موقع بموقع اس کی آیتیں نازل ہوتی رہیں، اور رسول اللہ ﷺ آیات کو سورتوں میں جمع کراتے رہے اور سورتوں کے متعلق ارشاد فرماتے رہے کہ فلاں سورت فلاں سورت کے بعد لکھو یا جمع کرو، فلاں جگہ بسم اللہ لکھ کر فصل کرو۔ یہاں تک کہ سورہ انفال کے بعد جو سورۂ توبہ آج ہم دیکھتے ہیں اس پر آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھوائی تو آج تک وہاں کوئی بھی اس میں بسم اللہ داخل نہیں کر سکا، نہ ابوبکر صدیق نہ عمر فاروق، نہ عثمان غنی، نہ علی مرتضی، نہ زید بن ثابت، نہ عبداللہ اور نہ معاذ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ بلکہ آج بھی قرآن مجید کی ترتیب

وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے بتائی اور اسی ترتیب پر مختلف خاندانوں اور مخطوطوں سے جمع کر کے اجلۂ صحابہؓ کی نگرانی میں ایک کتاب اور مصحف کے طور پر اسی طرح لکھ دیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں رکھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا کہ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر:۹) ہم نے ہی یہ قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ہمارا ایمان ویقین ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کی سورتوں، آیتوں اور الفاظ کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے وہی اس کی ترتیب کا بھی ذمہ لیا ہے۔ تو موجودہ ترتیب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی معرفت محفوظ کرادی ہے۔ اس کو حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عثمانؓ کی ترتیب بتانا بے خبری کی انتہا ہے اور دشمنانِ اسلام کو اعتراض کرنے کا موقعہ دینے کے برابر ہے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اس کی ترتیب نہیں دی گئی۔ بلکہ ایک مرتبہ یہ محسوس کیا گیا کہ کچھ الفاظ میں اختلاف پیدا ہو رہا ہے تو انھوں نے اسی طرح الفاظ کی کتابت کرادی جس طرح رسول اللہ ﷺ قراءت فرماتے تھے اور سورۂ احزاب کی ایک آیت چھوٹ گئی تھی اس کی کتابت بھی کرادی اور باقی حضرت حفصہؓ کے پاس مرتب نسخہ تھا اسے نقل کرنے کے لئے آپ نے مستعار لے لیا۔ ترتیب شدہ نسخے کی نقلیں انھوں نے اپنی قلمرو میں پھیلا دیں۔ یہ روایات صحیح بخاری شریف میں موجود ہیں۔ ❶ ہمیں ثابت یہ کرنا ہے کہ یہ ترتیب اللہ تعالیٰ کی ہے۔ حضرت عثمانؓ کی نہیں۔ یہ ترتیب قرآن مجید جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ اس ترتیب کی کتابت سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے کرائی تھی اور جزوی اصلاح کے ساتھ حضرت عثمانؓ نے قرآن مجید کی کتابت کرا کے بہت سے نسخے تیار کرائے۔

ہماری اس وضاحت سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ترتیب تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کی ہے۔ البتہ کتابت اور الفاظ کی صحت حضرت عثمانؓ نے کی ہے۔ اب

---

❶ ملاحظہ ہو بخاری ج ۲ ص ۷۴۶ کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن

اگر آپ کو اعتراض تصحیح اور کتابت پر ہے تو ذرا آپ اعتراض کر کے دیکھیں، ان شاء اللہ ہم دندان شکن جواب سے آپ کی ضیافت کریں گے۔

۵۳۔قرآن مجید پر اعراب کیا حجاج نے لگائے؟

معترض نے اہل حدیث جماعت پر یہ کھوٹا الزام بھی لگایا ہے کہ ہم قرآن مجید پر حجاج کے لگائے ہوئے اعراب یعنی زیر، زبر، پیش کی حرکات کو کیوں مانتے ہیں، یہاں بھی معترض نے بری طرح ٹھوکر کھائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ طٰہٰ اور سورہ یٰسین زمین وآسمان کی پیدائش سے ایک ہزار برس پہلے فرشتوں کو پڑھ کر سنائی تو فرشتوں نے اس امت کو مبارکباد دی جس پر یہ قرآن نازل ہوگا۔ اوران سینوں اورزبانوں کو مبارکباددی جن سے یہ ادا ہوگا اور محفوظ رہے گا۔ (مشکوۃ شریف عربی کتاب فضائل قرآن بحوالہ دارمی) ❶

سورہ قیامہ میں فرمایا: جب ہم قرآن پڑھیں تو آپ اس کی قراءت کی پیروی کیا کرو۔ ❷

سورہ قصص میں فرمایا ''ہم تلاوت کرتے ہیں آپ پر موسیٰ اور فرعون کا واقعہ''۔ ❸

اوپر کی حدیث اور بعد کی دونوں آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کی قراءت اور تلاوت فرمائی۔قراءت وتلاوت بغیر اعراب کے نہیں ہوتی۔ انسان اور فرشتوں کے لئے تو ممکن ہی نہیں کہ بغیر زیر، زبر، پیش کے وہ پڑھ سکیں یا سمجھ

---

❶ عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ إن الله تعالى قرأ طه ويسٓ قبل أن يخلق السموات والارض بألف عام فلما سمعت الملئكة القرآن قالت طوبى لامة ينزل هذا عليها وطوبى لأجواف تحمل هذا وطوبى لالسنة ينكلم بهذا (دارمی ج۲ص۵۴۷ کتاب فضائل القرآن باب فصل سورہ طه ويس)

❷ فاذا قرأناه فاتبع قرآنه (القیامۃ:۷۵ :۱۸)

❸ نتلوا عليك من نبأ موسى وفرعون بالحق (القصص:۲۸ :۳)

سکیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اعراب کے ساتھ فرشتوں کے سامنے اور رسول اللہ ﷺ پر قراءت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ان ہی اعراب کے ساتھ تلاوت فرمائی ہے۔ آپ کی قراءت کا ایک ایک حرف سمجھ میں آتا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے تو ان ہی حرکات کے ہیر پھیر سے سورہ یوسف کے آخری رکوع کی ایک آیت کے اس جملے میں وظنوا أنهم قد كذبوا میں استدلال کیا ہے وہ کہتی تھیں کہ کُذِبُوا نہیں بلکہ کُذِّبُوا صحیح ہے دونوں لفظوں میں حرف یکساں ہیں لیکن حرکات بدلی ہوئی ہیں۔ دونوں ہی مجہول کے صیغے ہیں اور بحث ماضی کی ہے۔ پہلا ثلاثی مجرد کے باب سے ہے اور تشدید لگا دینے سے ثلاثی کے باب تفعیل سے بن جاتی ہے۔ حضرت عائشہؓ اسی کو ترجیح دیتی تھیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اعراب کے ساتھ نہ صرف صحابہ کرام پڑھتے تھے بلکہ اعراب کے فرق سے استدلال بھی کیا کرتے تھے، لیکن لکھائی میں ان کو ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ عرب تھے، اہل زبان تھے، بغیر زیر، زبر، پیش والی تحریر پڑھیں تو اپنے آپ ہی اعراب لگتے چلے جائیں گے۔ عرب ہی کیا۔ دوسرے عربی زبان کے ماہر بن جائیں تو ان کی بھی یہی حالت کہ بڑی بڑی کتابیں پڑھتے چلے جاتے ہیں صرف ونحو کا ماہر ہونے کی وجہ سے اعراب خود بخود لگ جاتے ہیں۔ صحابہ کرام تو خود اہلِ زبان تھے اور پھر رسول اللہ ﷺ کو بھی پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ لیکن جب عجمی اور غیر اہلِ زبان اسلام میں داخل ہوئے تو ان کو بغیر اعراب کا مصحف پڑھنے میں دقت ہوئی۔ اسی ضرورت کے تحت حجاج بن یوسف نے وہی اعراب صحابہ اور تابعین کی مدد سے کتابت کرا دیئے جن اعراب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قراءت کی، نبی کریم ﷺ نے جن اعراب کے ساتھ قراءت فرمائی، اسی طرح کی حرکات کے ساتھ کتابت ہوگئی، تو یہ اعراب پہلے سے تھے۔ اللہ اور رسول کی قراءت وتلاوت میں موجود تھے، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حرکات حجاج بن یوسف نے اپنی من مانی سے

لگائے ہیں، تو یہ ان کی ناواقفیت کی انتہا ہے، اور پھر اس حدیث کا مطالبہ کہ حجاج کے زیر، زبر لگائے ہوئے کس حدیث سے مانتے ہو، رسول اللہ ﷺ اس وقت تھے ہی نہیں، حدیث کہاں سے آئے گی۔

حجاج کے لگائے ہوئے زیر، زبر، پیش پر حدیث کا مطالبہ شاید اہل حدیث جماعت کی بے چارگی دیکھ کر خوش ہونے کے لئے کیا گیا ہے۔ لیکن ہم ایسے لوگوں کو اس طرح خوش نہیں ہونے دیں گے۔ حدیث کی تو بعد میں ضرورت پڑے گی، یہاں تو یہ بھی ثابت نہیں ہوا کہ یہ اعراب حجاج کے ہیں بلکہ ثابت یہی ہوتا ہے کہ قرآن مجید اعراب کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ البتہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ حجاج نے کتابت کرادی ہے۔ اب اگر کتابت پر اعتراض ہے تو کر کے دیکھئے، ان شاء اللہ کرارا جواب دیا جائے گا۔

پھر بھی اگر حدیث کا مطالبہ ہے حجاج کی کارکردگی پر تو آیئے میدان میں ہم بفضل خدا حدیث بھی سنائیں گے۔ لیجئے حاضر ہے۔

عن أبي أمية قال دخلنا على عبادة بن الصامت وهو مريض فقلنا حدثنا أصلحك الله بحديث ينفع الله به سمعته من رسول الله ﷺ قال دعانا رسول الله ﷺ فبايعنا فكان فيما أخذ علينا أن بايعنا على السمع والطاعة في منشطنا ومكرهنا وعسرنا ويسرنا وأثرة علينا ولا ننازع الأمر أهله قال إلا أن تروا كفراً بواحا عندكم من الله فيه برهان

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۲۵ كتاب الامارة باب وجوب طاعة الامراء في غير معصية وتحريمها في المعصية)

ابو امیہؒ سے روایت ہے کہ ہم حضرت عبادہ بن صامتؓ کے پاس آئے اور وہ بیمار تھے۔ ہم نے کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اچھا کر دے۔ ہم کو ایسی حدیث سنائیے

جس سے اللہ تعالیٰ نفع پہنچائے جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو۔ انھوں نے کہا ہم کو رسول اللہ ﷺ نے بلایا، پس ہم نے بیعت کی، آپ نے جو عہد ہم سے لیا اس میں سے یہ بات تھی کہ ہم نے بیعت کی (امیر کی بات) سننے اور اطاعت کرنے پر، اپنی خوشی میں اور اپنی ناخوشی میں بھی، آسانی میں بھی، اور سختی میں بھی، چاہے ہمارے اوپر ہی بات کیوں نہ آتی ہو۔ اور ہم اہل حکومت سے جھگڑا نہ کریں۔ آپ نے فرمایا ہاں، مگر جب تم کھلی ہوئی ایسی نافرمانی (ان امیروں اور حاکموں کی) دیکھو کہ جس کے بارے میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے برہان یعنی دلیل ہو۔ (تب امیر وحاکم کی اطاعت نہیں ہے)

حضرت عثمانؓ امیر المومنین تھے اگر انھوں نے انتظام کے لئے ضرورت پر مسجد میں نہیں بلکہ مسجد کے باہر یہ اذان اضافی دلوائی تو اگر آج بھی جہاں ضرورت ہو تو دے دو جب کہ صورت وہی ہو یعنی مسجد کے باہر ہو۔ اگر گھڑیاں اور لاؤڈ سپیکر موجود ہیں تو ضرورت پوری ہوگئی، اور بے ضرورت اذان دینا خود حضرت عثمانؓ کے خلاف ہے اور اسے مسجد کے اندر دینا تو بالکل شریعت کے خلاف ہے اور حضرت عثمانؓ کی نافرمانی، اور اس حدیث کے پیشِ نظر امیر کی نافرمانی کر کے رسول اللہ ﷺ کی بھی نافرمانی ہے۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ نے قرآن مجید میں جو بعض الفاظ کی تصحیح کی وہ بھی کسی حدیث سے نہیں ٹکراتی، اس لئے اس تصحیح اور کتابت کو ماننے کے لئے یہی صحیح مسلم کی حدیث سبق دے رہی ہے۔ مان لو اگر ترتیب بھی دی ہے تب بھی مانو۔

اسی طرح حجاج بن یوسف نے زیر، زبر، پیش لگا بھی دیئے ہوتے تب بھی ہمارے پاس اس امیر کے خلاف اللہ کی طرف سے کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ وہ ایک مستحسن اقدام ہی تھا پڑھنے والوں کی سہولت کے لئے۔ مگر اس نے صرف اللہ کی طرف سے نازل شدہ حرکات کی کتابت کرادی، امیروں کے بارے میں رسول

اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا اس کے رو سے حجاج کی یہ کتابت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔
اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر نص قطعی اور دلیلِ شرعی کے خلاف بات چاہے خلیفہ یا حاکم یا چھوٹے بڑے امیر اور امام کی بات ہو، وہ نہیں مانی جائے گی۔

۵۴۔ نصِ قطعی اور حجتِ شرعی کے خلاف خلیفہ یا امام کی اطاعت نہیں ہے۔

صحیح مسلم کی مذکورہ حدیث سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ غیر مشروط اطاعت اور ہمہ گیر تابعداری صرف رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ آپ کے علاوہ کسی کی بھی اطاعت رسول اللہ ﷺ ہی کی اطاعت سے مشروط اور بندھی ہوئی ہے، امت میں سے کوئی بھی اگر رسول اللہ ﷺ کی حدیث وسنت کو بتائے یا اس کے مطابق تشریح کرے تو وہ قابل قبول ہے اور ہر ایک امتی کا وہ ورثہ ہے اور اس کے اوپر کسی کا اجارہ نہیں ہے۔ اگر امام بخاری یا امام مسلم کوئی بات پیش کریں اور دلیل میں حدیث پیش کریں جو ضعیف نہ ہو اور صحیح کے خلاف نہ ہو تو وہ بات ماننا ضروری ہے، وہ امام بخاری ومسلم کی تقلید نہیں بلکہ پیغمبر خدا ﷺ کی فرمانبرداری ہے اور اگر آپ کے خلاف ہو تو کسی بھی خلیفہ اور امام وامیر کی بات نہیں مانی جائے گی۔

امیر کی بات ماننا عین رسول ﷺ کی اطاعت آپ نے قرار دیا (صحیح بخاری) [1]
لیکن ایک امیر لشکر نے غصہ کی حالت میں لکڑیاں جلا کر اس میں کودنے کا حکم دیا۔ لوگ رک گئے اور رسول اللہ ﷺ سے آکر ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر وہ اس

---

[1] أن رسول الله ﷺ قال من أطاعنی فقد أطاع الله ومن عصانی فقد عصی الله ومن أطاع أمیری فقد أطاعنی ومن عصی أمیری فقد عصانی۔
(بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۷ کتاب الأحکام باب قول الله اطیعوا الله واطیعوا الرسول وأولی الامر منکم)

میں داخل ہو جاتے تو ہمیشہ اسی آگ میں رہتے۔ پھر فرمایا کہ اطاعت تو نیک کاموں میں ہے۔ (صحیح مسلم عربی جلد۲ ص۱۲۵) ❶

جن خلفاء راشدین کے لئے آپ نے فرمایا کہ میرے خلفاء راشدین کی سنت پر چلو" ❷ ان کی سنت کو بھی آپ نے اپنے طریقے اور سنت سے مشروط فرمادیا۔

آپ کی زندگی میں حضرت عمرؓ تورات کے کچھ اوراق لا کر پڑھنے لگے تو رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوئے (پوری حدیث مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ ص۳۲ پر بحوالہ دارمی موجود ہے) ❸

رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک صاحب نے ایک خواب بیان کیا۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے خواب کی تعبیر بیان کرنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت

---

❶ پوری حدیث اس طرح ہے: عن علی قال بعث النبی ﷺ سریة و أمر علیهم رجلا من الأنصار وأمرهم أن یطیعوه فغضب علیهم قال ألیس قد أمر النبی ﷺ أن تطیعونی قالوا بلیٰ قال عزمت علیکم لما جمعتم حطبا وأوقدتم نارا ثم دخلتم فیها فجمعوا حطبا فأوقدوا فلما هموا بالدخول فقام ینظر بعضهم إلی بعض فقال بعضهم إنما تبعنا النبی ﷺ فرارا من النار أفندخلها فبینما هم کذلك إذ خمدت النار وسکن غضبه فذکر للنبی ﷺ فقال لو دخلوها ماخرجوا منها أبدا إنما الطاعة فی المعروف
(بخاری ج۲ ص۱۰۵۸ کتاب الاحکام باب السمع والطاعة للامام مالکم تکن معصیة وص۶۲۲ کتاب المغازی باب سریة عبداللّٰه بن حذافة السهمی / مسلم ج۲ ص۱۲۵ کتاب الإمارة باب وجوب طاعة الأمراء فی غیر معصیة وتحریمها فی المعصیة)

❷ فرمایا علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین
(ابوداؤد ج۲ ص۶۳۵ کتاب السنة باب لزوم السنة / ترمذی ج۲ ص۹۶ ابواب العلم باب الاخذ بالسنة واجتناب البدعة / دارمی ج۱ ص۵۷ باب اتباع السنة)۔

❸ پوری حدیث یوں ہے: عن جابر أن عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه أتی رسول اللّٰه ﷺ بنسخة من التوراة فقال یا رسول اللّٰه هذه نسخة من التوراة فسکت فجعل یقرأ و وجه رسول اللّٰه ﷺ یتغیر فقال أبوبکر ثکلتك الثواکل ما تری مابوجه رسول اللّٰه ﷺ فنظر عمر إلیٰ وجه رسول اللّٰه ﷺ فقال أعوذ باللّٰه من غضب اللّٰه وغضب رسوله رضینا باللّٰه ربا وبالإسلام دینا وبمحمد نبیا فقال رسول اللّٰه ﷺ والذی نفس محمد بیده لو بدا لکم موسی فاتبعتموه وترکتمونی لضللتم من سواء السبیل ولو کان حیا وأدرك نبوتی لاتبعنی
(دارمی ج۱ ص۱۲۶ باب مایتقی من تفسیر حدیث النبی ﷺ وقول غیره عند قوله ﷺ)

دے دی۔ جب خواب کی تعبیر بتا کر پوچھا کہ میں نے تعبیر ٹھیک بیان کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے کچھ حصہ صحیح بتایا اور کچھ میں غلطی کر گئے۔ ❶ تفصیل کے لئے دیکھو صحیح مسلم شریف کتاب الرؤیا جلد۲ص ۲۴۳)

رسول اللہ ﷺ ساری امت سے زیادہ ان دونوں خلفاء کو پسند فرماتے تھے اور ان کے فضائل بھی آپ نے خوب بیان کئے، لیکن بعض جگہ آپ نے اپنے فرمان سے ان کی غلطی ظاہر فرما دی۔ بالکل اسی طرح صحابہ کرام نے بھی خلفاء راشدین کی غلطیوں پر رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے یا تو ان کو مطلع کر دیا یا پھر ان کے قول وعمل کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ علامہ ابن قیمؒ اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں محقق ومقلد کے مناظرہ کی بحث میں ان باتوں کو بڑی تفصیل سے لائے ہیں، بطور نمونہ ہم اس میں سے کچھ یہاں پیش کرتے ہیں:

۱۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ اپنے دورِ خلافت میں دادی کے ورثہ کا انکار کرتے تھے۔ اور اس وقت تک آپ کو معلوم نہیں ہوا جب تک کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما نے حدیث پیغمبر کے ذریعہ آپ کو متنبہ نہیں کر دیا۔ ❷

---

❶ پوری حدیث اس طرح ہے: ان ابن عباس کان یحدث أن رجلا أتی رسول اللہ ﷺ فقال یا رسول اللہ إنی أری اللیلة فی المنام ظلة تنطف السمن والعسل فأری الناس یتكففون منها بأيديهم فالمستكثر والمستقل وأری سببا واصلا من السماء إلی الأرض فأراك أخذت به فعلوت ثم أخذ به رجل من بعدك فعلا ثم أخذ به رجل آخر فعلا ثم أخذ به رجل فانقطع به ثم وصل له فعلا قال أبوبكر يا رسول الله بأبي أنت والله لتدعني فلا عبرنها قال رسول اللہ ﷺ اعبرها قال أبوبكر أما الظلة فظلة الإسلام وأما الذی ينطف من السمن والعسل فالقرآن حلاوته ولينه وأما مايتكفف الناس من ذلك فالمستكثر من القرآن والمستقل وأما السبب الواصل من السماء إلی الارض فالحق الذی أنت عليه تاخذ به فيعليك الله به ثم ياخذ به رجل من بعدك فيعلو به ثم ياخذ به رجل آخر فيعلو به ثم رجل آخر فينقطع به ثم يوصل له فيعلو به فأخبرني يا رسول الله بأبي أنت وأمي أصبت أم أخطأت قال رسول اللہ ﷺ أصبت بعضا وأخطأت بعضا قال فوالله يا رسول الله لتحدثني ما الذی أخطأت قال لا تقسم (مسلم ج۲ص۲۴۳ کتاب الرؤیا)

❷ ملاحظہ ہو ترمذی ج۲ص۳۰ باب ماجاء فی میراث الجدة ابوداؤد ص۱۴۰ کتاب الفرائض / تاریخ الخلفاء ص۹۸

۲۔ سیدنا عمر فاروقؓ حج تمتع کا انکار کرتے تھے اور صرف حج قران کے قائل تھے (احادیث کے اندر ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ سے ایک صاحب نے کہا کہ آپ کے والد سیدنا عمرؓ تو حج تمتع سے منع کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ میرے باپ کے قول کو لیا جائے گا یا رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر عمل کیا جائے گا؟ ❶

۳۔ حضرت عمرؓ اتنا ہی مہر جائز جانتے تھے جتنا کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کا تھا، اس سے زیادہ کو منع کرتے تھے۔ یہاں تک کہ عام لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے زیادہ مہر باندھنے سے روک رہے تھے۔ ❷ ایک عورت نے قرآن مجید کی آیت وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَاراً فَلاَ تَأْخُذُواْ مِنْهُ شَيْئاً ۔ ❸ پڑھ کر کہا کہ اے عمر! ذرا دیکھو اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ اگر تم نے پورا ایک خزانہ بیوی کو دے دیا ہو تو (طلاق دینے کے وقت) کچھ بھی اس میں سے نہ لو۔ یہ کلام سن کر امیر المومنین کہتے ہیں کہ عمر

---

❶ ترمذی ج ۱ ص ۱۶۹ أبواب الحج باب ماجاء فی التمتع۔ سالم بن عبداللہ کہتے ہیں کہ انھوں نے ایک شامی کو عبداللہ بن عمر سے حج تمتع کے بارے میں پوچھتے ہوئے سنا عبداللہ عمرؓ نے کہا حلال ہے۔ شامی نے کہا آپ کے والد محترم نے تو اس سے روکا ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا یہ بتاؤ میرے والد نے اگر اس سے روکا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے تو أمر أبي يتبع أم أمر رسول الله ﷺ کیا میرے والد کی بات مانی جائے گی یا رسول اللہ ﷺ کی بات مانی جائے گی؟ اس آدمی نے کہا رسول اللہ ﷺ کی بات مانی جائے گی۔ عبداللہ بن عمر نے کہا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے کیا ہے۔

❷ حضرت عمر بن خطاب کا یہ قول حدیث کی کتابوں میں موجود ہے: ألا لا تغالوا صدقة النساء فانها لوكانت مكرمة فى الدنيا أو تقوى عندالله لكان أولا كم بها نبى الله ﷺ ما علمت رسول الله ﷺ نكح شيئا من نساء ه ولا أنكح شيئا من نباته على أكثر من ثنتى عشرة أوقية۔ (ترمذی ج ۱ ص ۲۱۱ كتاب النكاح باب ماجاء فی مهور النساء / ابوداؤد ص ۲۸۷ كتاب النكاح باب الصداق / نسائی ج ۲ ص ۷۲ كتاب النكاح باب القسط فى الأصدقة / ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۰۷ كتاب النكاح باب صداق النساء۔

❸ سورۃ النساء ۴: ۲۰

سے زیادہ بھی جانتے ہیں یہاں تک کہ عورتیں بھی اس سے زیادہ جانتی ہیں۔ ❶

۴۔ حضرت عمرؓ نے جب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے سنا کہ تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد بھی کسی گھر سے اجازت نہ ملے تو اس گھر سے واپس لوٹ جاؤ، یہ سن کر ابوموسیٰؓ کا گلا پکڑ لیا اور کہا کہ گواہ لاؤ کہ یہ حدیث ہے۔ جب حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا کہ اس حدیث کو تو ہمارے بچے بھی جانتے ہیں اور آپ بے خبر ہیں۔ تب آپ نے حضرت ابوموسیٰؓ کو چھوڑا۔ ❷

اللہ تعالیٰ ان خلفاء راشدین کی قبروں کو نور سے معمور فرمائے کہ اپنے چھوٹوں سے بھی صحیح دلیل سن لیتے تو اپنے فیصلے سے رجوع فرما لیتے تھے اور اگر خلیفہ ہونے کے اختیار سے کوئی انتظامی کام کرتے تو اسے شریعت میں داخل نہیں کرتے تھے جیسے حضرت عثمانؓ نے ضرورت پر ایک اعلان اور اذان کا انتظام مسجد کے باہر بازار میں مقام زوراء پر کیا، کیونکہ مسجد میں تو شرعی اذان ہے جو خطیب کے منبر پر بیٹھتے وقت ہوتی ہے یا جیسے حضرت عمرؓ نے لوگوں کی بڑھتی ہوئی طلاق دینے کی عادت پر روک لگانے کے لئے تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ مگر تین کو ایک ہی طلاق شمار کرنے کا جو حکمِ شریعت ہے نہ تو اس کا انکار کیا اور نہ اپنے حکم کو انھوں نے شرعی سمجھا اور نہ شریعت میں داخل کیا۔

☆☆☆

❶ مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۱۰۸ اباب غلاء الصداق /تفسیر ابن کثیر عربی ج ۱ ص ۴۶۹ /اعلام الموقعین عربی ج ۱ ص ۲۴۱۔ اس روایت کو محدث ابویعلی نے روایت کیا ہے اس کی سند میں مجالہ بن سعید راوی ہے جو ضعیف ہے حافظ ابن حجرؒ التقریب میں لکھتے ہیں کہ یہ ثقہ راوی نہیں ہیں آخری عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ یہ واقعہ متعدد طرق سے مروی ہے لیکن سب میں انقطاع ہے مزید برآں واقعہ میں مذکور آیت سے اس عورت کا استدلال محل نظر ہے کیونکہ یہ آیت خلع والی عورت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

❷ الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی ج ۱۷ ص ۳۴۵ کتاب السلام والاستیذان /ترمذی ج ۲ ص ۹۸ أبواب الاستیذان والآداب باب ماجاء فی الاستیذان ثلاث۔

۵۵۔ مسئلۂ طلاق

ایک وقت یا ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہیں یا ایک ہے؟

زمانۂ قدیم سے طلاق کا مسئلہ اختلاف کا باعث بنا ہوا ہے۔ اختلاف اس بات پر ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار کی جائیں یا تین طلاقیں صرف ایک ہی، جب کہ ایک ہی مجلس میں یا ایک ہی وقت میں دی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ سے جو صحیح حدیثیں اور واقعات مروی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی کے حکم میں ہیں اور یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ کے تاحینِ حیات رہا، سیدنا ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں بھی یہی طریقہ تھا اور اسی حکم پر فاروق اعظم کے دورِ خلافت میں شروع کے دو سال تک عمل ہوتا رہا۔ پھر سیدنا عمر فاروقؓ نے طلاق میں لوگوں کی بڑھتی ہوئی بے احتیاطی کے پیشِ نظر یہ حکم لگا دیا کہ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی مانی جائیں گی۔ بس وہیں سے برابر آج کے دن تک اختلاف چلا آ رہا ہے۔ لیکن اگر دونوں طرف کے علماء سر جوڑ کر بیٹھیں تو اس اختلاف کو بڑی آسانی سے قرآن مجید کی روشنی میں حل کیا جا سکتا ہے۔

وہ اس طرح کہ اختلاف کے وقت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹنے کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے [1] اب اس مسئلۂ طلاق میں ہم اللہ اور

[1] فرمایا: یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَطِیعُوا اللَّهَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (النساء:۴/۵۹)

رسول ﷺ کی طریقے کی طرف لوٹیں گے یا حضرت عمرؓ کی سنت کی طرف۔ جب تقابل ہوا اور آپ یہ کہیں کہ سنتِ محمدی کو چھوڑ کر سنتِ عمر کی طرف لوٹیں گے تو کفر ہے اور اگر یہ کہیں کہ ہم سنتِ محمدی کی طرف لوٹیں گے تو بس اختلاف ختم، اور تین کی ایک ہی طلاق مانی جائے گی۔ کیونکہ آپ ﷺ کے، ابوبکر اور عمر فاروقؓ کے شروع زمانۂ خلافت تک یہی قانون تھا۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف جلد اص ۴۷۷ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو روایت ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

تین طلاق صرف ایک کے حکم میں

عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر بن الخطاب أن الناس قد استعجلوا فى أمر كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم

(صحیح مسلم شریف کتاب الطلاق جلد اول ص ۴۷۷) ❶

ترجمہ: ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اور ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کے شروع دو سال تک تین طلاقیں ایک ہی مانی جاتی تھیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ لوگ اس کام میں جلدی کرنے لگے جس میں اللہ نے ان کے لئے مہلت رکھی تھی (یعنی لوگ تین تین طلاقیں دینے لگے، دوسری روایت ❷ میں ہے کہ پے در پے طلاق دینے لگے اور اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھایا جو ہر طہر میں ایک ایک طلاق دینے پر رجوع کی صورت میں رکھی تھی) پس ہم اگر جاری

---

❶ صحیح مسلم ج اص ۴۷۷ کتاب الطلاق باب طلاق الثلث

❷ اس روایت کے لئے دیکھئے ابوداؤد ص ۲۹۹ کتاب الطلاق باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث / نووی کی شرح صحیح مسلم ج اص ۴۷۷۔ الفاظ یہ ہیں فلما رأى الناس قد تتابعوا فيها قال أجيروهن عليهم فلما كان فى عهد عمر تتابع الناس فى الطلاق فاجأزه عليهم۔

کر دیں تین کی تینوں، تو انھوں نے تین طلاق پڑ جانے کا حکم جاری کر دیا۔

شریعت کے حکم کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے خلیفہ ہونے کی وجہ سے اپنی طرف سے یہ حکم جاری کر دیا کہ جس نے تین طلاقیں دے دیں تو تینوں پڑ جائیں گی۔ لوگوں کی طلاق کی عادت کم کرنے اور ان پر سختی کرنے کے لئے یہ حکم جاری کیا تھا۔

جو لوگ تین طلاقوں کو تین مانتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ شریعت کا حکم چھوڑ کر وہ آج بھی بڑی سخت مصیبت میں پڑے ہیں۔ طلاق دینے کے بعد جب پتہ چلتا ہے کہ غلط فیصلہ ہو گیا تو ان کے مولوی تو طلاق واقع ہونے کا فتویٰ دے دیتے ہیں اور ملاپ کے لئے ان کے یہاں صرف حلالہ جیسا انسانیت سوز راستہ رہ گیا ہے جسے شریف لوگ پسند نہیں کرتے، تو پھر اہل حدیث عالم کے پاس آ جاتے ہیں۔ وہ عالم ان کو یہی ابن عباسؓ والی حدیث دکھاتے ہیں جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانے میں تین طلاق ایک ہی مانی جاتی تھی۔ ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں بھی تین کو ایک ہی مانا جاتا تھا اور خود حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت کے دو سال اسی قانون کی پابندی میں گزرے، وہ لوگ جن کا گھر تباہ ہو رہا ہے اور اولاد کا مستقبل برباد ہو رہا ہے اور اس کے یہاں کے مولوی برابر ان حدیثوں کو بھی چھپا رہے ہیں اور اپنے مذہبِ حنفی کی اس تعلیم کو بھی چھپا رہے ہیں جو ہم نے مختصر جواب میں بیان کر دیا ہے۔ ایسے وقت میں اس خانہ برباد شخص کو یہ حدیث گویا نئی زندگی دے دیتی ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ اہل حدیث عالم کے پاس ایسے مضطرب اور پریشان حال لوگ آتے ہیں اور حدیثِ نبوی پا کر گھر آباد کر لیتے ہیں، حدیثِ مبارک پر عمل کرنے سے لوگ آباد ہوتے ہیں برباد نہیں ہوتے۔ خود میرے پاس دہلی، جوناگڈھ، اور بنگلور میں کئی حضرات آئے اور اسی حدیث شریف سے ان کے گھر آباد ہو گئے۔ تین طلاقوں کو جو

ایک ہی مجلس میں دی گئی ہوں، ایک ہی ماننے کے لئے یہ حدیثِ ابن عباس اصل عظیم ہے اور ہمارے بے خبر معترض نے اسی کو ہٹ دھرمی کہا ہے۔

تراویح بیس رکعت کی روایت ابن عباسؓ کے نام سے مل گئی اگرچہ وہ منکر ہی سہی تب بھی اسے گلے لگا لیا اور ابن عباسؓ سے اتنا خوش ہوئے کہ بچہ ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے زمانے کا مفتی بنا ڈالا، وہ بھی منکر و موضوع روایت پر۔ اور گرایا تو اتنا گرایا کہ ہٹ دھرمی اور جہالت کا راہ رو بنا دیا اور وہ بھی صحیح حدیث پر۔ معترض کی تحریر گواہ ہے کہ انھوں نے تین طلاقوں کو ایک ماننے والوں کو یہ الفاظ والقاب دیئے ہیں تو ابن عباسؓ کیسے ہیں جنھوں نے یہ حدیث روایت کی ہے؟

حضرت عمرؓ بھی کیا ہٹ دھرم اور جہالت پر چلنے والے تھے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے لے کر اپنی خلافت کے دو سال تک اسی قانون پر چلتے رہے یا مانتے رہے؟

اور کیا ابوبکر صدیقؓ بھی ہٹ دھرم اور جہالت پر چلنے والے تھے؟ کیونکہ ان کی زندگی میں ایک دن بھی ایسا نہیں آیا جب انھوں نے ایک وقت کی تین طلاقوں کو تین مانا، بلکہ ساری زندگی وہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو نہ صرف ایک ہی مانتے رہے بلکہ اپنے ڈھائی سالہ دورِ خلافت میں اسی قانون کو نافذ کرتے رہے۔

اور کیا (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ کی جناب میں بھی آپ کے وہی بے ادب گستاخ الفاظ نہیں پہنچتے جو آپ نے حدیث پر عمل کرنے والوں کے لئے استعمال کئے ہیں؟ اطاعتِ رسول کا ڈھنڈورا پیٹنا الگ ہے۔ اور بے چون وچرا آپ ﷺ کی اطاعت کرنا بالکل الگ بات ہے۔ آپ نے جو اطاعتِ رسول کا بیان لکھا ہے قسم خدا کی آپ بغیر اہلِ حدیث بنے اس پر خود بھی چل نہیں سکتے۔ تقلید اور آج کل کے آپ کے دین کی موجودگی میں آپ اس اطاعتِ رسول پر چل ہی نہیں سکتے جو خود آپ نے اپنے ہاتھ سے قلم بند کی ہے۔ اگر انکار ہے تو جہاں چاہو میدانِ مناظرہ قائم

کر سکتے ہو یا مباہلہ کرنا ہو تو اس کے لئے بھی ہم اہلِ حدیث تیار ہیں۔ اور یہ ثبوت دینے کو تیار ہیں کہ آپ نے صحیح حدیثوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صرف بے دلیل روش کو اپنایا ہے اور بہت سی جگہوں پر آپ نے صحیح حدیثوں کے مقابلے میں، ہمارے بھی اور خود اپنے مذہب کے خلاف ضعیف اور منکر روایتوں تک کو ترجیح دی۔ آپ میں سے جو انصاف پسند اور سنجیدہ لوگ ہیں ان سے قطع نظر آپ جیسے جماعتِ اہلِ حدیث پر ناحق جھوٹے الزام لگانے والے معترضین کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ کتنے پانی میں ہیں۔ خیر پر آپ اعتراض کرنے والے، شر کو کتنی ترجیح دیتے ہیں یہی حدیث ابن عباس کو دیکھ لیجئے کہ جو اس کے مطابق چلیں ان پر وہ لے دے کہ جیسے وہ حدیث پر عمل نہیں، بلکہ کوئی جرم کر رہے ہیں۔

مختصر جواب میں ہم حوالے کے ساتھ ثابت کر آئے ہیں کہ بعض فقہاء کے نزدیک بھی تین طلاقیں صرف ایک ہی طلاق ہے۔ ان فقہاء کے بارے میں بھی آپ کا وہی خیال ہے جو ہمارے متعلق ہے، جہالت کا، ہٹ دھرمی کا۔ ذرا بولئے کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

حضرت رکانہؓ کا واقعہ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

طلق ركانة بن يزيد أخو بني مطلب امرأته ثلاثا في مجلس واحد فحزن عليها حزنا شديدا قال فسأله رسول الله ﷺ كيف طلقتها قال طلقتها ثلاثا قال فقال في مجلس واحد قال نعم قال فإنما تلك واحدة فارجعها إن شئت قال فرجعها فكان ابن عباس يرى إنما الطلاق عند كل طهر۔ (مسند احمد جلد اول ص ۲۶۵) ❶

---

❶ مسند احمد ج ا ص ۲۶۵ / الفتح الربانی ج ۷ ا ص ۲ باب ماجاء في طلاق الثلاث مجتمعا ومتفرقا

ترجمہ:۔ ”رکانہ بن یزید بنی مطلب کے بھائی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دے دیں، پھر ان کو بڑا شدید رنج ہوا طلاق دینے پر۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے طلاق کس طرح دی ہے، انھوں نے عرض کیا کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا کیا ایک ہی مجلس میں دی ہیں؟ انھوں نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا یہ تو صرف ایک ہی طلاق ہے۔ اگر تم چاہو تو اس سے رجوع کرلو، چنانچہ انھوں نے اس سے رجوع کرلیا۔ اسی لئے ابن عباسؓ طلاق (اس کے وقت پر) ہر طہر میں مانتے تھے“۔

یعنی ایک ساتھ تین طلاقیں دینا ابن عباسؓ صحیح نہیں مانتے تھے۔ اور اگر کوئی تین طلاق ایک ساتھ دینے کے لئے پوچھتا تو فتویٰ دیتے تھے کہ وہ ایک ہی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ

قال أبوداؤد روىٰ حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس إذا قال أنت طالق ثلاثا بفم واحد فهي واحدة

(سنن ابوداؤد جلد نمبر ا ص ۳۰٦ کتاب الطلاق) ❶

ترجمہ:۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حماد بن زید نے ایوب سے روایت کیا، انھوں نے عکرمہ سے اور عکرمہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی سے ایک ہی وقت میں کہے کہ ”تجھے تین طلاقیں دیتا ہوں“ تو وہ ایک ہی ہے۔

امام ابن قیمؒ حضرت ابن عباسؓ کے اس فتوے کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

وحسبك بهذا السند صحة وجلالة

(اغاثۃ اللہفان جلد ا ص ۲۸٦ مطبوعہ مصر)

❶ ابوداؤد ج ا ص ۲۹۹ کتاب الطلاق باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث

''یہ سند صحت اور جلالت شان کے اعتبار سے تمہارے لئے کافی ہے''۔ ❶

ابوداؤد شریف عربی جلد اول کے اسی صفحہ کے آخر میں ہے کہ ابوالصہباء نے ابن عباسؓ سے کہا۔ ''کیا آپ کو معلوم ہے کہ تین طلاقیں رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں اور حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں تین سال تک ایک ہی مانی جاتی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں۔ ❷

یہ ساری چیزیں یعنی صحیح مسلم شریف کی حدیث اور مسند احمد کی سب سے زیادہ واضح سند و متن کے ساتھ رکانہؓ کا واقعہ اور دونوں فتوے حضرت ابن عباسؓ سے روایت شدہ ہیں۔ لوگوں کو دھوکہ دینا اور ان کے فتویٰ چلنے کی دھونس جمانا ہی ان معترضین کو آتا ہے کیا؟ جب ان کے صحیح فتوے اور حدیثیں سامنے آتی ہیں تو یہ اعتراض کرنے والے ایسے بھاگتے ہیں کہ ان کا سایہ تک نظر نہیں آتا۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت عمرؓ کے بارے میں جو آتا ہے کہ انھوں نے تین طلاق کو تین ہی جاری کر دیا، اس جملے کو معترض نے گلے سے لگالیا اور اسی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ اور خود حضرت عمر کے زمانے میں جو تین

---

❶ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد حضرت طاؤس اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر پورے وثوق کے ساتھ کہتے تھے

واللہ ماكان ابن عباس يجعلها إلا واحدة

(عون المعبود شرح ابوداؤد ج ۳ ص ۱۱۹۵/ اغاثۃ اللھفان من مصائد الشیطان لابن قیم الجوزیہ ص ۳۲۳)

''اللہ کی قسم میرے استاد ابن عباس ایک ساتھ دی گئی تین طلاقوں کو ایک ہی گنا کرتے تھے''۔

حضرت ابن عباسؓ سے حضرت ابن ابی الجوزاء نے پوچھا أتعلم ثلاثا كن يرددن إلى واحدة قال نعم''۔

کیا آپ کو علم ہے کہ ایک ساتھ دی گئی تین طلاقیں حضرت ﷺ کے زمانے میں ایک کی طرف لوٹا دی جاتی تھیں تو آپ نے فرمایا ہاں مجھے معلوم ہے۔ ملاحظہ ہو مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۹۶ کتاب الطلاق

❷ إن أبا الصهباء قال لابن عباس أتعلم إنما كانت الثلاث تجعل واحدة على عهد النبي ﷺ وأبي بكر وثلاثا من إمارة عمر قال ابن عباس نعم۔

(ابوداؤد ج ۱ ص ۳۰۰ کتاب الطلاق۔ باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث / مسلم ج ۱ ص ۴۷۸ باب طلاق الثلاث)

طلاقوں کو ایک ہی مانا جاتا تھا، اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، حالانکہ ایمان والے کے لئے قیمتی سرمایہ وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے جاری فرمایا، اس کے خلاف قولِ عمر شرعی حیثیت سے کچھ بھی نہیں۔ وہ ایک سیاسی حکم تھا جس کی حیثیت حضرت عمرؓ کی نظر میں بھی کچھ نہیں تھی۔

حضرت عمرؓ کی اپنے فیصلے پر ندامت

امام ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ حافظ ابوبکر اسماعیل نے مسند عمر میں کہا (سند بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں) قال عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه ما ندمت علی شئ ندامتی علی ثلاث أن لا أکون حرمت الطلاق الخ

(دیکھو اغاثۃ اللہفان جلد اول ص ۳۳۶ مطبوعہ دار الجیل مصر)

''عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اتنا نادم کبھی نہیں ہوا جتنی ندامت مجھے تین باتوں پر ہوئی۔ پہلی یہ کہ طلاق حرام نہ کرتا تو اچھا تھا۔ (اس کے بعد دو چیزیں اور بیان کیں) لیجئے حضرت عمرؓ آخر میں اپنے حکم پر نادم ہو گئے اور آپ اسی حکم کی رٹ لگا رہے ہیں۔

صاف دھوکہ

معترض نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی طلاق کو ایک وقت کی تین طلاق بنا کر پیش کیا ہے، کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ طلقها ثلاثا (صحیح مسلم جلد اول ص ۴۸۴) ان کے خاوند ابوعمرو بن حفص نے تین طلاقیں دے دیں''۔ ایک ساتھ تین طلاقیں دو تب بھی تین کہلاتی ہیں اور ہر طہر میں الگ الگ دو تب بھی تین کہلائیں گی۔ اب سوال یہ ہے کہ ابوعمرو بن حفص نے فاطمہ بنت قیس کو کس طرح طلاق دی؟ بس اسی تفصیل کو معترض نے گول کر دیا، استغفر اللہ! ایسی چوری! اسے تو دن دہاڑے ڈاکہ کہئے، وہ بھی

دنیا کے مال منال میں نہیں، بلکہ حدیث شریف میں چوری۔

اسی صحیح مسلم شریف میں یہ فاطمہ بنت قیسؓ والی حدیث کئی سندوں سے آئی ہے۔ جلد اول ص ۴۸۳ پر باب کی پہلی ہی حدیث میں تینوں طلاق کی نوعیت یہ بتاتی ہے۔ طلقها البتة ❶ ابوعمرو بن حفص نے ان کو طلاق بتہ دی۔ اب معلوم کیجئے کہ طلاق بتہ کسے کہتے ہیں۔ طلاق بتہ طلاق سنہ کو کہتے ہیں جو ہر طہر (ہر ماہ) میں ایک ایک دی جاتی ہے۔ بلکہ اسی باب کی چھٹی حدیث جو امام مسلمؒ لائے ہیں اس میں تو یہ بھی صراحت ہے فطلقها آخر ثلاث تطليقات ❷ ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ نے تین میں سے آخری طلاق دی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے دو طہر میں یکے بعد دیگرے دو طلاقیں مل چکی تھیں۔ اب یہ آخری طلاق تھی ❸۔ ورنہ ایک ہی منھ کی تین طلاقوں میں آخری اور پہلی کا سوال ہی کہاں رہتا ہے۔

ایک اور یہ روایت پیش کی جاتی ہے کہ ایک شخص نے سو طلاقیں دیں تو حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ تین سے تیری بیوی جدا ہوگئی اور ستانوے طلاق سے تو نے اللہ کی آیات کا مذاق اڑایا۔ ❹ معترض نے اس حدیث کو تین طلاق ایک مجلس میں دینے اور تینوں کے پڑ جانے پر استدلال کیا ہے۔ میرے بھائی اسی کو کہتے ہیں

---

❶ صحیح مسلم ج۱کتاب الطلاق باب المطلقة البائن لا نفقة لها

❷ حوالہ سابق

❸ امام نوویؒ صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں: فی روایة أنه طلقها ثلاثا وفی روایة أنه طلقها البتة وفی روایة طلقها آخر ثلاث تطليقات وفی روایة طلقها طلقة كانت بقيت من طلاقها وفی روایة طلقها ولم يذكر عددا ولا غيره فالجمع بين هذه الروايات أنه كان طلقها قبل هذا طلقتين ثم طلقها هذه المرة الطلقة الثالثة، فمن روى أنه طلقها مطلقا أو طلقها واحدة أو طلقها آخر ثلاث تطليقات فهو ظاهر ومن روى البتة فمراده طلقها طلاقا صارت به مبتوتة بالثلاث ومن روى ثلاثا أراد تمام الثلاث. (مسلم مع النووی ج۱ص۴۸۳)

❹ مالك أنه بلغه أن رجلا قال لابن عباس إني طلقت امرأتي مائة تطليقة فماذا ترى علي فقال له ابن عباس طلقت منك بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها آيات الله هزوا (موطا ص ۱۹۹ کتاب الطلاق، ما جاء في البتة)

''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' اس حدیث سے مطلب حاصل نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس میں طلاق دینے کی کیفیت مبہم ہے۔ اس نے طلاق الگ الگ دی ہیں یا ایک ساتھ، سو گن کردی ہیں یا کثرتِ طلاق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سو طلاق دی ہیں یا سو کا مسئلہ پوچھا ہے۔ ویسے بھی یہ حدیث صحت کے اعلیٰ معیار پر نہیں ہے۔ جب کہ خود ابن عباسؓ نہایت اعلیٰ سند کے ساتھ روایت کر رہے ہیں کہ صدرِ اول میں تین طلاقیں صرف ایک ہی مانی جاتی تھیں۔ اور صحیح سند کے ساتھ ان کا فتویٰ بھی موجود ہے۔ اور ایک واقعہ بھی انھوں نے روایت کیا ہے۔ مگر ان تینوں چیزوں سے آپ کو کیوں دلچسپی ہونے لگی۔ یہ چیزیں آپ کے مزاج اور آپ کے رواج کے خلاف ہیں۔ ❶

چوری اور سینہ زوری کی بہترین مثال ہمارے فاضل معترض نے یہ دی کہ ''حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعت جماعت سے پڑھنے کا حکم دیا اس کو اہلِ حدیثوں نے دل و جان سے قبول کرلیا اور سنتِ موکدہ قرار دیا اور صحیح مسلم شریف میں اور سنن ابوداؤد شریف میں جو عبداللہ بن عباسؓ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین سمجھا اس کو کیوں نہیں مانتے؟ یہ نفسانیت اور ضد نہیں تو اور کیا ہے''۔

جیتے رہو میرے معترض! ہم آپ کی زبان سے یہی تو سننا چاہتے تھے کہ

❶ امام ابوحنیفہؒ کے استاذ اور شاگرد بھی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق مانتے ہیں۔ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

فذهب طاووس ومحمد بن إسحاق والحجاج بن أرطاة والنخعي وابن مقاتل والظاهرية إلىٰ أن الرجل إذا طلق امرأته ثلاثا معا فقد وقعت عليها واحدة۔

یعنی طاؤس۔ محمد بن اسحاق، حجاج بن ارطاۃ نخعی، ابن مقاتل اور اہلِ ظاہر ان سب کا مذہب یہ ہے کہ جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دیں تو اس پر ایک طلاق واقع ہوگی۔ ان حضرات میں سے طاؤس و نخعی امام صاحب کے استاذ ہیں۔ ابن مقاتل حنفی مذہب کے رکن اعظم ہیں اور امام صاحب کے شاگرد امام محمد ہیں۔

حاشیہ نسائی میں ہے: واختلفوا فيمن قال لامرأته أنت طالق ثلاثا فقال مالك والشافعي وأبو حنيفه وأحمد والجمهور من السلف والخلف يقع ثلاثا وقال طاؤس وبعض أهل الظاهر لايقع إلا واحدة۔ (حاشیہ نسائی ج۲ص۸۲)

حضرت عمرؓ نے کتنی رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا۔ وہ اب آپ نے گیارہ رکعت کی تعداد ظاہر کردی۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بالکل سچ ہے وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ❶ اللہ اس چیز کو نکال کر بتادے گا جو تم چھپاتے ہو۔ لیکن یہ بات ذرا ہیر پھیر اور گھما پھرا کر بیان کی کہ حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعت کا حکم دیا۔ لیکن اس بات میں عادت کے مطابق پھر ٹھوکر کھا گئے کہ ہم نے یہ گیارہ رکعت حضرت عمرؓ کے حکم سے دل و جان سے قبول کرلیں۔ نہیں بلکہ ہم نے یہ گیارہ رکعت وہاں سے قبول کی ہیں جہاں سے خود حضرت عمرؓ نے دل و جان سے یہ گیارہ رکعت قبول کی ہیں۔ آئندہ ایڈیشن میں آپ اپنی کتاب میں دوسری غلطیوں کے ساتھ ساتھ اس غلطی کی بھی اصلاح کرادینا، کیونکہ ہم نے اور عمرؓ نے بھی سرکار عالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہی سے پایا ہے گیارہ رکعت تراویح کو، اور اسے دل و جان سے قبول کرلیا۔ اسی طرح تین طلاق کو ایک ماننے کا سبق ہم نے رسول اللہ ﷺ سے لیا۔ وہیں سے تمام صحابہ نے لیا، کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے خلاف کسی ایک صحابی سے بھی یہ روایت نہیں آتی کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تین کو تین ہی مانتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بھی زندگی بھر اسی حکمِ نبوی کو مانا، صرف سات برس کے لئے وہ حکم لگا دیا تھا تاکہ لوگ سدھریں اور جلدی جلدی طلاق نہ دیں۔ لیکن آخر میں انھوں نے ندامت ظاہر کرکے توبہ کرلی۔ آپ بھی کرلیجئے۔

دوسرا یہ کہ آپ نے الزام لگایا ہے کہ حضرت عمرؓ کی ایک بات اہلِ حدیث نے مان لی تراویح گیارہ رکعت کی، اور دوسری بات تین طلاق کو تین ہی سمجھنے کی نہیں مانی، آپ نے ہمارے بیان سے سمجھ لیا ہوگا کہ ہم نے حضرت عمرؓ سے نہ یہ بات لی ہے اور نہ وہ بات۔ ہم نے تو دونوں باتیں اپنے پیارے نبی ﷺ سے لی ہیں، آپ کی حدیث مبارک سے لی ہیں، اب ہم جب کہ آپ کے جھوٹے الزام کے مستحق نہیں

❶ البقرۃ:۲:۲-۷

ہیں تو ذرا بتایئے وہ الزام کس کے سر جا کر پڑے گا؟ ذرا اس حدیث کو یاد کیجئے کہ جب کوئی خراب بات دوسرے کے لئے کہتا ہے تو اگر وہ دوسرا اس کا مستحق نہ ہو تو وہ خراب بات خود کہنے والے کے سر جا پڑتی ہے ❶۔ اب آپ کا الزام آپ ہی کے اوپر لوٹ رہا ہے۔ ذرا سنبھالئے۔

حضرت عمرؓ حج متعہ جس کو حج تمتع بھی کہتے ہیں اس کے قائل نہیں، وہ کہتے تھے کہ اسلام میں حج قران ہی ہے۔❷ یعنی مکہ مکرمہ جا کر عمرہ کر کے احرام کھول دیا جاتا ہے پھر آٹھ تاریخ کو حجاج کرام حج کے لئے احرام باندھ لیتے ہیں۔ اسے حج تمتع کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ اس حج کے قائل نہیں بلکہ وہ کہتے تھے کہ اسی احرام سے عمرہ کرو اور اسے اتارو نہیں، حج تک اسی کو باندھے رہو۔ سبحان اللہ! آپ حضرات حج کے لئے جاتے ہیں بڑے مزے سے حج تمتع کر کے چلے آتے ہیں۔ کیوں جناب حضرت! تین کو تین طلاق سمجھنے کی بات آپ نے حضرت عمرؓ کی لے لی اور حج تمتع کی بات چھوڑ دی، وہ حضرت عمرؓ سے کیوں نہیں لی، اب آپ کا نفسانیت اور ضد کا طعنہ آپ کی طرف واپس گیا یا نہیں؟

اسی طرح یہ طعنہ دینا کہ جماعت سے رسول اللہ ﷺ نے تین دن سے زیادہ تراویح کی نماز نہیں پڑھی۔ حضرت عمرؓ نے پورے مہینے جماعت سے تراویح پڑھنے کا حکم

---

❶ صحیح بخاری میں ہے۔ عن أبی ذر أنه سمع النبی ﷺ یقول لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیه بالکفر إلا ارتدت علیه إن لم یکن صاحبه کذلك

(بخاری ج۲ص۸۹۳ کتاب الادب باب ما ینهی عن السباب واللعن)

ابوداؤد میں ہے: آپ ﷺ فرماتے ہیں.

إن العبد إذا لعن شیئا صعدت اللعنة إلی السماء فتغلق أبواب السماء دونها ثم تهبط إلی الارض فتغلق أبوابها دونها ثم تاخذ یمینا وشمالا فإذا لم تجد مساغاً رجعت إلی الذی لعن فإن کان لذلك أهلا وإلا رجعت إلی قائلها (ابوداؤد ص۶۷۲ کتاب الآداب باب فی اللعن)

❷ ملاحظہ ہو ترمذی ج۱ص۱۲۹ أبواب الحج باب ماجاء فی التمتع۔

دیا۔ آپ حضرت عمرؓ کا قول جماعت کے لئے لیتے ہو تو سنت اور ہم کسی قول پر عمل کریں تو بدعت''۔ اس طرح کا طعنہ بھی معترض نے جماعتِ اہلِ حدیث کو دیا ہے۔

جماعت سے تراویح پڑھنے کی احادیثِ مبارکہ

یہ تکلیف بھی ہم نہیں کر رہے بلکہ اس کا ثبوت زندگی بھر ابن تیمیہ حنبلیؒ کا مقابلہ کرنے والے امام سبکیؒ نے حدیثوں سے جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ السبکی جلد اول مطبوعہ المکتبہ القدسی قاہرہ میں ص ۱۶۷۔۱۶۹ تک یہ احادیث بیان کی ہیں جس کا مختصر ترجمہ ملاحظہ فرمایئے

پہلی حدیث:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو ایمان اور اجر کی امید کرتے ہوئے رمضان شریف میں قیام کرے اس کے اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں (حوالہ صحیح بخاری و مسلم کا دیا ہے) ❶

دوسری حدیث:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لائے ہیں جس میں بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین دن تراویح جماعت سے پڑھائی یہاں تک کہ لوگ مسجد میں سما نہ سکے (حوالہ سنن ابوداؤد اور صحیح مسلم کا ہے) ❷

---

❶ عن أبی هريرة أن رسول الله ﷺ قال من قام رمضان إيمانا واحتسابا غفرله ماتقدم من ذنبه (بخاری ج ۱ ص ۲۶۹ کتاب الصيام باب فضل من قام رمضان / مسلم ج ۱ ص ۲۵۹ باب الترغيب فی قيام رمضان وهو التراويح ۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۶۷ باب الترغيب فی قيام شهر رمضان وماجاء فيه من الفضل ۔ السنن الكبرى للبيهقی ج ۲ ص ۴۹۲ باب قيام شهر رمضان

❷ أن رسول الله ﷺ خرج من جوف الليل فصلى فی المسجد فصلى رجال بصلوٰته فأصبح الناس يتحدثون بذلك فاجتمع أكثر منهم فخرج رسول الله ﷺ فی الليلة الثانية فصلوا صلوٰته فأصبح الناس يذكرون ذلك فكثر أهل المسجد من الليلة الثالثة فخرج فصلوا بصلوٰته فلما كانت الليلة الرابعة عجز المسجد عن أهله فلم يخرج إليه رسول الله ۔
(مسلم ج ۱ ص ۲۵۹ باب الترغيب فی قيام رمضان وهو التراويح / ابوداؤد ج ۱ ص ۹۵ كتاب الصلوٰة باب فی قيام شهر رمضان۔

تیسری حدیث:۔ حضرت ابوذرؓ سے لائے ہیں جس میں بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان شریف کے آخری عشرہ میں تین دن تراویح پڑھائی (حوالہ سنن ابوداؤد اور سنن ترمذی کا ہے)❶

چوتھی حدیث:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد کی طرف نکلے دیکھا کہ لوگ جمع ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں، پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ قرآن نہیں جانتے اور ابی بن کعب ان لوگوں کو رمضان شریف میں نماز پڑھا رہے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا اچھی اور درست بات کو پہنچے اور اچھا کام کر رہے ہیں۔ (حوالہ ہے سنن ابوداؤد کا، کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے اس حدیث کی توثیق کی ہے اگرچہ دوسرے محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے)❷

پانچویں حدیث:۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے، وہ کہتی ہیں کہ لوگ رمضان شریف میں رات کو الگ الگ نماز پڑھتے تھے، اگر کسی کو قرآن یاد ہے تو اس کے ساتھ

---

❶ عن أبي ذر قال صمنا مع رسول اللهﷺ رمضان فلم يقم بنا شيئا من الشهر حتى بقي سبع مقام بنا حتى ذهب ثلث الليل فلما كانت السادسة لم يقم بنا فلما كانت الخامسة قام بنا حتى ذهب شطر الليل فقلت يا رسول الله لو نفلتنا قيام هذه الليلة قال فقال إن الرجل إذا صلى مع الإمام حتى ينصرف حسب له قيام ليلة قال فلما كانت الرابعة لم يقم بنا فلما كانت الثالثة جمع أهله ونساء ه والناس فقام بنا حتى خشينا أن يفوتنا الفلاح قال قلت ما الفلاح قال السحور ثم لم يقم بنا بقية الشهر

(ابوداؤد ج۱ص۱۹۵ كتاب الصلوة باب في قيام شهر رمضان / ترمذی ج۱ص۱۲۶ كتاب الصوم باب ماجاء في قيام شهر رمضان / شرح معانی الآثار ج۲ص۲۴۶ باب القيام في شهر رمضان هل هو في المنازل أفضل أم مع الإمام۔

❷ عن أبي هريرة قال خرج رسول اللهﷺ فإذا أناس في رمضان يصلون في ناحية المسجد فقال ما هؤلاء فقيل هولاء ناس ليس معهم قرآن وأبي بن كعب يصلي وهم يصلون بصلاته فقال النبيﷺ أصابوا ونعم ماصنعوا

(السنن الكبرى للبيهقي ج۲ص۴۹۵/ ابوداؤد ج۱ص۱۹۵ كتاب الصلوة باب في قيام شهر رمضان. ابوداؤد نے خود اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند میں مسلم بن خالد ضعیف ہیں)

پانچ آدمی یا سات آدمی، اس سے کم یا اس سے زیادہ ہوتے تھے اور اس کی نماز کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک چٹائی اپنے حجرے کے دروازے پر لگانے کا حکم دیا، میں نے ایسا ہی کیا، رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز کے بعد نکلے اور ان کو نماز پڑھائی، انھوں نے پھر پورا قصہ بیان کیا (مسند احمد) ❶

چھٹی حدیث:۔ حضرت عبدالرحمٰن قاری کہتے ہیں کہ میں عمر بن خطابؓ کے ساتھ رات کو رمضان شریف میں مسجد کی طرف نکلا تو لوگ متفرق طور پر نماز پڑھ رہے تھے، اور کسی آدمی کے ساتھ ایک گروہ بھی تھا جو اس کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھ رہا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر میں ان کو ایک ہی پڑھنے والے کے پیچھے جمع کر دوں تو بہتر رہے گا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کے ساتھ جمع کر دیا۔ ❷

ان روایات کو جمع کرنے کے بعد علامہ سبکیؒ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے تین دن تراویح پڑھانے سے پہلے ہی قیامِ رمضان جماعت سے ادا کیا جاتا تھا اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے تک وہ نماز جماعت سے ادا کی جاتی تھی، جسے رسول اللہ ﷺ نے پسند بھی فرمایا اور تعریف بھی کی۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جماعت شروع کرائی ہے ان کا کہنا بالکل غلط ہے، البتہ یہ صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک ہی حافظ کے پیچھے سب کو جمع کر دیا۔ چونکہ آپ خلیفہ اور حاکم تھے اور آپ کا ایک حافظ پر اہلِ مسجد کو جمع کر دینا شریعت کے کسی حکم کے خلاف نہیں ہے۔ اس لئے اس کی اطاعت عین اطاعت رسول ﷺ ہے۔ البتہ شرعی حکم کے خلاف کام میں خلیفہ و امیر کی اطاعت نہیں اور جو خلیفہ و امیر کی اطاعت کے لئے فرمان ہے وہ کسی کی تقلید زندگی بھر کرنے کے لئے نہیں ہے۔

---

❶ ابوداؤد ج۱ص۱۹۵کتاب الصلوة باب فی قیام شهر رمضان / الفتح الربانی لترتیب مسند الإمام احمد بن حنبل الشیبانی ج٥ ص٦ أبواب صلوة التراویح

❷ موطا امام مالک ص۴۰ ماجاء فی قیام رمضان

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی وضاحت

عن أبي يوسف قال سألت أبا حنيفة عن التراويح وما فعله عمر رضي الله عنه فقال التراويح سنة موكدة ولم يخرجه عمر من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعا ولم يامر به إلا عن أصل لديه وعهد من لدن رسول الله ﷺ ولقد سن عمر هذا وجمع الناس على أبي بن كعب وصلاها جماعة متواترون منهم عثمان وعلي وابن مسعود وطلحة والعباس وابنه والزبير ومعاذ وأبي وغيرهم من المهاجرين والأنصار رضي الله عنهم أجمعين

(فتاویٰ سبکی جلد اول ص۱۶۶ بحوالہ شرح المختار)

حضرت امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ میں نے (اپنے استاذ) امام ابو حنیفہؒ سے تراویح کے متعلق اور جو حضرت عمرؓ نے کیا سوال کیا، تو انھوں نے جواب دیا کہ تراویح سنتِ موکدہ ہے اور عمرؓ نے اپنی طرف سے بالکل نہیں نکالا اور جو انھوں نے حکم دیا وہ اسی اصل دلیل اور اسی عہد سے دی ہے جو ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تھی۔ حضرت عمرؓ نے اسی طریقۂ نبوی کو جاری کیا اور ابی بن کعب پر لوگوں کو جمع کر دیا۔ اور اس تراویح کو جماعت کے ساتھ برابر متواتر طریقے پر صحابہ کرام نے پڑھا ہے، ان میں سے حضرت عثمان، حضرت علی، ابن مسعود، طلحہ، عباس اور ان کے بیٹے (عبداللہ بن عباسؓ) زبیر، معاذ اور ابی بن کعب وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین مہاجرین وانصار میں سے ہیں''۔

حضرت امام اعظمؒ نے احسن طریقے پر ثابت کیا ہے کہ تراویح سنتِ موکدہ ہے اور سنت صرف گیارہ رکعت مع وتر ہیں کیونکہ بیس رکعت سنت موکدہ نہیں۔ بلکہ تمام محققین فقہاء اور خود صاحبِ ہدایہ نے مستحب لکھا ہے۔ پھر انھوں نے ثابت کیا کہ

حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں نکالی بلکہ جو کچھ کیا رسول اللہ ﷺ سے پایا۔ اس میں گیارہ رکعت اور با جماعت تراویح شامل ہیں۔ مگر معترض نے ہر جگہ نفسانیت اور جہالت اور ضد کے طعنے دیئے ہیں اور مصافحہ ایک ہاتھ سے کرنے کو یہود ونصاریٰ کا فعل بتادیا۔ لیجئے آپ مصافحہ کی بحث ملاحظہ فرمایئے۔ فاروق اعظمؓ سے تراویح کا ثبوت ہم ان شاءاللہ بعد میں کریں گے۔

☆☆☆

ایک ہاتھ سے مصافحہ کا بیان

معترض نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کو یہود ونصاریٰ کی مشابہت بتائی ہے اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کو غلط بتایا ہے اور لکھا ہے کہ ہم نے پوری صحاح ستہ دیکھی ہے لیکن ایک ہاتھ سے مصافحہ کا نہ کسی نے باب باندھا اور نہ کوئی حدیث ملی۔

ناظرین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ جب ایک آدمی اہل حدیث حضرات کی بے جا مخالفت پر اتر آئے تو وہ جب تک جھوٹ نہ بولے اور کھوٹی باتیں نہ کرے تب تک اہل حدیث صاحبان پر الزام نہیں لگا سکتا۔ مگر مخالفت میں یہ بھول جاتا ہے کہ اللہ کے فضل سے اس کا بھانڈا پھوڑنے والے بھی موجود ہیں۔ چنانچہ آپ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیے۔

یا حیّ یا قیوم برحمتك استغیث

اے حیّ وقیوم مالک! تیری ہی رحمت کا آسرا لیتا ہوں

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی پہلی حدیث

عن عبد الله بن عباس أن علی بن أبی طالب خرج من عند النبی ﷺ فی وجعه الذی توفی فیه فقال الناس یاأباحسن کیف أصبح رسول ﷺ فقال أصبح بحمد الله بارئا فاخذ بیده العباس۔

الحدیث ❶ (صحیح بخاری شریف جلد دوم۔کتاب الاستیذان باب المعانقة پارہ۲۶ ص۹۲۷)

❶ آگے حدیث کے الفاظ ہیں:فقال ألاتراه أنت والله بعد ثلث عبد العصا والله إنی لأری رسول الله ﷺ سیتوفی فی وجعه فإنی لأعرف فی وجوه بنی عبدالمطلب الموت فاذهب بنا الی رسول الله ﷺ فنسئله فیمن یکون الأمر فإن کان فینا علمنا ذلك، وإن کان فی غیرنا أمرناه فأوصی بنا قال علی والله لئن سألناها رسول الله ﷺ فیمنعناها لا یعطیناها الناس أبدا لا أسألها رسول الله ﷺ أبدا۔ (بخاری ج۲ باب المعانقة وقول الرجل کیف اصبحت)

ترجمہ:۔ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ علی بن ابی طالبؓ نبی کریم ﷺ کے پاس اس بیماری میں آئے جس میں رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو لوگوں نے کہا، اے ابوحسن (حضرت علیؓ کی کنیت ہے) رسول اللہ ﷺ نے صبح کس حال میں کی ہے۔انھوں نے کہا الحمدللہ! آپ نے صبح اچھے حال میں کی ہے۔پس حضرت عباسؓ نے ان کا ہاتھ تھام لیا(آخر تک)''

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ''فتح الباری'' شرح صحیح البخاری میں لکھتے ہیں۔قال المهلب في أخذ العباس بيد علي علىٰ جواز المصافحة۔مہلبؒ کہتے ہیں کہ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا،اس میں مصافحہ کا جواز ہے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی دوسری حدیث

قال عبدالله بن هشام كنا مع النبي ﷺ وهو آخذ بيد عمر بن الخطاب فقال له عمر يا رسول الله ﷺ لأنت أحب إليّ من كل شئ إلا نفسي فقال النبي ﷺ لا، والذي نفسي بيده حتى أكون أحب إليك من نفسك فقال له عمر فإنه الان والله لأنت أحب إليّ من نفسي فقال النبي ﷺ الآن يا عمر۔

(صحیح بخاری شریف کتاب الایمان والنذور پارہ ۲۷ص ۹۸۱،مسند احمد جلد ۵ص ۲۹۳،جلد ۴ص ۲۳۳)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن ہشامؓ کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے آپ ﷺ عمر بن خطابؓ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ میری جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ مجھے محبوب ہیں۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا:نہیں،اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب تک کہ میں تمہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ پسند نہ ہو جاؤں،تو حضرت عمرؓ نے کہا اب اللہ کی قسم آپ میری جان سے بھی زیادہ مجھے محبوب ہیں۔تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے عمر! اب ٹھیک ہے''

اس حدیث سے بھی اور اس سے پہلی والی حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ سے ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرتے تھے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی تیسری حدیث

حضرت ابوسعید بن معلیٰؓ کہتے ہیں۔

کنت أصلی فی المسجد فدعانی رسول اللّٰہ ﷺ فلم أجبه فقلت یا رسول الله إنی کنت أصلی فقال ألم یقل الله استجیبوا لله وللرسول إذا دعاکم ثم قال لی لأ علمنك سورة هی أعظم السور فی القرآن قبل أن تخرج من المسجد ثم أخذ بیدی فلما أراد أن یخرج قلت ألم تقل لأ علمنك سورة هی أعظم سورة من القرآن قال الحمد لله رب العالمین هی السبع المثانی والقرآن العظیم الذی أوتیته. (صحیح بخاری شریف جلد ثانی کتاب التفسیر ص ۶۴۲)

ترجمہ:۔ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا تو مجھے رسول اللہ ﷺ نے بلایا۔ میں نے جواب نہیں دیا۔ (بعد نماز کے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ "قبول کرو اللہ اور رسول کی بات جب کہ وہ تم کو بلائیں" پھر آپ ﷺ نے فرمایا، میں تم کو مسجد سے نکلنے سے پہلے ایک ایسی سورت سکھاؤں گا جو قرآن کی سب سے زبردست سورت ہے۔ پھر آپ نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ پس جب آپ نے مسجد سے نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کی کہ آپ نے فرمایا تھا کہ میں تم کو ایک ایسی سورت سکھاؤں گا جو قرآن کی سب سے بڑی سورت ہے، تو آپ نے فرمایا، الحمد للہ رب العالمین ۔ یہی سبع مثانی ہے۔ (یعنی بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں) اور یہی قرآن عظیم ہے جو میں دیا گیا ہوں۔

حضرت ابوسعید بن معلیٰؓ کے آنے پر آپ ﷺ نے ایک ہی ہاتھ تھام کر مصافحہ کیا۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی چوتھی حدیث

عن ثابت البنانی أن أنسا رضی الله عنه كان إذا أصبح دهن يده بدهن طيب لمصافحة إخوانه.

(الادب المفرد، بخاری جلد دوم ص ۲۸۲ مطبوعہ المکتبہ الاسلامیہ حمص)

ترجمہ:۔ ثابت بنانیؒ کہتے ہیں کہ جب صبح ہوتی تو انسؓ اپنا ہاتھ خوشبودار بناتے اپنے (مسلمان) بھائیوں سے مصافحہ کے لئے۔

الادب المفرد بخاری کا اردو ترجمہ نواب صدیق حسن خاںؒ نے ''توفیق الباری'' کے نام سے مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۳۰۶ھ میں چھپوایا ہے۔ اس کے صفحہ ۲۴۷ پر اس حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمالیں، جس میں ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کے لئے ذکر ہے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی پانچویں حدیث

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں۔

ما مسست خزا قط ولا حريرا ولا شيئا كان الين من كف رسول الله ﷺ

(صحیح مسلم شریف کتاب الفضائل جلد دوم ص ۲۵۷، سنن ترمذی شریف جلد دوم ص ۲۲) [1]

---

[1] صحیح مسلم میں یہ حدیث اس طرح ہے: عن أنس قال أنس ماشممت عنبرا قط ولا مسكا ولا شيئا أطيب من ريح رسول الله ﷺ ولا مسست شيئا قط ديباجا ولا حريرا ألين مسا من رسول الله ﷺ۔ (مسلم ج ۲ ص ۲۵۷ كتاب الفضائل باب طيب عرقه ﷺ والتبرك به)

ترمذی میں پوری حدیث اس طرح ہے: عن أنس قال خدمت رسول الله ﷺ عشر سنين فماقال لي أف قط وماقال لشئ صنعته لم صنعته ولا لشئ تركته لم تركته، وكان رسول الله ﷺ من أحسن الناس خلقا وما مسست خزا قط ولا حريرا ولا شيئا كان ألين من كف رسول الله ﷺ ولا شممت مسكا قط ولا عطرا كان أطيب من عرق رسول الله ﷺ

(جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۱ أبواب البر والصلة باب ماجاء فی خلق النبی ﷺ)

ترجمہ:۔ میں نے کبھی کوئی خز اور ریشم کا کپڑا ایسا نہیں چھوا جو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی مبارک سے زیادہ نرم ونفیس ہو“۔

یہ ہتھیلی مبارک کا مس مصافحہ سے ہوا تھا۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی چھٹی حدیث

حضرت ثابت بنانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے عرض کیا:

مسست يد رسول الله ﷺ بيدك قال نعم، قال أرني أقبلها

(مسند احمد ۳ ص ۱۱۱) [1]

ترجمہ:۔ ”آپ نے رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک اپنے ہاتھ سے چھوا ہے۔ حضرت انسؓ نے کہا ہاں، ثابت بنانی نے کہا وہ ہاتھ دکھایئے میں اس کو چوم لوں۔

اس میں بھی دونوں طرف سے ایک ہاتھ کا مصافحہ ملتا ہے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی ساتویں حدیث

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے۔ وہ بی بی فاطمہؓ اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق بیان کرتی ہیں:

كانت إذا دخلت عليه قام إليها فأخذ بيدها فقبلها وأجلسها فى مجلسه وكان إذا دخل عليها قامت إليه فأخذت بيده فقبلته وأجلسته فى مجلسها۔

(سنن ابوداؤد جلد دوم باب فى القيام ص ۳۶۳ اور مشکوۃ شریف جلد دوم ص ۴۰۲ باب المصافحة والمعانقة)

ترجمہ:۔ جب حضرت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آتیں تو آپ ان کے لئے

---

[1] ابوداؤد ج ۲ ص ۷۰۸ كتاب الادب باب فى القيام

کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ پکڑ لیتے اور ان کا بوسہ لیتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھا دیتے اور جب رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ کھڑی ہو جاتیں اور آپ کا ہاتھ مبارک تھام لیتیں اور آپ کا بوسہ لیتیں اور آپ کو اپنی جگہ پر بٹھاتی تھیں''۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ جنتی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہؓ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک ہی ہاتھ سے ہمیشہ مصافحہ ہوتا تھا۔ سنن ابوداؤد شریف کی اس حدیث کی سند کے تمام راوی صحیح بخاری شریف کے ثقہ اور صدوق راوی ہیں۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی آٹھویں حدیث

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک صاحب نے پوچھا:

الرجل منا يلقىٰ أخاه أو صديقه أينحنى له قال لا، قال: أفيلتزمه ويقبله قال لا قال أفيأخذ بيده ويصافحه قال نعم۔ هٰذا حديث حسن

(سنن ترمذی شریف جلد دوم ص ۹۷ باب ماجاء فی المصافحة۔ اور مشکوٰۃ شریف جلد دوم ص ۴۰۱ باب المصافحة والمعانقة) [1]

ترجمہ:۔ ہم میں سے ایک آدمی اپنے بھائی یا دوست سے ملاقات کرتا ہے تو کیا وہ اس کے لئے جھک جائے؟ آپ نے فرمایا نہیں؟ تو انھوں نے پوچھا کیا وہ اس سے چمٹ جائے اور بوسہ لے؟ آپ نے فرمایا نہیں، انھوں نے پھر پوچھا۔ کیا وہ اس کا ہاتھ تھام لے اور مصافحہ کرے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ یہ حدیث حسن ہے۔

اس حدیث کے تمام طرق کی تخریج کر کے علامہ ناصر الدین الالبانی نے

---

[1] الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی ج ۱۷ ص ۳۴۸ کتاب السلام والاستیذان / ترمذی ج ۲ ص ۱۰۲ ابواب الاستیذان والآداب باب ماجاء فی المصافحة۔

اس کو صحیح حدیثوں میں شمار کرایا ہے۔ملاحظہ فرمائیے

"الاحادیث الصحیحة جلد۱ص۸۸مطبوعہ المکتب الاسلامی"

یہی حدیث سنن ابن ماجہ عربی ۲۷۱ پر ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جھکنے اور معانقہ کرنے سے منع فرمایا ولٰکن تصافحوا لیکن تم مصافحہ کرو۔ ❶ مصافحہ کے باب میں بین السطور میں اس کی تشریح اس طرح ہے ھی إفضاء صفحة الید إلی صفحة الید ❷ مصافحہ کا معنی یہ ہے کہ ایک ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی سے مل جائے۔اور ایک ہاتھ کا مصافحہ ہو تبھی یہ صورت بن سکتی ہے لیکن دو ہاتھ کا مصافحہ کرنے والے کی ایک ہتھیلی دوسرے کے ہاتھ کی ہتھیلی سے تو مل جاتی ہے۔مگر پہلے کے دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے صاحب کی دوسری ہتھیلی کے پشت پر ہوتی ہے اور دوسرے کی ایک ہتھیلی پہلے کی ہتھیلی کی پشت پر ہوتی ہے اور اس صورت حال کا ایک ہلکا سا اشارہ بھی کسی حدیث میں نہیں ہے۔بس ایک رواج پڑ گیا ہے۔لیکن ہمارا دین رواجی نہیں ہے کتابی ہے۔

اسی حدیث سے امام اعظم ابو حنیفہؒ نے معانقہ کے مکروہ ہونے پر دلیل لی ہے اور اس میں ایک ہاتھ کا مصافحہ بھی ہے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ ایک ہاتھ کا مصافحہ ہی امام اعظمؒ کے نزدیک صحیح ہے۔ملاحظہ ہو امام طحاوی حنفیؒ کی شرح معانی الآثار ص۲۸۱ مطبوعہ مصر)❸

---

❶ ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں:عن أنس قال قلنا یا رسول اللہ أینحنی بعضنا لبعض قال لا، قلنا أیعانق بعضنا بعضا قال لا، ولکن تصافحوا (ابن ماجہ ج۲ص۲۲۰کتاب الآداب باب المصافحة).

❷ حاشیہ میں ہے ھی مفاعلة من الصفحة والمراد بھا الافضاء بصفحة الید الی صفحة الید (ایضا)

❸ (شرح معانی الآثار ج۲ص۳۳۶باب المعانقة) قال أبوجعفر فذھب قوم إلی ھذا فکرھوا المعانقة منھم أبوحنیفة ومحمد رحمة اللہ علیھما۔

معانقہ کو مکروہ کہنے والے امام ابو حنیفہؒ،محمدؒ کے علاوہ محمد بن سیرین،عبداللہ بن عون بھی ہیں۔(رحمہم اللہ)

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی نویں حدیث

عن ابن مسعود عن النبی ﷺ قال من تمام التحیۃ الاخذ بالید۔ وقال الترمذی ھذا حدیث غریب

(سنن ترمذی شریف جلد۲ص ۹۷) ❶

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ”تحفۂ سلام ہاتھ پکڑنے سے پورا ہوتا ہے“ امام ترمذیؒ نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

غریب، حدیث صحیح کی ایک قسم ہے اور بعض وقت غرابت، راوی کے ضعف کی طرف سے ہوتی ہے۔ یہاں پر ضعف راوی کی طرف سے ہے۔ اسی لئے اس حدیث کو ایک جماعت نے ضعیف بتایا ہے، لیکن ایک جماعت نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔ بہر حال دوسری صحیح حدیثوں کے پیش نظر یہ حدیث ابن مسعودؓ تائید کے لئے پیش کی جاسکتی ہے۔

امام بخاریؒ نے اس روایت کو حضرت عبدالرحمٰن بن یزید نخعی تابعیؒ پر موقوف بتایا ہے اور نخعیؒ تک موقوف سند صحیح ہے

(دیکھو فتح الباری جلد ۴ص ۶۵۸ اور تحفۃ الاحوذی شرح سنن ترمذی جلد۷ص ۵۱۶ مطبوعہ بیروت) ❷

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی دسویں حدیث

حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

مارأیت رجلا التقم اذن النبی ﷺ فینحی راسہ حتی

---

❶ مسلم مع شرح نووی ج ۱ص ۱۳۲/ سنن ترمذی ج ۲ص ۱۰۲ ابواب الاستیذان والآداب باب ماجاء فی المصافحۃ۔

❷ فتح الباری ج ۱۱ص ۶۶/ تحفۃ الاحوذی ج ۷ص ۴۲۸۔

یکون الرجل ھو الذی ینحی راسه وما رأیت رجلا أخذ بیده فترك یده حتی یکون الرجل ھو الذی یدع یده ۔

(سنن ابوداؤد شریف جلد دوم ص ۳۱۴ باب فی حسن العشرۃ) ❶

ترجمہ:۔ میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ کوئی آدمی رسول اللہ ﷺ سے کچھ عرض کرنے کے لئے آپ کو متوجہ کرتا تو پہلے آپ اپنا سر مبارک نہ پھیرتے جب تک کہ وہ خود اپنا سر نہ ہٹا لیتا۔ اور جب کبھی کوئی آدمی آپ کا ہاتھ تھامتا تو آپ اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے یہاں تک کہ وہ خود اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک سے نہ چھڑا لیتا''۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ بھی ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرتے تھے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی گیارہویں حدیث

حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

کان النبی ﷺ إذا لقی الرجل فکلمه لم یصرف وجھه عنه حتی یکون ھو الذی ینصرف وإذا صافحه لم ینزع یده من یده حتی یکون ھو الذی ینزعھا ولم یر متقدما برکبتیه جلیسا له قط

(سنن ابن ماجہ باب إکرام الرجل ص ۲۷۲ و مشکوٰۃ شریف جلد ۲ ص ۵۲۰ باب فی أخلاقه) ❷

ترجمہ:۔ نبی کریم ﷺ سے جب کوئی آدمی ملاقات کرتا اور آپ سے بات کرتا تو آپ اپنا چہرۂ مبارک اس وقت تک نہ پھیرتے جب تک کہ وہ خود اپنا چہرہ نہ پھیر لیتا اور جب آپ سے وہ مصافحہ کرتا تو آپ اس وقت تک اپنا ہاتھ مبارک اس کے ہاتھ سے نہ کھینچتے جب تک کہ وہ خود اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ مبارک سے نہ کھینچ لیتا۔ اور آپ

---

❶ ابوداؤد ج ۲ ص ۲۶۱ کتاب الأدب باب فی حسن العشرة۔

❷ ابن ماجہ ج ۲ ص ۲۲۴ کتاب الآداب باب إکرام الرجل جلیسه

کبھی بھی اپنے ساتھی کے سامنے گھٹنے آگے پھیلائے نہیں دیکھے گئے۔

اب تک ایک ہاتھ سے مصافحہ کی دس حدیثیں صحاح ستہ کی ملاحظہ فرمائیں اور ایک حدیث مسند احمد کی۔ جن میں سے چار کی تخریج امام بخاریؒ نے کی ہے۔ تین کی تخریج صحیح بخاری شریف میں اور ایک کی تخریج الادب المفرد میں، اور ایک حدیث کی تخریج امام مسلمؒ نے کی ہے اور دو حدیثوں کی تخریج امام ابوداوٗدؒ نے کی اور دو حدیثوں کی تخریج امام ترمذیؒ نے کی ہے اور ایک حدیث کی تخریج امام ابن ماجہؒ نے کی ہے اور ایک حدیث کی تخریج امام اہل السنۃ امام احمد بن حنبلؒ نے کی ہے۔ اب جو شخص یہ کہے کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا یہود ونصاریٰ کی مشابہت ہے ایسے شخص کی برائی بیان کرنے کے بجائے ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے نیک سمجھ دے اور ناموسِ رسولِ صحابہ پر حملہ کرنے سے اسے بچا اور اہل حدیث صاحبان کی بیجا دشمنی کرنے سے اسے محفوظ رکھ۔ اب بھی اگر کوئی ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو غلط بتائے تو ہم اس سے مناظرہ ہی نہیں بلکہ مباہلہ کرنے کو بھی تیار ہیں۔ ان شاء اللہ۔

اور بہت سی احادیث سند صحیح وحسن وغیرہ کے ساتھ آ رہی ہیں۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی بارہویں حدیث

أخرجه ابن عبدالبر فی التمهيد بقوله حدثنا عبدالوارث بن سفيان قال حدثنا قاسم بن أصبغ حدثنا ابن وضاح حدثنا يعقوب بن كعب حدثنا مبشر بن إسماعيل عن حسن بن نوح عن عبدالله بن بسر قال ترون يدی هذه صافحت بها رسول الله ﷺ وذكر الحديث واسناده صحيح

(عون المعبود شرح سنن ابی داوٗد جلد۴ ص۵۲۱ مطبع دار الکتاب العربی بیروت)[1]

[1] عون المعبود ج۱۴ ص۸۰ مکتبہ اشرفیہ دیو بند۔

ترجمہ:۔ محدث عبدالبر نے اپنی کتاب ''التمھید'' میں اس طرح اس حدیث کی تخریج کی کہ حدیث بیان کی ہم کو عبدالوارث بن سفیان نے، کہا کہ حدیث بیان کی ہم کو قاسم بن اصبغ نے، کہا حدیث بیان کیا ہم کو ابن وضاح نے، کہا حدیث بیان کی ہم کو یعقوب بن کعب نے، کہا ہم کو حدیث بیان کی مبشر بن اسماعیل نے، وہ حسان بن نوح سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ عبیداللہ بن بسرؓ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ تم میرا یہ ہاتھ دیکھتے ہو، میں نے اسی سے رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کیا ہے۔ الی آخرہ۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے''۔

اس حدیث میں بھی مصافحہ کے لئے ایک ہی ہاتھ کا ذکر ہے۔ ❶

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی تیرہویں حدیث

حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں:

ما أخذ رسول اللّٰہ ﷺ بید رجل ففارقه حتى قال اللّٰهم آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار.

(عمل اليوم والليلة ابن السنی ص ۵۷ مطبوعہ حیدر آباد/ الاذکار نووی ص ۲۲۸ مطبوعہ دار الملاح)

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے جب کسی کا ہاتھ تھاما تو بغیر اللّٰهم آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار کہے اسے نہیں چھوڑا (یعنی اے اللہ! تو ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مصافحہ اصل میں ایک ہی ہاتھ کا ہے۔

---

❶ مسند احمد میں عبداللہ بن بسر سے دو روایتیں اس طرح بھی ہیں:

۱۔ عن يحيى بن حسان قال سمعت عبدالله بن بسر المازني يقول ترون يدي هذه فانا بايعت بها رسول الله ﷺ

۲۔ ترون كفي هذا فاشهد اني وضعتها على كف محمد. مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۹

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی چودھویں حدیث

یہی ابن السنیؒ جو امام نسائیؒ کے شاگرد ہیں اپنی کتاب ''عمـــل اليـــوم والـلـيـلة ''میں ایک دوسرا واقعہ بھی بیان کرتے ہیں اور جسے امام دارمیؒ نے بھی اپنی سنن میں وارد کیا ہے، وہ حضرت انسؓ سے اس طرح مروی ہے۔

جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال يا نبي الله إني أريد السفر فقال له النبي ﷺ متىٰ؟ قال غدا إن شاء الله قال فأتاه فأخذ بيده فقال له في حفظ الله و في كنفه وزودك الله التقوىٰ وغفر ذنبك ووجهك في الخير أينما توخيت أو أينما توجهت۔

(مسند دارمی شریف جلد دوم ص۲۸۶ مطبوعہ بیروت اور عمل اليوم والليلة ص۱۸۸ مطبوعہ مکتبۃ الکلیات الازہریۃ) ❶

رسول خدا ﷺ کی تعلیم وعمل اس حدیث میں بھی ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کا ہے۔

ترجمہ:۔ ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر بولے اے اللہ کے نبی! (ﷺ) میرا سفر کا ارادہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا کب؟ تو انھوں نے جواب دیا کل، ان شاءاللہ۔ جب وہ آدمی آپ کے پاس آیا تو آپ نے ان کا ہاتھ تھام لیا اور فرمایا کہ اللہ کے حفظ میں اور اس کی پناہ میں۔ اللہ تمہارا توشہ تقویٰ کو بنادے اور تمہارے گناہ بخش دے اور تم جس طرف کا قصد کرو اللہ تعالیٰ اسی طرف بھلائی کو متوجہ کردے''۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی پندرھویں حدیث

عن أبي داؤد قال لقيت البراء بن عازب رضي الله عنه فسلم عليَ وأخذ بيدي وضحك في وجهي قال أتدري لم فعلت هذا

❶ سنن الدارمی ج۲ص۳۷۲ کتاب الاستیذان باب مایقول إذا ودع رجلاً

بك قال قلت لا أدری ولکن لا أراك فعلته إلا بخیر قال إنه لقینی رسول اللهﷺ ففعل بی مثل الذی فعلت فسألنی فقلت له مثل الذی قلت لی۔ فقال ما من مسلمین یلتقیان فیسلم أحدهما علیٰ صاحبه ویأخذ بیده لا یاخذه إلا لله عزوجل لا یتفرقان حتی غفرلهما۔ (مسند احمد جلد۴ص ۲۸۹)❶

ترجمہ:۔ ابوداؤدؒ کہتے ہیں کہ میں نے براء بن عازبؓ سے ملاقات کی تو انھوں نے مجھے سلام کیا اور میرا ہاتھ تھام لیا اور میرے سامنے ہنسے اور بولے کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ میں نے کہا، مجھے نہیں معلوم، مگر اتنا دیکھتا ہوں کہ جو آپ نے کیا اچھا ہی کیا ہے۔ وہ بولے کہ مجھ سے رسول اللہﷺ نے ملاقات کی اور آپﷺ نے میرے ساتھ وہی کیا جو میں نے تمہارے ساتھ کیا۔ پھر آپﷺ نے مجھ سے پوچھا تو میں نے بھی آپ سے وہی کہا، جو تم نے مجھ سے کہا، تو آپ نے فرمایا جو دو مسلمان آپس میں ملاقات کریں اور ایک دوسرے کو سلام کریں اور ہر ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لے اور یہ ہاتھ اللہ ہی کے لئے تھامتا ہے تو وہ جدا نہیں ہوتے مگر ان دونوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

یہ حدیث شریف بالکل صاف بتا رہی ہے کہ رسول اللہﷺ ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا کرتے تھے اور آپﷺ کے صحابہ میں بھی یہی دستور تھا اور اسی کی وہ تعلیم کیا کرتے تھے۔ اور حدیث شریف میں اسی مصافحہ کی فضیلت ہے۔

---

❶ الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی ج۱۷ص۳۴۹کتاب السلام والاستیذان۔

اسی مضمون کی ایک روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی ہے: ما من عبدین متحابین فی الله یستقبل احدهما فیصافحه ویصلیان علی النبیﷺ إلا لم یتفرقا حتی تغفر ذنوبهما ماتقدم منها وماتاخر (عون المعبود ج۱۴ص۸۰ مکتبہ شرفیہ دیوبند)

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی سولہویں حدیث

حدثنی أبو راشد الحبرانی قال أخذ بیدی أبو أمامة الباهلی قال أخذ بیدی رسول اللهﷺ فقال لی یا أبا أمامة إن من المومنین من یلین لی قلبه (مسند احمد ج۵ص ۲۶۷)

ترجمہ:۔ ابوراشد حبرانیؒ نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابوامامہ باہلیؓ نے میرا ہاتھ تھام لیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی میرا ہاتھ تھاما اور مجھ سے فرمایا اے ابوامامہ! ایمان والوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کا دل میرے لئے نرم ہے (یعنی آپ سے محبت ہے)

اس حدیث سے بھی بالکل صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے تھے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی سترہویں حدیث

عن حذیفة عن النبیﷺ قال ان المؤمن اذا لقی المؤمن فسلم علیه واخذ بیده فصافحه تناثرت خطایاهما کما یتناثر ورق الشجر۔ رواه الطبرانی فی الأوسط ورواته لا أعلم فیهم مجروحا۔ (ترغیب وترہیب جلد۵ص ۱۰۳)❶

ترجمہ:۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب ایک مومن دوسرے مومن سے ملاقات کرتا ہے اور اس کا ہاتھ تھام کر مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

---

(۱) صحیح الترغیب ج۳ص۳۲ کتاب الأدب باب الترغیب فی المصافحة مکتبۃ المعارف الریاض۔

(امام طبرانیؒ نے اس حدیث کو معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور کہا کہ میں اس کے راویوں کے اندر کسی کو مجروح یعنی ضعیف نہیں جانتا)

اس حدیث میں مومنوں کو رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کی تعلیم دی ہے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی اٹھارہویں حدیث

قال حدثنا عبداللّٰه حدثني أبي حدثنا محمد بن بكر حدثنا ميمون المرائي حدثنا ميمون بن سياه عن أنس بن مالك عن رسول اللّٰه ﷺ قال ما من مسلمين التقيا فاخذ أحدهما بيد صاحبه إلا كان حقا على اللّٰه عزوجل أن يحضر دعاء هما ولا يفرق بين أيديهما حتى يغفر لهما۔

(مسند احمد جلد ۳ ص ۱۴۲/ ترغیب وترہیب جلد ۵ ص ۱۰۳/ کشف الاستار عن زوائد البزار ص ۴۱۹) [1]

ترجمہ:۔ کہا کہ ہم کو حدیث بیان کی عبداللہ نے، کہا مجھ کو حدیث بیان کی میرے والد (امام احمد بن حنبلؒ) نے، کہا ہم کو حدیث بیان کی محمد بن بکر نے، کہا ہم کو حدیث بیان کی میمون (بن عجلان) مرائی نے، کہا ہم کو حدیث بیان کی میمون بن سیاہ نے، وہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو دو مسلمان آپس میں ملاقات کرتے ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کا ہاتھ لیتا ہے تو اللہ عزوجل پر حق ہے کہ ان دونوں کی دعا قبول فرمالے اور ان دونوں کے ہاتھ الگ کرنے سے پہلے ان کی مغفرت فرمادے“۔

---

[1] الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی ج ۱۷ ص ۳۴۸ کتاب السلام والاستیذان /ضعیف الترغیب ج ۲ ص ۱۹۸ کتاب الادب باب الترغیب فی المصافحة۔

اپنی دعا قبول کرانے اور مصافحہ سے مغفرت طلب کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ملاقات کرنے والے دونوں مسلمان بھائیوں کو ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی تلقین فرمائی۔

محدث کبیر علامہ شیخ حبیب الرحمٰن اعظمی حنفیؒ کی اس حدیث پر تعلیق و تحقیق

قال الهيثمي: رواه أحمد والبزار وأبويعلى إلا أنه قال حقا على الله أن يجيب دعاء هما ولا يرد أيديهما حتى يغفر لهما. ورجال أحمد رجال الصحيح غير ميمون بن عجلان وثقه ابن حبان ولم يضعفه أحد.

امام ہیثمیؒ نے کہا کہ روایت کیا اس حدیث کو امام احمد اور امام بزار اور امام ابویعلیٰ نے، مگر انھوں نے یہ الفاظ روایت کئے کہ اللہ پر حق ہے کہ ان دونوں کی دعاؤں کو قبول فرمالے اور ان کی مغفرت ہونے تک ان کے ہاتھوں کو نہ لوٹائے۔ امام احمدؒ کی سند کے تمام راوی میمون بن عجلان کے علاوہ صحیح کے راوی ہیں، ابن حبانؒ نے ان کو ثقہ بتایا ہے اور ان کو ضعیف کسی نے نہیں کیا۔

یعنی یہ حدیث بھی صحیح سند والی ہے، صرف قبول کرنے کی دیر ہے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی انیسویں حدیث

ابو بکرؒ حضرت براء بن عازبؓ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

أن رسول الله ﷺ قال أيما مسلمين التقيا فأخذ أحدهما

بيد صاحبه ثم حمد الله، فإذا تفرقا ليس بينهما خطيئة۔

(مسند احمد جلد ۴ ص ۲۹۳، ۲۹۴) ❶

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو دو مسلمان آپس میں ملاقات کریں اور ہر ایک ان دونوں میں سے اپنے ساتھی کا ہاتھ تھام لے اور اللہ کی حمد کرے تو وہ دونوں ساتھی اس حالت میں جدا ہوئے کہ دونوں کے درمیان کوئی گناہ نہیں رہا۔

ملاقات کے وقت جس مصافحہ کی صاحبِ شریعت ﷺ نے فضیلت بیان کی اس میں دونوں طرف سے صرف ایک ہی ہاتھ تھامنے کا ذکر ہے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی بیسویں حدیث

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن المسلم إذا لقى أخاه فأخذ بيده تحاتت عنهما ذنوبهما كما يتحات الورق عن الشجرة اليابسة فى يوم ريح عاصف۔ ❷

(ترغیب وترہیب جلد ۵ ص ۱۰۴ بحوالہ طبرانی حسن سند کے ساتھ)

ترجمہ:۔ مسلمان آدمی جب اپنے بھائی سے ملتا ہے اور اس کا ہاتھ تھام لیتا ہے تو ان دونوں کے گناہ اسی طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح سخت ہوا والے دن سوکھے درخت سے پتے جھڑ جاتے ہیں"۔

اس حدیث میں بھی ایک ہی ہاتھ کے مصافحہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

---

❶ ترمذی میں حضرت براء بن عازب کی روایت اس طرح ہے: عن البراء بن عازب قال قال رسول اللهﷺ ما من مسلمين يلتقيان فيصافحان إلا غفر لهما قبل أن يتفرقا (ترمذی ج ۲ ص ۱۰۲ أبواب الاستيذان والآداب باب ماجاء فى المصافحة)

❷ اس کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں: وإلا غفر لهما ولو كانت ذنوبهما مثل زبد البحر طبرانی بحوالہ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۷ باب المصافحة والسلام ونحو ذالك ضعیف الترغیب ج ۲ ص ۱۹۹ کتاب الأدب باب الترغيب فى المصافحة۔

ہے کوئی حاصل کرنے والا؟

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی اکیسویں حدیث

عن القاسم عن أبی أمامة رضی اللّٰه عنه عن النبی ﷺ قال من تمام عیادة المریض أن یضع أحدکم یده علیٰ جبهته أو قال علی یده فیسأله کیف هو وتمام تحیتکم بینکم المصافحة۔

(مسند احمد جلد۵ص۳۶۰) (1)

ترجمہ:۔ قاسمؒ سے روایت ہے وہ ابوامامہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، پوری بیمار پرسی یہ ہے کہ تم بیمار کی پیشانی پر یا اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھو اور پوچھو کہ وہ کیسا ہے۔اور تمہارے درمیان تحفۂ سلام مصافحہ سے پورا ہوتا ہے۔

یہ حدیث بھی مبہم نہیں، بلکہ بالکل واضح اور صاف ہے کہ مصافحہ پیارے پیغمبر ﷺ نے صرف ایک ہی ہاتھ سے بتایا ہے۔مسلمانوں کو اسی کی متابعت اور مشابہت پیدا کرنی چاہئے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی بائیسویں حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے،وہ کہتے ہیں:

ود عنی رسول اللّٰه ﷺ فاخذ بیدی فصافحنی۔

(سلسلة الاحادیث الصحیحة للألبانی جلداول ص۲۰ بحوالہ ابن عساکر)

ترجمہ:۔مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے وداع کیا،پس میرا ہاتھ تھام لیا اور مجھ سے مصافحہ کیا۔

یہود ونصاریٰ کی طرح نہیں بلکہ پیارے پیغمبر ﷺ کا طریقہ ایک ہی ہاتھ

---

(۱) ترمذی ج۲ص۱۰۲ابواب الأستیذان والآداب باب ماجاء فی المصافحة (إسناده لیس بقوی) / عون المعبود ج۱۴ص۸۰مکتبہ اشرفیہ دیوبند

سے مصافحہ کرنے کا اس حدیث میں بھی بتایا گیا ہے۔مومنوں کو یہی طریقہ کافی ہے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی تیئیسویں حدیث

نافع،حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں،وہ کہتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ إذا ودع رجلا أخذ بيده فلا يدعها حتى يكون الرجل هو يدع يد النبي ﷺ الحديث ❶ (مختصر)

(سنن ترمذی حدیث نمبر ۳۶۶۹،ومسند احمد ۳۵۸/۲ سلسلة الأحاديث الصحيحة ۲۱/۱)

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی آدمی کو وداع کرتے تو آپ اس کا ہاتھ تھام لیتے اور اسے نہ چھوڑتے یہاں تک کہ وہ آدمی خود رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک چھوڑ دیتا۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بھی اور صحابہ کرام بھی آپس میں ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کیا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ ان ہی کے نقش قدم پر چلنے کی ہم کو توفیق عنایت فرمائے۔آمین

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی چوبیسویں حدیث

أنه أقبل مع أبي ذر فلما رجع تقطع الناس عنه فقلت يا أباذر إني سائلك عن بعض أمر رسول الله ﷺ قال إن كان سرا من أسرار رسول الله ﷺ لم أحدثك قلت ليس بسر ولكن كان إذا لقي الرجل ياخذ بيده ويصافحه، قال على الخبير سقطت لم يلقني قط إلا أخذ بيدي ❷ غير مرة واحدة وكانت تلك آخرهن أرسل إليّ

---

❶ آگے حدیث میں یہ جملہ بھی ہے (ويقول أستودع الله دينك وأمانتك وآخر عملك)

(جامع الترمذی ج ۲ ص ۱۸۲ کتاب الدعوات باب ماجاء مايقول اذا اودع انسانا۔

❷ وفي رواية ما لقيته قط الا صافحني

فاتیته ❶في مرضه الذي توفي فیه فوجدته مضطجعا فأکببت علیه فرفع یده فالتزمني ﷺ (مسند احمد جلد ۵ ص ۱۶۳) ❷

ترجمہ:۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ ابوذرؓ کے ساتھ آئے جب وہ واپس لوٹے تو لوگ (آپ کو وداع کرکے) آپ سے الگ ہو گئے (اس وقت) میں نے کہا اے ابوذر! میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق آپ سے کچھ بات دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا اگر وہ بات رسول اللہ ﷺ کی پوشیدہ اور راز کی بات ہوئی تو میں تجھ سے بیان نہیں کروں گا۔ میں نے کہا نہیں، آپ ﷺ کے راز کی بات نہیں ہے۔ لیکن یہ بتائیے کہ جب آپ ﷺ کسی سے ملاقات کرتے تو اس کا ہاتھ تھامتے اور مصافحہ کرتے تھے؟ ابوذرؓ نے کہا، کہ تم بھلائی کی بات پر آئے، آپ ﷺ جب بھی مجھ سے ملے تو آپ ﷺ نے میرا ہاتھ تھاما۔ ایسا کئی مرتبہ ہوا۔ اور یہ مصافحہ تو بالکل آخری بار ہوا کہ آپ نے مجھے بلانے کے لئے کسی کو بھیجا، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس مرض میں جس میں آپ ﷺ فوت ہوئے۔ میں نے آپ کو لیٹے ہوئے پایا، میں آپ ﷺ پر جھک گیا، تو آپ نے اپنا دست مبارک اونچا کیا اور (مصافحہ کرکے) مجھے چمٹا لیا۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر درود و سلام نازل فرمائے"۔

اس حدیث میں ابوذرؓ نے آپ کے ایک ہاتھ کا ذکر مصافحہ کے لئے کیا ہے۔

یہ چوبیس حدیثیں میرے سامنے سرسری تفتیش سے آسکی ہیں۔ اگر اور زیادہ مطالعہ اور تحقیق کی جائے تو اور بھی حدیثیں ایک ہاتھ سے مصافحہ کی مل جائیں گی۔ حالانکہ ہمارے ثبوت کے لئے ایک دو حدیثیں ہی کافی تھیں۔

میرے قابل احترام ناظرین! اتنی حدیثوں کی موجودگی میں اعتراض

---

❶زاد في روایة وهو علی سریر له

❷الفتح الرباني لترتیب مسند الامام أحمد بن حنبل الشیباني ج ۱۷ ص ۳۴۸ کتاب السلام والاستیذان / ابوداؤد ج ۲ ص ۷۰۸ باب في المصافحة۔

کرنے والے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا یہود ونصاریٰ کی مشابہت ہے۔ایسے کفریہ الفاظ اپنی زبان سے وہی نکال سکتا ہے جسے نہ تو اپنے ایمان کی فکر ہو اور نہ رسول خدا کی عزت وناموس کا پاس ہو اور نہ جمہور صحابہ کرام کا احترام ہو۔اے پروردگار! ایسے بد باطن اور منافقانہ رویہ سے ہم کو اور تمام مسلمانوں کو بچا۔آمین

☆☆☆

۲۵۔ دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے والوں کی دلیل

دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے والے صحیح بخاری شریف جلد دوم پارہ ۲۵ ص ۲۹۶ کی یہ حدیث اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں جسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

علمني النبي ﷺ وكفي بين كفيه التشهد كما يعلمني السورة من القرآن التحيات لله الخ ❶

مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے تشہد سکھایا اور میری ایک ہتھیلی رسول اللہ ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں میں تھی (آپ نے سکھایا) التحیات للہ الخ

اس حدیث میں بے شک رسول اللہ ﷺ کے دو ہاتھ کا ذکر ہے لیکن عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک ہی ہاتھ تھا۔ اگر کوئی اہل حدیث کسی حنفی مولوی سے مصافحہ ایک ہاتھ سے کرے تو حنفی عالم کے دو ہاتھ ہوتے ہیں اور مصافحہ کی صورت بالکل اس حدیث کے مطابق بن جاتی ہے۔ مگر بعض مولویوں کو یہ صورت حال بہت ہی خراب معلوم ہوتی ہے اور وہ دل میں کھول کر رہ جاتے ہیں کہ یہ میرے دونوں ہاتھوں میں ایک ہاتھ دینے والا وہابی اور غیر مقلد معلوم ہوتا ہے۔ اگر یہ وہابی نہ ہوتا تو میرے دونوں ہاتھوں میں اپنے بھی دو ہاتھ لگاتا۔ کتاب پڑھنے والے مسلمان بھائی ذرا انصاف کیجئے کہ جو صورت مصافحہ کی اس حدیث میں ہے وہ تو پسند نہیں ہے اور جو صورت اس حدیث میں نہیں ہے وہ ثابت کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا خوب حدیث دانی ہے۔ یہ تین ہاتھ کا مصافحہ نہ رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے اور نہ صحابہ کرام کرتے تھے اور نہ اہل حدیث صاحبان کرتے ہیں اور نہ حنفی حضرات تین ہاتھ کا مصافحہ کرتے ہیں، اور یہ بات بھی دھیان میں رکھئے کہ مصافحہ ملاقات کے وقت ہوتا ہے، کیا دعا اور تشہد سکھاتے وقت بھی

---

❶ بخاری ج ۲ ص ۹۲۶ كتاب الاستيذان باب الأخذ باليد.

شریعت میں مصافحہ مقرر ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر یہ دونوں ہاتھ میں عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک ہاتھ تھامنا کس لئے تھا؟ ہم ان شاء اللہ ضرور آپ کو بتائیں گے۔

اگر اس حدیث سے دونوں طرف کا چار ہاتھوں کا مصافحہ مراد لیں تو بالکل غلط ہے اور ملاقات کے وقت یہ مصافحہ کریں تو اور بھی زیادہ غلط ہے، کیونکہ یہاں التحیات سکھاتے وقت دونوں ہاتھوں میں ایک ہاتھ تھاما گیا ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ یہ نہ مصافحہ کی صورت ہے نہ مصافحہ کا وقت ہے۔ اگر اس حدیث سے دو ہاتھ کا مصافحہ ثابت ہوتا تو اہل حدیث سب سے پہلے اس پر عمل کرتے۔ کیونکہ یہی ایک گروہ ایسا ہے جو غیر جانبدار ہوکر اور غیر مشروط طور پر ثابت شدہ حدیثِ رسول پر عمل کرتا ہے۔ ورنہ دوسرے گروہ تو اپنی خود ساختہ فقہ کی جانبداری کرتے ہوئے اور اپنے امام کی تقلید سے مشروط ہوکر حدیثِ رسول کبھی لے لیتے ہیں اور کبھی چھوڑ کر چل دیتے ہیں۔ جس کا بیان آپ پڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ زیر بحث حدیث نہ مصافحہ کے لئے ہے، نہ مصافحہ کی صورت ہے اور نہ مصافحہ کا وقت ہے۔ اور امام بخاریؒ خود اس سے مصافحہ ثابت نہیں کرتے بلکہ امام بخاریؒ کے تو اپنی طرف سے ایک لفظ بولے بغیر دو ہاتھ کے مصافحہ کے اتنی بری طرح پر چیتھڑے اڑائے ہیں اور بڑے مزے مزے سے اڑائے ہیں کہ شاید پوری صحیح بخاری شریف میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ امام بخاریؒ کے استدلال کو ہم ان شاء اللہ تھوڑی دیر بعد بیان کریں گے اس سے پہلے ذرا ہم معترض کے استدلال کو دیکھ لیں۔

پہلے تو معترض نے یہ غلط بیانی کی کہ ہم نے صحاح ستہ دیکھ لی، ایک بھی حدیث ایک ہاتھ سے مصافحہ کی نہیں ملی، آپ ایک ہاتھ سے مصافحہ کی حدیث کو پیٹ بھر کر دیکھ چکے ہیں۔ الحمد للہ۔

پھر معترض نے دعویٰ کیا کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا یہود ونصاریٰ کی

مشابہت ہے۔ چوبیسوں حدیثوں میں آپ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اور ہمارے پیارے صحابہ کرام کا طریقہ بھی دیکھ لیا۔ معلوم ہوا کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنتِ محمدی اور طریقِ صحابہ ہے۔ ہاں البتہ نبیوں اور ان کے پیاروں پر الزام لگانا ضرور یہود ونصاریٰ کی مشابہت ہے اور وہی کام کر کے معترض نے دکھادیا۔

۲۶۔امام بخاریؒ کی دہائی

پھر معترض نے بخاری شریف کی یہی عبداللہ بن مسعودؓ والی حدیث بڑے طمطراق سے پیش کی ہے۔ اور امام بخاریؒ کے نام کی دہائی دے کر اہل حدیث لوگوں کو بڑی شان سے معترض نے یوں للکارا ہے۔

''امام بخاری اس حدیثِ مبارک کو لائے۔ امام بخاری کا درجہ محدثین میں بہت ممتاز ہے۔ پھر یہ اہل حدیث لوگ دو ہاتھ کا مصافحہ کیوں نہیں مانتے''۔

گویا معترض کا عقیدہ ہے کہ امام بخاریؒ بہت ممتاز محدث ہیں اور جو حدیث وہ متصل سند سے بیان کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ مبارک اور صحیح السند ہے۔ آیئے معترض کو ذرا آزمالیں کہ وہ امام بخاریؒ کو ممتاز محدث اور حدیثِ پیغمبر کو مبارک ہی سمجھتے ہیں یا کچھ اور۔

ناظرین! یہی ممتاز محدث امام بخاریؒ اپنی صحیح بخاری شریف عربی جلد اول ص ۱۱۰ پر پہلی اور تیسری رکعت میں ذرا بیٹھ کر اٹھنے کی حدیثِ مبارک ❶ لاتے ہیں تو معلوم نہیں آپ کہاں گم ہو جاتے ہیں، پھر نہ یہ ممتاز محدث آپ کو یاد رہتا ہے اور نہ

---

❶ حدیث مبارک یہ ہے:

عن أبی قلابة قال كان مالك بن الحويرث يرينا كيف كان صلوٰة النبی ﷺ وذاك فی غير وقت صلوٰة فقام فأمكن القيام ثم ركع فأمكن الركوع ثم رفع راسه فانصب هنية قال فصلی بنا صلوٰة شيخنا هذا أبی يزيد وكان يريد إذا رفع راسه من السجدة الآخرة استوی قاعدا ثم نهض (بخاری ج ۱ ص ۱۱۰ كتاب الاذان باب الطمانية حين يرفع راسه من الركوع)

جلسۂ استراحت کی حدیث مبارک آپ کو یاد رہتی ہے۔ ❶ اور پھر آپ کی قسمت دیکھئے کہ اس ممتاز محدث کی وارد کردہ حدیث مبارک پر اگر اہلِ حدیث حضرات عمل کریں تو آپ ان کو برا بھی سمجھیں۔

۲۔ یہی ممتاز محدث جب صحیح بخاری شریف جلد اول ص ۲۷ پر یہ حدیث لائیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی دو سنت پڑھ کر ذرا داہنی کروٹ پر لیٹتے تھے ❷ تو اس وقت آپ کو نہ یہ ممتاز محدث یاد رہتا ہے اور نہ یہ حدیث مبارک نظر آتی ہے اور انکار کر دیتے ہیں کہ یہ سنت نہیں ہے۔

۳۔ یہی ممتاز محدث صحیح بخاری شریف جلد اول ص ۱۰۷ اور ص ۱۰۸ پر آمین کہنے کے تین باب باندھتے ہیں۔ امام کا آواز سے آمین پکارنے کا، پھر آمین بولنے کی فضیلت کا، اور پھر باب باندھتے ہیں مقتدیوں کا جہر سے آمین بولنے کا ❸ اور مسجد کا آمین کی آواز سے گونجنے کا بیان لائیں ❹ تب یہ بے چارہ ممتاز محدث بالکل نکو سمجھا جاتا ہے اور اس کی ان مذکورہ بابوں کے تحت لائی ہوئی حدیثیں بے کار سمجھی جاتی ہیں۔ کیا مجال ہے کہ ان احادیث مبارکہ پر عمل کریں بلکہ ان مبارک حدیثوں پر عمل کرنا برا سمجھا جاتا ہے۔ ❺

۴۔ یہی ممتاز محدث جب صحیح بخاری شریف جلد اول ص ۱۴۹ پر یہ حدیث

---

❶ اطمینان تو حنیفہ کے یہاں مفقود ہے ہی، پہلی اور تیسری رکعت میں سجدہ سے اٹھنے کے بعد جلسۂ استراحت کے بھی یہ قائل نہیں ہیں، بلکہ بغیر زمین پر ہاتھ رکھے ہوئے سیدھے کھڑے ہو جانے کے قائل ہیں اور اسی پر ان کا عمل بھی ہے۔ ہدایہ میں ہے استوی قائما علی صدور قدمیه ولا یقعد ولا یعتمد بیدیه علی الأرض ہدایہ ج ۱ ص ۱۰۱ باب صفة الصلوة تعجب تو یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ ان کے یہاں اس حدیث پر عمل مفقود ہے بلکہ اس کی بیجا تاویل بھی کرتے ہیں۔

❷ عن عائشة قالت کان النبی ﷺ إذا صلی رکعتی الفجر اضطجع علی شقه الأیمن۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۵۵ کتاب التهجد باب الضجعة علی الشق الأیمن بعد رکعتی الفجر)

❸ باب جهر الامام بالتامین ص ۱۰۷ باب فضل التامین باب جهر المأموم بالتامین ص ۱۰۸

❹ أمن ابن الزبیر ومن وراءه حتی أن للمسجد للجة۔ بخاری ج ۱ ص ۱۰۷۔

❺ فقہ حنفی کی اعلیٰ کتاب ہدایہ میں ہے ویخفونها لما روینا من حدیث ابن مسعود ولأنه دعاء فیکون مبناه علی الإخفاء (ہدایہ ج ۱ ص ۱۰۵ باب صفة الصلوة)

مبارک بیان کرے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کر کے پڑھتے تھے ❶ تو آپ کو نہ یہ ممتاز محدث امام بخاریؒ نظر آتا ہے اور مبارک حدیثِ پیغمبر ﷺ بھی آپ کو ایک آنکھ نہیں بھاتی ہے اور جمع بین الصلاتین کا انکار کر دیتے ہیں ❷ اور اگر اہل حدیث صاحبان ان مبارک حدیثوں پر عمل کریں تو ان کو اچھی نظر سے دیکھتے بھی نہیں۔

۵۔ جب یہی ممتاز محدث صحیح بخاری شریف جلد اول ص ۱۳۵ پر ایک رکعت وتر پڑھنے کی کئی کئی احادیثِ پیغمبر لائیں ❸ تو اس وقت یہ ممتاز محدث آپ کے لئے نا قابلِ التفات بن جاتا ہے اور اس کی بیان کردہ احادیث آپ کو بڑی ناگوار معلوم ہوتی ہیں۔

۶۔ جب یہی ممتاز محدث صحیح بخاری شریف جلد اول ص ۱۷۸ پر جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کی حدیثِ پیغمبر درج فرمائیں ❹ تو آپ اس ممتاز محدث کو چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں اور اس حدیث مبارک کو بھی پیٹھ دکھا دیتے ہیں۔ اور سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کی کوئی حدیث بھی نہیں دکھاتے ہیں۔

۷۔ جب یہی آپ کا ممتاز محدث صحیح بخاری شریف عربی جلد اول ص ۱۰۰ پر نماز

---

❶ عن ابن عباس قال كان رسول الله ﷺ يجمع بين صلوة الظهر والعصر إذا كان علىٰ ظهر سير ويجمع بين المغرب والعشاء۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۴۹ ابواب تقصير الصلوٰة باب الجمع فى السفر بين المغرب والعشاء)

❷ درمختار میں ہے: ولا جمع بين فرضين في وقت بعد سفر ومطر خلافا للشافعي۔
(درمختار ج ۱ ص ۶۲ کتاب الصلوٰۃ)

❸ عن ابن عمر أن رجلا سأل النبى ﷺ عن صلوٰة الليل فقال رسول الله ﷺ صلوٰة الليل مثنى مثنى فإذا خشى أحدكم الصبح صلى ركعة توتر له ماقد صلى۔
(بخاری ج ۱ ص ۱۳۵ أبواب الوتر باب ماجاء فى الوتر)

❹ عن سعد بن إبراهيم قالت صليت خلف ابن عباس علىٰ جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب وقال لتعلموا أنها سنة (بخاری ج ۱ ص ۱۷۸ کتاب الجنائز باب قرأة فاتحة الكتاب على الجنازة)

میں صف کے اندر ایک کے پاؤں سے پاؤں اور کاندھے سے کاندھا ملانے کی حدیث مبارک ❶ لائیں تو آپ اس ممتاز محدث کو اور اس کی وارد کردہ حدیث کو چھوڑ کر ایسے بھاگتے ہیں کہ آپ کا سایہ تک دکھائی نہیں دیتا۔ حالانکہ یہ پاؤں ملانے کی حدیث نہ کسی مذہب کے خلاف ہے اور نہ کسی کی فقہ سے ٹکراتی ہے۔ اور نہ اس کے خلاف کسی صحابی کا اثر ہے۔ مگر صرف ایک رواج پڑ گیا ہے ایک نمازی کا دوسرے نمازی کے پاؤں سے پاؤں الگ رکھنے کا، بس اسی رواج کو دلیل بنا کر آپ بھی صف میں اکیلے کھڑے ہو رہے ہیں اور آپ کے مفتی اور مولوی بھی ایک دوسرے سے جدا جدا صف میں کھڑے ہو رہے ہیں۔ اگر نماز میں کوئی ان سے پاؤں ملا لے تو انھیں بہت برا معلوم ہوتا ہے اور اپنے پاؤں اس طرح ہٹا لیتے ہیں جیسے ان کو کسی بچھو نے کاٹ لیا ہو۔ اس حدیث پر بھی مذکورہ احادیث کی طرح عمل کرنے کی ہمت سوائے اہلِ حدیثوں کے اور کسی میں بھی نہیں ہے۔ الحمد للہ!

ہاں البتہ رئیس التبلیغ حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ نے اپنی کتاب ''حیاۃ صحابہ'' جلد سوم ص ۱۴۱ پر صفیں درست کرنے کا بیان لکھا ہے اور پورے بیان میں کہیں بھی ایک دوسرے سے الگ الگ کھڑے ہونے کا بیان نہیں ہے۔ ہاں مرحوم نے سنن ابوداؤد اور سنن ابن حبان کی وہ حدیث درج کی جس میں نماز میں ایک بھائی کے دوسرے بھائی کے کاندھے سے کاندھا، پاؤں سے پاؤں، ٹخنے سے ٹخنا اور گھٹنے سے گھٹنا ملانے کا بیان ہے۔ ❷ امید ہے اس کی بھی تبلیغ کی جائے گی۔

---

❶ عن أنس عن النبی ﷺ قال أقیموا صفوفکم فإنی أراکم من وراء ظھری وکان أحدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه.
(بخاری ج۱ ص۱۰۰ کتاب الاذان باب إلزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف)

❷ وہ حدیث یہ ہے: عن أبی القاسم الجدلی قال سمعت النعمان بن بشیر یقول أقبل رسول اللہ ﷺ علی الناس بوجھه فقال أقیموا صفوفکم ثلاثا واللہ لتقیمن صفوفکم أو لیخالفن اللہ بین قلوبکم قال فرأیت الرجل یلزق منکبه بمنکب صاحبه ورکبته برکبة صاحبه وکعبه بکعبه (ابوداؤد ج۱ ص۹۷ کتاب الصلوٰۃ باب تسویة الصفوف التعلیقات الحسان علی صحیح ابن حبان للألبانی ج ٤ ص ٥٤ ذکر البیان بأن قوله ﷺ بین وجوھکم أراد به بین قلوبکم (اس میں رکبته برکبة صاحبه) نہیں ہے۔

۸۔ جب یہی ممتاز محدث صحیح بخاری شریف جلد اول پارہ ۳ص ۱۰۴ پر امام کے پیچھے ہر مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنے کی حدیث مبارک ❶ پیش کرے، تو آپ اپنے ممتاز محدث کو اس طرح بھول جاتے ہیں گویا بے چارے سے کبھی کوئی شناسائی ہی نہیں تھی اور ان کی بیان کردہ حدیثِ مبارک کو بھی پیٹھ دکھانے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔

۹۔ جب یہی آپ کے ممتاز محدث اپنی صحیح بخاری شریف جلد اول پارہ ۳ص ۱۰۲ پر رکوع کے بعد رفع الیدین کرنے کی حدیث پیغمبر ❷ بیان کرتا ہے تو آپ اسے کڑوی گولی سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں، پھر نہ ممتاز محدث کا آپ کو لحاظ رہتا ہے اور نہ حدیث مبارک کا پاس کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ امام اعظمؒ کی وصیت بھی بالکل فراموش کردیتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا ''صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے''۔ ❸ نہ صحیح حدیث پر خود عمل کرتے ہو اور نہ دوسروں کو عمل کرنے دیتے ہو اور عمل کرنے والوں پر طعن بھی کرتے ہو۔ ہم جہالت، ضد اور ہٹ دھرمی وغیرہ کے طعنے آپ سے بھی زیادہ قوت سے دے سکتے ہیں لیکن یہ سب دشنام اور قلمی اچھل کود کرنا ہمارا شیوہ نہیں۔ ہم اہلِ حدیث گروہ کا شعار یہ ہے کہ دلائل سے بھرپور استدلال کرتے ہیں اور جو تلاشِ حق میں سرگرداں ہیں، اللہ کے حکم سے ان کی رہنمائی کی کوشش کرتے ہیں اور جو ہم کو خواہ مخواہ ایذاء پہنچائے اور خلافِ خدا اور رسول بولے اس کے لئے ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ اسے نیک سمجھ دے۔

---

❶ عن عبادة بن الصامت أن رسول اللهﷺ قال لا صلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب.
(بخاری ج ۱ص ۱۰۴ کتاب الاذان باب وجوب القرأة للإمام والماموم فى الصلوات كلها فى الحضر والسفر ومايجهر فيها ومايخافت)

❷ عن عبدالله بن عمر قال رأيت رسول اللهﷺ إذا قام فى الصلوٰة رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه وكان يفعل ذلك حين يكبر للركوع ويفعل ذلك إذا رفع راسه من الركوع ويقول سمع الله لمن حمده ولا يفعل ذلك فى السجود۔
(بخاری ج ۱ص ۱۰۲ کتاب الاذان باب رفع اليدين إذا كبر وإذا ركع وإذا رفع)

❸ اذا صح الحديث فهو مذهبى (ردالمختار ج ۱ص ۱۶۷، عقد الجید ص ۹)

۱۰۔ جب یہی ممتاز محدث صحیح بخاری شریف جلد اول ص ۵۰ پر عمار بن یاسرؓ سے یہ روایت ❶ لائیں کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کے لئے مٹی پر صرف ایک مرتبہ ہاتھ مارنے کو بتایا، لیکن آپ اکڑ جاتے ہیں اور دو ہی ضرب مارتے ہیں۔ اور ہتھیلیوں کے بجائے کہنیوں تک مسح کرتے ہیں ❷ پھر آپ اپنے ممتاز محدث اور اس کی بیان کردہ حدیث کو کچھ بھی نہیں سمجھتے۔

۱۱۔ جب آپ کے یہی ممتاز محدث اپنی صحیح بخاری شریف جلد اول ص۱۲۲ پر یہ حدیث مبارک لائیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورہ الم تنزیل السجدۃ اور ھل اتی علی الانسان (یعنی سورۂ دہر) پڑھتے تھے ❸ اس وقت آپ کو نہ یہ ممتاز محدث یاد رہتا ہے اور نہ یہ حدیث مبارک یاد رہتی ہے۔ بلکہ اس حدیث مبارک کو مذاق میں اڑا دیتے ہیں۔ یا پھر اپنی طرف سے ہیرا پھیری کر کے حدیث پیغمبر کو ہی اڑانے کی کوشش کرتے ہیں یا پھر ضعیف روایتوں سے صحیح روایتوں کو رد کرنے میں سارا زور لگا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس منافقت سے ہم کو بچائے۔ آمین

ان ہی امام بخاریؒ کی اہل حدیثوں پر معترض نے دہائی دی ہے جن کو قدم قدم پر بھولتے رہے اور جن کی وارد کردہ احادیث کو بالکل عضو معطل بنا کے رکھ دیا۔ پھر اطاعتِ رسول کا ڈھونگ کیا دنیا کو دکھانے کے لئے رچاتے ہو؟ معترض نے اپنی

---

❶ بعثنی رسول اللہ ﷺ فی حاجۃ فاجنبت فلم أجد الماء فتمرغت فی الصعید کما تمرغ الدابۃ فذکرت ذلک للنبی ﷺ فقال إنما کان یکفیك أن تصنع ھکذا وضرب بکفہ ضربۃ علی الأرض ثم نفضھا ثم مسح بھا ظھر کفہ بشمالہ أو ظھر شمالہ بکفہ ثم مسح بھما وجھہ (بخاری ج۱ ص۵۰ کتاب التیمم ضربۃ)

❷ ہدایہ میں ہے: والتیمم ضربتان یمسح باحدھما وجھہ وبالأخری یدیہ إلی المرفقین (ہدایہ ج۱ ص۵۰ باب التیمم)

❸ عن أبی ھریرۃ قال کان النبی ﷺ یقرأ فی الفجر یوم الجمعۃ الم تنزیل السجدۃ وھل اتی علی الانسان۔
(صحیح بخاری ج۱ ص۱۲۲ کتاب الجمعۃ باب مایقرأ فی صلوۃ الفجر یوم الجمۃ)

اضافہ شدہ کتاب کے ص ۳۲۴ پر لکھا ہے۔

''اب کوئی فقیر، کوئی صوفی، کوئی پیر، کوئی مجاور، کوئی مولوی، کوئی حافظ، کوئی قاری، کوئی مفتی، کوئی سید، کوئی شیخ، اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک کہ اللہ کے رسول ﷺ کی مبارک بات کو دل وجان سے نہ مان لے۔

ہم نے آٹھ رکعت تراویح کی تین حدیثیں اللہ کے رسول ﷺ کی درج کردی ہیں، امید ہے کہ معترض صاحب انہیں دل وجان سے قبول کریں گے۔ ہم نے دو درجن حدیثیں ایک ہاتھ سے مصافحہ کی پیش کردی ہیں، امید ہے کہ معترض اپنی تحریر کے مطابق دل وجان سے قبول کریں گے۔ شروع میں ہم نے آٹھ مثالوں میں آٹھ مسئلے بخاری ومسلم کی احادیث سے جمع کردیئے ہیں، وہ تو دل وجان ہی نہیں بلکہ روح کی گہرائیوں کے ساتھ قبول فرمائیں گے۔ کیونکہ ہم نے ان مسئلوں کے ساتھ آپ کے مذہب کی کتابوں کے تحقیقی فیصلے بھی دیئے۔ اور جن ابن عباسؓ کے فتوے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں چلنے کا دعویٰ کیا ہے اور اس عجیب وغریب دعوی پر ہم نے آپ کو انعام سے بھی نوازا ہے، ان ہی ابن عباسؓ کے دس فتوے اور روایتیں نمونے کے طور پر ہم نے درج کردیئے ہیں، امید ہے کہ آپ اپنی تحریر کے مطابق دل وجان سے قبول کریں گے۔ لیکن افسوس کہ اب تک ہم نے جو آپ کی روش اور نیت دیکھی اس کے پیش نظر ہم خدا لگتی کہتے ہیں کہ اکثر آپ دل وجان سے قبول کرنے کی بجائے اسے دل وجان سے رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں اچھا نہیں لگتا کہ آپ خلفاء راشدین کی سنتوں کا یا ممتاز محدث کی شان کا یا رسول اللہ ﷺ کی مبارک بات کو دل وجان سے قبول کرنے کی بات کریں۔ قبول کرنا تو بعد کی بات ہے، پہلے اسے سمجھنا سیکھیئے۔ جس حدیث سے دو ہاتھ کا مصافحہ ثابت کیا ہے پہلے سمجھئے اور جس کو ممتاز محدث کہا ہے اس کا طرزِ استدلال دیکھئے۔

۲۷۔امام بخاریؒ کا طرزِ استدلال اور معترض کی چوری

ہم امام بخاریؒ کا طرزِ استدلال بھی بتائیں گے اور جوانھوں نے مصافحہ کے بارے میں دو باب باندھے ہیں اس کی اصل عبارت مع ترجمہ دیتے جائیں گے تاکہ آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ امام بخاریؒ کیا ثابت کر رہے ہیں اور یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ امام بخاریؒ نے اپنی طرف سے ایک لفظ بولے بغیر صرف روایات سے جو ثابت کیا ہے، معترض نے اسی پر ڈاکہ ڈالا اور انہی چیزوں کو لاپتہ کر دیا جو پہلے باب کی جان تھیں۔ خیر چھوڑیئے یہ اعتراض کرنے والے جب تک چوری نہ کریں اور جھوٹ نہ بولیں تب تک ان کا مطلب بن ہی نہیں سکتا، صحیح بخاری شریف عربی جلد دوم ص ۹۲۶ پر ہے۔

باب المصافحة قال ابن مسعود علمني النبي ﷺ التشهد وكفي بين كفيه وقال كعب بن مالك دخلت المسجد فاذا برسول الله ﷺ فقام إلى طلحة بن عبيد الله يهرول فصافحني وهناني۔❶

ترجمہ:۔ مصافحہ کا باب۔ ابن مسعودؓ نے کہا کہ مجھ کو نبی ﷺ نے تشہد سکھایا اس حال میں کہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان میں تھا۔ اور کعب بن مالکؓ نے کہا کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف فرما تھے۔ پس طلحہ بن عبید اللہ دوڑتے ہوئے میرے پاس آئے، انھوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد دی"۔

اگر حدیث سمجھنے اور پر لطف استدلال دیکھنے کا آپ میں ذوق ہے تو دیکھئے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ ہی حضرت کعب بن مالکؓ کا تذکرہ بھی کر دیا۔ ابن مسعودؓ کا ہاتھ التحیات سیکھتے وقت رسول اللہ ﷺ کے دونوں ہاتھوں میں تھا۔ کعب بن مالک کو

❶ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۶ کتاب الاستیذان باب المصافحة

مسجد میں داخل ہوتے دکھایا اور پھر طلحہ رضی اللہ عنہ کو دوڑ کر آتے اور مصافحہ کرتے ہوئے دکھایا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ دونوں مصافحوں میں ملاقات کے وقت کا مصافحہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھامنا ملاقات کا مصافحہ ہے ہی نہیں۔ معترضین صاحبان کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ کے ممتاز محدث نے ان لوگوں کی چھٹی کر دی جو ملاقات کے وقت کا مصافحہ اس حدیث سے ثابت کرتے ہیں۔

اس کے بعد اس باب کی یہ عبارت ہے۔

حدثنا عمرو بن عاصم حدثنا همام عن قتادة قلت لانس أكانت المصافحة في اصحاب النبي ﷺ قال نعم ۔ ❶

ترجمہ:۔ (امام بخاریؒ کہتے ہیں) حدیث بیان کی ہم کو عمرو بن عاصم نے، کہا کہ ہم کو حدیث بیان کی ہمام نے، وہ قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے انسؓ سے پوچھا کہ کیا نبی ﷺ کے صحابہ میں مصافحہ تھا، انھوں نے کہا ہاں''۔

اللہ اللہ! کیسی خاموش دعوت ہے امام بخاریؒ کی، کہ جب ابن مسعودؓ کی روایت مصافحہ کے لئے نہیں پھر اور صحابہ کی حدیثوں اور ان کے طرزِ عمل کو دیکھ لو۔ بڑی حکمت کے ساتھ امام بخاریؒ نے ان حدیثوں کی طرف اشارہ کر دیا جن میں صرف ایک ہاتھ کا مصافحہ بتایا گیا ہے۔ اور جن میں سے تین چار حدیثیں خود امام بخاریؒ نے وارد کی ہیں اور ان کے علاوہ بھی حدیثیں ان کے نزدیک صحیح ہیں۔ لیکن صحت کا اونچا معیار برقرار رکھنے کے لئے جو انھوں نے کڑی شرائط اور سخت ضابطے قبولِ حدیث کے رکھے ہیں ان کے پیش نظر ان صحیح روایتوں کو صحیح بخاری شریف میں نہیں لا سکتے۔ ان روایتوں کی تحقیق وتلاش کی دعوت دی ہے اور ان روایتوں سے صحابہ کرام اور رسول اللہ ﷺ کا جو ایک ہاتھ سے مصافحہ ثابت ہوتا ہے اس کی ایک جھلک مصافحہ کے باب کی بقیہ عبارت میں دکھا دی۔ ملاحظہ فرمائیے۔

---

❶ صحیح بخاری ج۲ص۹۲۶ كتاب الاستيذان باب المصافحة

حدثنا يحيى بن سليمان قال حدثني ابن وهب قال أخبرني حيوة قال حدثني أبوعقيل زهرة بن معبد سمع جده عبدالله بن هشام قال كنا مع النبي ﷺ وهو آخذ بيد عمر بن الخطاب۔❶

ترجمہ:۔ ہم کو حدیث بیان کی یحییٰ بن سلیمان نے، کہا کہ مجھ کو حدیث بیان کی ابن وہب نے، انھوں نے کہا کہ خبر دی مجھ کو حیوہ نے، کہا کہ مجھ کو حدیث بیان کی ابوعقیل زہرہ بن معبد نے، انھوں نے اپنے دادا عبداللہ بن ہشام سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے اس حال میں کہ آپ عمر بن خطابؓ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے“

لیجئے! حضرت عمرؓ اور رسول اللہ ﷺ کے مصافحہ میں صرف ایک ہی ہاتھ کا ذکر حدیث شریف سے ثابت کر کے ممتاز محدث امام بخاریؒ نے دونوں ہاتھ کا مصافحہ کرنے والوں کی بھی چھٹی کردی۔ اب جو ثابت ہوا وہ مصافحہ ایک ہاتھ کا اور ملاقات کے وقت کا ہی ہے۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں نہ مصافحہ کا بیان ہے اور نہ اس میں ملاقات کا مصافحہ ہے اور نہ مصافحہ کی صورت ہے۔ باب المصافحۃ پورا ہوگیا۔ اس باب میں جو کچھ امام بخاریؒ نے ثابت کیا اسی کو ہمارے معترض نے گول کردیا۔ ماشاء اللہ! کیا خوب امانت داری ہے۔

اب اس کے بعد ہی امام بخاریؒ نے دوسرا باب اس طرح باندھا ہے۔

باب الأخذ باليدين وصافح حماد بن زيد ابن المبارك بيديه حدثنا أبو نعيم قال حدثنا سيف بن سليمان قال سمعت مجاهدا يقول حدثني عبدالله بن سخبرة أبو معمر قال سمعت ابن مسعود يقول علمني النبي ﷺ وكفي بين كفيه التشهد كما يعلمني السورة من القرآن التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك

❶ صحیح بخاری ج۲ص۹۲۶ كتاب الاستيدان باب المصافحة

أیھا النبی ورحمة اللّٰہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللّٰہ الصالحین أشھد أن لا الہ الا اللّٰہ وأشھد أن محمدا عبدہ ورسولہ۔

ترجمہ:۔ باب دو ہاتھ تھامنے کا۔ مصافحہ کیا حماد بن زید نے عبداللہ بن مبارک سے اپنے دونوں ہاتھ سے۔ ہم کو حدیث بیان کی ابونعیم نے، کہا ہم کو حدیث بیان کی سیف بن سلیمان نے، کہا کہ میں نے مجاہد سے سنا وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو ابومعمر عبداللہ بن سخبرہ نے حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن مسعودؓ سے سنا، وہ کہتے ہیں مجھ کو نبی کریم ﷺ نے تشہد سکھایا اس حال میں کہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا، جس طرح مجھ کو قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔ التحیات للّٰہ والصلوات (آخر تک)

جب مصافحہ کے باب میں یہ حدیث موزوں نہیں رہی تو اس کے لئے امام بخاریؒ نے الگ سے ایک باب باندھ دیا۔ کہ مصافحہ کے لئے یہ دو ہاتھوں میں ایک ہاتھ تھامنا اگر صحیح نہیں ہے تو دوسرے مقصد کے لئے اس طرح ہاتھ پکڑنا بالکل جائز ہے۔ اسی باب کے عربی حاشیہ پر مولانا احمد علی حنفی سہارنپوریؒ نے لکھا ہے۔

ولما کان الأخذ بالید یجوز أن یقع من غیر مصافحة أفردہ بھٰذا الباب۔

اور جب کہ مصافحہ کے بغیر بھی ہاتھوں کا پکڑنا جائز ہے تو انھوں نے (بخاری نے) اس باب کو الگ باندھا دیا۔

شارح صحیح بخاری علامہ قسطلانیؒ لکھتے ہیں:

ولما کان الأخذ بالید یجوز ان یقع من غیر مصافحة أفردہ بھٰذا الباب۔ [1]

جب کہ حصولِ مصافحہ کے بغیر بھی ہاتھ کا پکڑنا جائز ہے تو (بخاریؒ نے

[1] ملاحظہ ہو حاشیہ صحیح بخاری ج ا ص ۹۲۶ حاشیہ نمبر ٦

دوسرے مقصد کے لئے ہاتھ پکڑنے) کا یہ باب باندھ دیا۔

لیجئے یہ حدیث اور یہ باب مصافحہ کا ہے ہی نہیں۔ اور حماد بن زید کو مصافحہ کے باب کے بجائے اسی دوسرے باب میں شامل کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے فعل وفرمان اور تعلیم اور صحابہ کرام کے عمل کے سامنے حماد بن زیدؒ کا عمل خود باطل ہو گیا۔ کیونکہ کسی تابعی کا فعل کوئی حجت شرعی نہیں ہے بلکہ جب وہ رسول اللہ ﷺ اور جمہور صحابہ کرام کے خلاف ہو تب تو بالکل ہی نامقبول اور مردود ہے۔ اب فیصلہ آپ کے اوپر ہے کہ شرعی مصافحہ پسند ہے ایک ہاتھ کا یا غیر شرعی مصافحہ پسند ہے دو ہاتھ کا۔

صحیح بخاری شریف کے شارح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی قسطلانی کی عبارت کی طرح لکھنے کے بعد یہ بھی بتایا ہے کہ حماد بن زیدؒ نے عبداللہ بن مبارک سے دو ہاتھ کا مصافحہ کیا تھا تو عبداللہ بن مبارکؒ بھی دو ہاتھ کے مصافحہ کے قائل نہیں تھے۔ کیونکہ عبداللہ بن مبارکؒ نے اپنی کتاب ''البر والصلۃ'' کے اندر حضرت انسؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

کان النبی ﷺ إذا لقی الرجل لا ینزع یدہ حتی یکون ھو الذی ینزع یدہ ولا یصرف وجھہ حتی یکون ھو الذی یصرفہ

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد۳ص ۶۵۸ مطبوعہ انصاری) ❶

رسول کریم ﷺ جب کسی آدمی سے ملاقات فرماتے تو آپ اپنا ہاتھ مبارک اس وقت تک نہ کھینچتے جب تک کہ وہ شخص خود اپنا ہاتھ نہ کھینچ لیتا اور اپنا چہرہ مبارک آپ اس وقت تک نہ پھیرتے جب تک کہ وہ شخص خود اپنا چہرہ نہ پھیر لیتا۔

یعنی حافظ ابن حجرؒ نے دو ہاتھ کے مصافحہ کی تردید میں رہی سہی کسر بھی پوری کر دی اور بتا دیا کہ تابعی حماد بن زیدؒ نے عبداللہ بن مبارکؒ سے دو ہاتھ سے مصافحہ کیا تو خود عبداللہ بن مبارکؒ بھی دو ہاتھ سے مصافحہ کے قائل نہیں تھے۔ رہ گئے حماد بن زیدؒ تو ان

❶ فتح الباری ج:۱اص ۶۶ مکتبہ اشرفیہ دیوبند

کا عمل بیسیوں حدیثوں اور بے شمار صحابہ کرام کے طریقے کے آگے خود بخود باطل ہوگیا۔

۲۹۔ حدیث ابن مسعودؓ کا معنی ومطلب

التحیات سکھاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ان کا ہاتھ کیوں پکڑا، اس کی وجہ حنفی مذہب کی سب سے بڑی کتاب ہدایہ عربی جلد ا ص ۹۳ کتاب الصلوٰۃ میں اسی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے اوپر حاشیے میں لکھا ہے۔

أخذ ليكون حاضرا فلا يفوته شئ ❶

''آپ نے ان کا ہاتھ اس لئے تھاما تا کہ ان کا دماغ حاضر رہے اور کوئی چیز (التحیات سکھاتے وقت) چھوٹ نہ جائے''۔

اگر دو ہاتھ کے مصافحہ میں ذرا بھی جان ہوتی تو اس حنفی کتاب میں ایک ذرا سا اشارہ دو ہاتھ کے مصافحہ کا اس حدیث سے ضرور ثابت کیا جاتا، مگر یہ کتنی بے مثال وفاداری ہے کہ جو مطلب خود کے مذہب کی کتابوں تک میں نہ ظاہر کیا گیا ہو وہ مطلب اس حدیث کا لا کر رکھ دیں۔ یا ہوسکتا ہے کہ اس کتاب میں جو مطلب بتانے سے رہ گیا تھا آج یہ لوگ اس مطلب اور معنی کو درج کرنے کی ٹھان کر میدان میں ڈٹ گئے ہوں۔

۳۰۔ مقلد معترض اپنے امام سے بھی دو قدم آگے

آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ایک مقلد چاہے جتنا اپنے مذہب کی کتابوں کے خلاف مطلب لے لے اور چاہے جتنا اپنے امام کے خلاف عمل کرے مگر اس کی تقلید پر حرف نہیں آ سکتا۔ البتہ اہل حدیث صاحبان پر الزام لگانے میں اپنی پوری طاقت لگا دیتا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ اس حدیث پر عمل کرنے کی

❶ حاشیہ ہدایہ ج ا ص ۱۱۱ باب صفۃ الصلوٰۃ حاشیہ نمبر ۷

صورت جس طرح بتا رہے ہیں کم سے کم اس کی تو آپ لاج ولحاظ رکھیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔آپ فرماتے ہیں:

قال أبو حنيفة أخذ حماد بن سليمان بيدى وعلمنى التشهد.

''میرے استاذ حمادؒ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے تشہد سکھایا''۔

یعنی جو بیان اس حدیث میں آیا ہے اسی طرح عمل کر کے دکھایا لیکن دو ہاتھ کا مصافحہ ثابت نہیں کیا۔

وقال حماد أخذ إبراهيم بيدى وعلمنى التشهد-

''اور حماد نے کہا کہ میرے استاذ ابراہیم نخعیؒ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے تشہد سکھایا''۔

وقال إبراهيم أخذ بيدى علقمة وعلمنى التشهد-

اور ابراہیم نخعیؒ نے کہا کہ علقمہؒ نے میرا ہاتھ پکڑا اور تشہد سکھایا۔

وقال علقمة اخذ عبدالله بن مسعود بيدى وعلمنى التشهد.

اور علقمہ نے کہا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے میرا ہاتھ پکڑا۔اور مجھے تشہد سکھایا۔

وقال عبدالله أخذ رسول الله ﷺ بيدى وعلمنى التشهد كما يعلمنى السورة من القرآن-❶

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے تشہد اسی طرح سکھایا جس طرح آپ قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔

(دیکھو الادب المفرد بخاری کے ساتھ اس کی شرح فضل اللہ الصمد جلد دوم ص ۶۳ ۴ مطبوعہ حمص)

وہ معترض جو کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث سے تین دن کی تراویح ثابت ہوتی ہے یہ اہل حدیث پورا مہینہ کیوں پڑھتے ہیں۔ان کو ذرا اپنے اعتراض کی شرم رکھنی چاہیے کہ یہاں التحیات سکھاتے وقت ہاتھ پکڑا تو یہ اعتراض کرنے والے ملاقات کے وقت کا ہاتھ تھامنا کیوں لے لیتے ہیں؟ اس حدیث میں تین ہاتھ کا

❶ ملاحظہ ہو فتح القدیر مع الکفایۃ ج ۲ ص ۲۷۳، ۲۷۴۔

ذکر ہے یہی معترضین چار ہاتھ کیوں لگا لیتے ہیں؟ پھر اور ستم دیکھئے کہ اہل حدیث حضرات کو یہ لوگ منع کرتے ہیں کہ بیعت کا مصافحہ ایک ہاتھ سے ضرور آیا ہے مگر وہ مصافحہ کبھی کبھی ہوتا ہے اس لئے ایک ہاتھ سے مصافحہ کی دلیل نہیں لے سکتے۔ تو اب ایسے معترضین سے پوچھتا ہوں کہ جو مصافحہ زندگی میں ایک بار التحیات سکھاتے وقت آیا ہے اسے ہر ایک کے لئے پوری زندگی کے لئے اور قیامت تک کے لئے کیسے جائز کرلیا؟ کس دلیل سے؟ لاؤ دلیل اگر سچے ہو۔

دوم یہ کہ آپ مقلد ہیں تو پھر قولِ امام کے بجائے حدیث سے استدلال کیوں کرتے ہیں۔ صحابہ کرام سب کے سب اہل حدیث تھے تو ہم اہل حدیث کے دلائل آپ کیوں استعمال کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں، خلفاء راشدین اہل حدیث تھے، آپ ان اہل حدیث حضرات کے عمل کو کیوں دلیل بناتے ہیں؟ آپ کی اصولی کتابوں میں ہے کہ ''مقلد کی دلیل صرف اس کے مجتہد اور امام کا قول ہے'' تو آپ ہم اہل حدیث صاحبان کے دلائل کے بجائے دو دو ہاتھ سے مصافحہ کا کوئی قول امام اعظمؒ کا دکھا دو اگر سچے ہو، بیس رکعت تراویح کا کوئی قول امام اعظمؒ کا دکھاؤ اگر سچے ہو، اس حدیث ابن مسعودؓ سے امام صاحب نے دو ہاتھ کا مصافحہ ثابت کیا ہو تو دکھاؤ، ہمارے لئے نہیں تو کم سے کم آپ کے ہم مسلک لوگوں کے لئے دلیل بن سکے، اسی لئے دکھا دو۔ تین طلاق ایک ساتھ دینا امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہو تو ذرا دکھا دو، اذانِ عثمانی کی پابندی آپ کے اوپر امام صاحب نے لگائی ہو تو ذرا اس کتاب کا صفحہ نمبر دکھا دو۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کے امام ایک طرف ہیں اور آپ ایک طرف۔ پھر امام اعظمؒ کی تقلید کا ڈھنڈورا کیوں پیٹتے ہو؟ اہل حدیثوں پر تو الزام رکھتے ہی ہو جھوٹا اور کھوٹا، لیکن تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اپنے ہی ہم مسلک حنفی بھائیوں کو بھی دھوکہ دیتے ہو اور صحیح بات سے اندھیرے میں رکھتے ہو۔ جس کی مثالیں ہم دیتے چلے آ رہے ہیں اور

یہاں بھی موجود ہے کہ اس حدیثِ ابن مسعود میں التحیات ہاتھ پکڑ کر سکھانے کا آیا تو امام اعظمؒ کو ان کے استاذ حمادؒ نے ہاتھ پکڑ کر التحیات سکھائی اور حمادؒ کو ان کے استاذ ابراہیم نخعیؒ نے اور ابراہیم نخعیؒ کو ان کے استاذ علقمہؒ نے اور علقمہؒ کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ہاتھ پکڑ کر التحیات سکھائی۔ آپ بھی پوری زندگی میں ایک دفعہ ہاتھ پکڑ کر التحیات سکھا دیجئے۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ اور اگر ہم اہل حدیث صاحبان کے مقابلے میں کھینچ تان کر زبردستی تین ہاتھ کے چار ہاتھ اور ایک دفعہ کے بجائے ساری زندگی کے لئے مصافحہ ثابت کرتے ہو تو ہر ایک سے مصافحہ کرتے وقت التحیات بھی پڑھا کرو یا پڑھایا کرو۔ پھر دیکھو کیسا مزہ آتا ہے۔ مصافحہ سے زیادہ التحیات کی بہار آجائے گی۔ اور لمحہ بھر کا مصافحہ بھی کافی لمبا ہو جائے گا، ایسا کیوں نہیں کرتے، اپنی دلیل پر آپ خود ہی پورا نہیں بلکہ ادھورا عمل کرتے ہو، پھر دوسروں کو اسی دلیل کو منوانے پر تلے ہوئے ہو، تعجب ہے۔

☆☆☆

اللہ تعالیٰ کا ایک ہاتھ سے مصافحہ

۳۱۔ ایک ہاتھ کے مصافحہ پر مزید پرلطف معلومات

شیخ محمد امین المعروف بابن عابدین فقیہ حنفی درمختار کے حاشیہ ردالمختار میں لکھتے ہیں:

(فان لم یقدر) أی علیٰ تقبیله إلا بالإیذاء أو مطلقا یضع یدیه علیه ثم یقبلها أو یضع إحداهما والاولیٰ أن تکون الیمنی لأنها المستعملة فیما فیه شرف۔ ولما نقل عن البحر العمیق من أن الحجر یمین اللّٰه یصافح بها عباده والمصافحة بالیمین۔ ❶

ترجمہ:۔ پس اگر نہ قدرت ہو حجر اسود کو چومنے کی مگر تکلیف کے ساتھ یا مطلق نہ چوم سکے تو اپنے دونوں ہاتھ حجر اسود پر رکھ دے اور ان دونوں کو چوم لے، یا ایک ہاتھ رکھے۔ صحیح یہی ہے کہ داہنا ہاتھ رکھے کیونکہ شرف اور بزرگی کے کاموں میں یہی داہنا ہاتھ استعمال ہوتا ہے جب کہ ''البحر العمیق'' نامی کتاب سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ حجر اسود اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں سے مصافحہ کرتا ہے۔ اور مصافحہ تو داہنے ہاتھ ہی سے ہے۔

(دیکھو تحفۃ الاحوذی شرح سنن ترمذی جلد ۷ ص ۵۱۹ مطبوعہ الفجالۃ الجدیدہ بحوالہ ردالمختار)

اللہ اللہ! ہم نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا ایک ہاتھ سے مصافحہ ثابت کرنے کے لئے بہت سی کتابوں کی ورق گردانی کی اور دبئی کے ایک کتب خانے میں ۲۲ دن تک مطالعہ کیا اور مدینہ طیبہ کی اسلامیہ یونیورسٹی کے کتب خانے میں بہت سی کتابوں سے ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کے دلائل جمع کئے۔ مگر یہ حنفی فقیہ علامہ ابن

❶ ردالمختار شرح الدرالمختار ج ۳ ص ۵۰۵ کتاب الحج (مکتبہ زکریا دیوبند)

عابدین شامیؒ تو کمال کر گئے کہ انھوں نے بڑی آسانی سے ثابت کر دیا کہ خود اللہ تعالیٰ بھی ایک ہاتھ سے اپنے بندوں سے مصافحہ کرتا ہے۔اس روایت کی حالت سے قطع نظر ہم نے حنفی فقیہ کے بیان کو اعتراض کرنے والوں کے لئے یہاں نقل کر دیا ہے۔
حیرت ہے کہ ایسی ذہنیت کے لوگ جو کہتے ہیں کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا یہود ونصاریٰ کی مشابہت ہے جب یہ حج کو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ایک ہی ہاتھ کو قبول کر لیتے ہیں جو حجر اسود کی صورت میں ہے۔تو کیا یہ معترض وہاں اہل حدیثوں کا رویہ اپنا لیتے ہیں، اور پھر جب وہاں سے واپس آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے اسی ایک ہاتھ کے مصافحہ کی مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔یا عجبا!

معترضین کو چاہئے کہ وہ اعلان کر دیں، حج کو جاؤ، طواف وغیرہ کرو لیکن حجر اسود کو ہاتھ نہ لگاؤ، کیونکہ اللہ میاں اس کے ذریعہ اپنے بندوں سے ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرتا ہے۔اب کیا ارادے ہیں آپ کے؟

علامہ ابن عابدین شامیؒ کے بیان سے کئی باتیں معترض کے مدعیٰ کو توڑنے کے لئے بڑی مفید ثابت ہوئیں۔

۱۔ اگر حجر اسود کو چومنے کا موقع نہ ملے تو دونوں ہاتھوں کے بجائے صرف داہنے ہاتھ سے چھونا ہی بہتر ہے۔

۲۔ شرف اور بزرگی کے کاموں میں (بالخصوص اس وقت جب کہ اپنی ذات کے علاوہ دوسرے سے وہ شرف کا کام متعلق ہو) داہنا ہاتھ ہی استعمال کرنا چاہئے۔

۳۔ حجر اسود اللہ کا داہنا ہاتھ ہے جس سے وہ اپنے بندوں سے ایک ہاتھ کا مصافحہ کرتا ہے۔

۴۔ مصافحہ صرف داہنے ہاتھ ہی سے ہے۔

علامہ شامیؒ کے بیان پر ہمیں صحیح مسلم شریف کی یہ حدیث یاد آئی۔حضرت

سالمؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا یاکلن أحد منکم بشماله ولا یشربن بها فإن الشیطان یاکل بشماله، یشرب بها قال وکان نافع یزید فیها ولا یاخذ بها ولا یعطی بها (صحیح مسلم شریف جلد۲ص۱۷۲)❶

ترجمہ:۔ ''تم میں سے کوئی بھی اپنے بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور نہ اس سے پیئے۔ اس لئے کہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور پیتا بھی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ نافعؒ اپنی روایت میں اتنا اور زیادہ بیان کرتے تھے کہ نہ بائیں ہاتھ سے کوئی چیز لے یا تھامے اور نہ اس سے دے''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ بائیں ہاتھ سے کھائے اور نہ پئے اور نہ کوئی اچھی چیز تھامے اور نہ دے۔ مصافحہ اول تو شرف اور بزرگی والی چیز اور عمل ہے اس میں بھی بایاں ہاتھ نہیں لگانا چاہئے، جب کہ عام طور سے لینے دینے میں بھی اسی داہنے ہاتھ کا عمل مطلوب ہے۔

۳۲۔امام الائمہ امام ابن خزیمہؒ کا واقعہ

طبقات الشافعیۃ جلد دوم ص۱۳۱ پر ابوعمرو بن اسماعیل کا بیان ہے:

کنت فی مجلس ابن خزیمة فاستمدنی مدة فناولته بیساری إذ کانت یمینی قد اسودت من الکتابة فلم یاخذ القلم وأمسك فقال لی بعض أصحابه لوناولت الشیخ بیمینك فاخذت القلم بیمینی فناولته فأخذ منی۔

ترجمہ:۔ میں امام ابن خزیمہؒ کی مجلسِ درس میں تھا، انھوں نے مجھ سے قلم دوات میں ڈبو کر مانگا، میں نے انھیں بائیں ہاتھ سے قلم دیا کیونکہ میرا داہنا ہاتھ لکھنے سے سیاہ

❶ صحیح مسلم ج۲ص۱۷۲کتاب الاشربة باب آداب الطعام والشراب واحکامهما

ہو گیا تھا تو انھوں نے نہیں لیا۔اس پر ان کے بعض اصحاب نے مجھ سے کہا کاش! آپ شیخ (ابن خزیمہ) کو دائیں ہاتھ سے دیتے، پس میں نے قلم دائیں ہاتھ سے لے کر دیا تو انھوں نے لے لیا۔

یاد رہے کہ یہ بات امام ابن خزیمہؒ کے اتباع سنت کے بیان میں لکھی گئی ہے۔تو اب دیکھنا یہ ہے کہ جب بائیں ہاتھ سے کسی کو کوئی چیز دینا اور لینا بھی دین میں معیوب و مذموم ہے تو یہی بایاں ہاتھ مصافحہ میں لگا دینا کیسے اچھا کہا جائے گا۔ ❶

۳۳۔شیخ ضیاء الدین حنفی نقشبندیؒ کا بیان

آپ اپنی کتاب ''لوامع العقول شرح رموز الحدیث'' میں لکھتے ہیں:

والظاهر من آداب الشريعة تعين اليمنىٰ من الجانبين لحصول السنة كذالك فلا تحصل باليسرىٰ فى اليسرىٰ ولا فى اليمنىٰ ❷

ترجمہ:۔ آداب شریعت سے یہ متعین ہے کہ دونوں طرف سے داہنا ہاتھ سنت ہے (مصافحہ) ادا کرنے کے لئے، پس یہ سنت بائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ سے لگانے یا بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے لگانے میں حاصل نہیں ہوگی''۔

یہ عبارت بھی ایک حنفی فقیہ اور عالم کی ہے جسے ایک حدیث کی تشریح میں پیش کیا ہے۔

۳۴۔امام نووی شافعیؒ کا بیان

يستحب أن تكون المصافحة باليمنىٰ وهو افضل ❸

---

❶ ماہنامہ۔محدث ستمبر ۸۲ء میں مولانا محمد حنیف فیضی حفظہ اللہ کے مضمون سے یہ واقعہ لیا ہے (مولف)

❷ ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی ج ۷ ص ۴۳۰

❸ ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی ج ۷ ص ۴۳۰

ترجمہ:۔ ''مستحب ہے کہ مصافحہ دائیں ہاتھ سے کیا جائے اور وہ افضل ہے''

۳۵۔ شیخ عبدالرؤف مناوی شافعیؒ کا بیان

آپ اپنی کتاب ''الروض النفیر شرح الجامع الصغیر ''میں لکھتے ہیں:

لا تحصل السنة إلا بوضع اليمنى فى اليمنىٰ حيث لا عذر۔❶

ترجمہ:۔ سنتِ مصافحہ داہنے ہاتھ کو داہنے ہاتھ میں رکھنے سے ہی ادا ہوتی ہے جب کہ کوئی عذر نہ ہو۔

۳۶۔ شیخ علی بن احمد العزیزیؒ کا بیان

آپ اپنی کتاب'' السراجِ المنير شرح الجامع الصغير ''میں لکھتے ہیں:

إذا لقيت الحاج أى عند قدومه من حجه فسلم عليه و صافحه أى ضع يدك اليمنى فى يده اليمنىٰ۔❷

ترجمہ:۔ جب تم حاجی سے اس کے حج سے واپس آنے پر ملاقات کرو تو سلام کرو اور اس سے مصافحہ کرو۔یعنی اس کے دائیں ہاتھ میں اپنے داہنے ہاتھ کو رکھ دو۔

اس سے بھی ایک ہاتھ کا مصافحہ ظاہر ہے۔

۳۷۔ عالم ربانی، مخدوم جہانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

اپنی مشہور کتاب''غنية الطالبين ''میں ارشاد فرماتے ہیں:

فصل فيما يستحب فعله بيمينه وما يستحب فعله بشماله

❶ ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی ج ۷ ص ۴۳۰

❷ ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی ج ۷ ص ۴۳۰

يستحب له تناول الأشياء بيمينه والأكل والشرب والمصافحة والبدأة بها في الوضوء والانتعال ولبس الثياب ❶

ترجمہ:۔ یہ فصل اس بات کے بیان میں ہے کہ داہنے ہاتھ سے کون سا کام مستحب ہے اور بائیں ہاتھ سے کون سا مستحب ہے۔ مستحب ہے چیزوں کا پکڑنا اور لینا داہنے ہاتھ سے اور کھانا پینا اور مصافحہ کرنا بھی اور وضو میں داہنے طرف سے شروع کرنا اور جوتے پہننا اور کپڑے پہننا۔

۳۲۔۳۳۔۳۴۔۳۵۔۳۶ کا حوالہ یہ ہے (تحفۃ الاحوذی شرح سنن ترمذی جلد ۷ ص ۵۱۹ مطبوعہ الفجالۃ الجدیدۃ میں رئیس المحققین علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے تحریر فرمایا ہے)

اہلِ حرمین کے عمل کے نام پر دھوکہ دہی

اب تک ہم ثابت کرتے چلے آرہے ہیں کہ معترض نے اہلِ حدیث حضرات کے خلاف لکھتے ہوئے جگہ جگہ دھوکے دیئے ہیں اور اصولی علم نہ ہونے کی وجہ سے دھوکے کھائے بھی، اور جگہ جگہ چوریاں بھی علم شریعت کے اندر کی ہیں۔ بس اسی طرح کا دھوکہ مصافحہ میں بھی دیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ حرمین شریفین میں مصافحہ دو ہاتھ سے کیا جاتا ہے، اذانِ عثمانی بھی دی جاتی ہے اور بیس رکعت تراویح بھی پڑھی جاتی ہے، پھر لکھا ہے کہ جہاں سے دین ساری دنیا میں پھیلا وہاں سے ایسا ہوتا ہے۔

حیرت اس بات پر ہے کہ معترض نے اپنا مسلک حنفی بتایا ہے اور حنفی مسلک

❶ اس کے آگے لکھتے ہیں: وكذالك يبدأ في الدخول إلى المواضع المباركة كالمساجد والمشاهد والمنازل والدور برجله اليمنى۔ وأما الشمال فلفعل الأشياء المستقذرة وإزالة الدرن والاستنثار والاستنجاء وتنقية الانف وغسل النجاسات كلها إلا أن يشق ذلك أو يتعذر كالمشلول والمقطوع يساره فيفعله.
(الغنية لطالبي طريق الحق ج ۱ ص ۱۹ (مکتبہ اشاعت اسلام دہلی)

میں اہلِ حرمین کا تو ارث دلیل نہیں ہے، بلکہ مردود ہے۔ پھر بھی بہ ظاہر ایسا لگتا ہے کہ معترِض کو اہلِ حرمین اور ان کے عمل سے بڑی محبت ہے، تبھی تو اذانِ عثمانی اور بیس رکعت تراویح جیسی مستحب چیزوں پر ان کو عمل کرتے ہوئے دیکھا تو گلے سے لگا لیا، کہیں معترض ان چیزوں کو دیکھ لے جو خود رسول اللہ ﷺ نے کی ہیں اور ان ٹھیٹھ سنتوں پر آج اہل حرمین بھی عمل کر رہے ہیں تو شاید معترض اپنی جان بھی فدا کر دے۔

۱۔ حرمین شریفین میں نماز کے لئے اقامت اکہری ہوتی ہے صحیح حدیث کے مطابق اس اکہری تکبیر پہ اعتراض کرنے والے جان فدا نہیں کرتے بلکہ اسے تسلیم کرنے سے جان چھڑا کر بھاگتے ہیں۔ یہ سنت اہل حدیث صاحبوں کے لئے چھوڑ دی ہے۔

۲۔ اہلِ حرمین نماز میں آمین جو جہر سے پکارتے ہیں تب یہ اعتراض کرنے والے دیکھتے ہیں کہ آمین کی آواز کی گونج نہ صرف مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں بلکہ بازاروں تک پہنچ جاتی ہے اور اعتراض کرنے والوں کی بولتی بند ہو جاتی ہے۔

۳۔ اہلِ حرمین رکوع کے بعد جو رفع الیدین کرتے ہیں شاید اس پر یہ معترضین آنکھیں بند کر لیتے ہوں۔

۴۔ حرمین شریفین میں فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا نہیں مانگی جاتی، رواج کے رسیا لوگوں کو یہ صورت حال بہت بری معلوم ہوتی ہے۔

۵۔ حرمین شریفین میں جنازے بالکل مسجد کے اندر اور کعبۃ اللہ شریف میں تو اندر کے اندر خاص مقام ابراہیم پر لا کر رکھتے ہیں، لیکن اہل حدیث حضرات پر اعتراض کرنے والے جنازوں کو ناپاک کہہ کر اپنی مسجدوں کے اندرونی حصوں میں آنے سے روک دیتے ہیں، تب اہل حرمین کا عمل دیکھنے سے عاجز رہ جاتے ہیں۔

۶۔ حضور! یہ بھی ذرا یاد رکھئے کہ اہل حرمین، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں مسافر نہ

ہوتے ہوئے نماز قصر پڑھتے ہیں اور اس کو مناسکِ حج میں بھی سمجھتے ہیں، لیکن آپ جیسے اعتراض کرنے والے دور دراز کا سفر کر کے جانے والے وہاں نہ قصر کرتے ہیں نہ ان کو مناسک میں داخل سمجھتے ہیں۔

۷۔ عرفات جانے پر جمع تقدیم ہوتی ہے اور مسجد نمرہ میں ظہر وعصر کی نماز قصر جمع کر کے جماعت سے پڑھی جاتی ہیں، لیکن آپ کو اس طرح سنت کے مطابق دیارِ حبیب ﷺ میں یہ نمازیں پڑھنا نصیب نہیں ہوتا۔

۸۔ عرفات سے مزدلفہ آ کر جمع تاخیر کی جاتی ہے یعنی عشاء کے وقت میں مغرب پڑھی جاتی ہے اور قصر بھی کی جاتی ہے، لیکن آپ اعتراض کرنے والے یہاں بھی سنتِ سرور عالم ﷺ اور اہل حرمین کے عمل سے صاف کنی کاٹ جاتے ہیں، اور ان سنتوں پر چلنے والوں کو طعنے بھی دیتے ہیں۔

۹۔ اہل حرمین رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ۱۳ ذی الحجہ کو منی میں ٹھہرنے اور کنکری مارنے اور اس کے بعد طواف افاضہ کو جائز کہتے ہیں، لیکن جماعت اہل حدیث صاحبان پر اعتراض کرنے والوں کو حبیبِ خدا ﷺ کے مبارک عمل پر بھی اعتراض ہے اور اعتراض ہی نہیں بلکہ ایسا کرنے والے پر جرمانہ عائد کرتے ہیں چنانچہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جس نے ۱۲ ذی الحجہ کا سورج غروب ہونے کے بعد طواف افاضہ کیا تو اس پر ایک دم دینا لازم ہے۔ جب رحمت عالم ﷺ کی سنت سے آپ کو اتنی عداوت ہے تو پھر آپ کا اہل حدیث لوگوں سے دشمنی رکھنا بدیہی امر اور قدرتی بات ہے۔

اور آپ کی یہ کارفرمائی ہم شروع سے بتاتے چلے آ رہے، جب کہ آپ کو خود اعتراف ہے کہ ایک سنت کا انکار کرے یا تحقیر کر دے تو وہ کفر تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر آپ کی کتابوں میں فتویٰ موجود ہوتے ہوئے آپ نے کتنی صحیح حدیثوں اور پیارے رسول ﷺ کی سنتوں کو بے دردی سے چھوڑا ہے وہ ہماری دی ہوئی آٹھ

مثالوں میں دیکھ لیجیے۔ ابن عباسؓ کے فتووں میں ملاحظہ فرمالیجیے، ممتاز محدث امام بخاریؒ کی دی ہوئی حدیثوں میں دیکھ لیجیے، اہل حرمین کے عمل میں دیکھئے، یہاں تک معاملہ آگے بڑھا کہ اگر کوئی ۱۳؍ذی الحجہ کو طواف افاضہ اور پہلی اور تیسری رکعت میں سنتِ محمدی کے مطابق جلسۂ استراحت کرلے تو آپ کے یہاں اس بے چارے پر جرمانہ اور کفارہ تک لگادیتے ہیں۔ تو آپ ہی سوچئے کہ خود آپ کے مذہب کی کتابوں کی رو سے آپ کا کیا درجہ ہے؟ اب آپ کی ایسی حالت دیکھ کر کوئی سخت مزاج اہل حدیث آپ کے پیچھے نماز پڑھنے سے اگر انکار کردے تو اس میں قصور اس کا کہاں ہے؟ قصور آپ نے کیا ہے۔ نفرت اسے کسی دوسرے نے نہیں، نفرت خود آپ نے اسے دلائی ہے اپنے عمل سے اور سنتوں کو رد کر کے۔

صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں، ان ہی بزرگ صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کے سامنے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو ان کے مسجد کا حصہ (حاصل کرنے) سے نہ روکو، جب کہ وہ تم سے اجازت چاہیں، تو ان کے بیٹے بلال نے کہا بخدا ہم تو انھیں روکیں گے، انھوں نے بیٹے سے کہا کہ میں تجھے اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان سنا رہا ہوں اور تو کہتا ہے بخدا ہم روکیں گے، ❶ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ نے اس کو اتنا برا بھلا کہا کہ میں نے زندگی میں کبھی اسے اتنا سبّ وشتم کرتے انھیں نہیں سنا۔

(دیکھو مشکوۃ شریف عربی ج ۱ باب الجماعۃ وفضلھا ص ۹۷ بحوالہ مسلم) ❷

---

❶ لا تمنعوا النساء حظوظهن من المساجد إذ استاذنكم فقال بلال واللّٰه لتمنعهن فقال له عبداللّٰه أقول قال رسول اللّٰه ﷺ وتقول أنت لنمنعهن۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۳ کتاب الصلوۃ باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يترتب عليه فتنة وأنها لا تخرج مطيبة)

❷ فأقبل عليه عبداللّٰه فسبه سبا سيئا ما سمعت سبه مثله قط وقال أخبرك عن رسول اللّٰه ﷺ وتقول لنمنعهن (حوالہ سابق) ایک روایت میں ہے "فزبرہ" اور ایک روایت میں ہے فضرب في صداه

دوسری روایت اسی کے بعد مسند احمد کے حوالے سے ہے،اس میں ہے کہ مرتے دم تک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے سے نہیں بولے۔

اعتراض کرنے والے تو بہت سی سنتوں کا انکار کر دیتے ہیں۔تو یہی عبداللہ بن عمرؓ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز کہنا تو دور کی بات وہ تو ان سے بات چیت کرنا بھی ناجائز ٹھہرا دیتے ہیں۔یہ بھی ... تم ظریفی ہے کہ یہ جماعت اہل حدیث پر اعتراض کرنے والوں نے اس حدیث کا بھی انکار کر دیا جو انھوں نے اپنے بیٹے کے سامنے بیان کی تھی۔آج یہ اعتراض کرنے والے صاحبان کہتے ہیں کہ آج کل فتنوں کا دور ہے اس لئے عورتوں کو مسجدوں میں جمعہ یا تراویح کے لئے یا عیدگاہ میں جانا ناجائز ہے۔جب یہی منع کرنے والے وعظ وغیرہ کی محفل جمائیں تو ان کی محفل میں عورتوں کا آنا جائز ہو جاتا ہے،تب فتنوں کا دور نہیں ہوتا،ستم پر ستم دیکھئے کہ جب یہی لوگ حج کو جائیں اور اگر بیویاں ساتھ ہوں تو کعبۃ اللہ میں اور پنجوقتہ نماز میں بھی یہ اپنی خواتین کو لے جاتے ہیں اور مسجد نبوی میں بھی ان کا یہی حال ہے اور جب ہندوستان واپس آتے ہیں تو ان کی وہی رٹ ہوتی ہے کہ عورتوں کو عیدگاہ وغیرہ جانا جائز نہیں ہے۔سبحان اللہ! یہ دورنگی کیوں؟

ناظرین کرام نے سمجھ لیا ہوگا کہ اہلِ حرمین کے دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی دہائی دینے والے کس بے دردی سے ان کے اس عمل کو ٹھکرا دیتے ہیں جو صحیح حدیثوں کے مطابق ہے،لیکن ان کے رواج کے خلاف ہے۔رہی بات مصافحہ کی تو یہ دو ہاتھ سے مصافحہ کی بات بالکل غلط ہے۔امام حرم اور حرم شریف کے بہت سے مدرسین اور مراقبین کو دیکھا کہ ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں۔منیٰ میں رابطہ عالم اسلامی کی بلڈنگ میں عالمِ اسلام کے عرب و افریقہ وغیرہ ممالک کے مندوبین سے ملاقاتیں ہوئیں سب سے ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ ہوا۔مدینہ یونیورسٹی کے اساتذہ اور بہت

سے طلبہ سے مصافحہ ہوا لیکن ایک ہی ہاتھ سے، دبئی، شارجہ، ام القیوین، راس الخیمہ، الذید، کلباء، فجیرہ اور خرفکان وغیرہ مقامات پر شیوخ سے اور محکمہ شرعیہ کے قاضیوں سے ہماری ملاقات ہوئی سب سے ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ ہوا، ہاں البتہ مقامی حضرات کا مسلک رکھنے والے بعض حضرات نے دو ہاتھ سے مصافحہ کیا۔ مقامی اور ہم مسلک لوگوں کا دو ہاتھ کا مصافحہ دیکھ کر حرمین شریفین کے لوگوں کا عمل بتا دینا حیرت انگیز غلط بیانی ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ عملِ اہل حرمین امام شافعیؒ کے نزدیک حجت ودلیل ہے لیکن حنفی مذہب میں حرمین شریفین کا عمل حجت ودلیل ہرگز نہیں۔ تعجب ہے کہ معترض نے حرمین کے عمل سے کیوں دلیل پکڑی اور وہ بھی غلط بیانی کے ساتھ۔

حرمین شریفین کا عمل بمقابلۂ حدیث حجت نہیں ہے

ہم نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی ۲۴ حدیثیں اللہ کے فضل سے جمع کردی ہیں اور آٹھ رکعت تراویح کی بھی کئی حدیثیں جمع کردی ہیں تو اب اس کے خلاف حرمین کا عمل ہو تو وہ حجت نہیں۔ اہل حدیث اور محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں لیکن آپ کا حنفی مذہب بھی اسی کا قائل ہے ملاحظہ فرمایئے۔

"عمل حرمین شریفین کا بمقابلۂ حدیث کے حجت نہیں ہے"۔

(نور الہدایہ اردو ترجمہ شرح وقایہ ص ۸۶)

آپ نے پھر بھی ان کے عمل سے دلیل لینے کی کوشش کی ہے تو ہم نے بھی حرمین شریفین کے صحیح حدیثوں پر مبنی اعمال گنوا دیئے تا کہ آپ کا بھانڈا پھوٹ سکے کہ آپ وہاں سے کیا لے اڑے اور کیا کیا چھوڑ کر چل دیئے، ورنہ اللہ کے فضل وکرم سے ہم اہل حدیث جو کچھ مانتے ہیں وہ دلائل ہی سے مانتے ہیں۔ اس لئے آپ بھی صرف دلائل ہی سے مصافحہ کو لیں اور دلائل سے مصافحہ صرف ایک ہی ہاتھ سے ہے۔

معترض نے تراویح کی مثال بھی دی ہے کہ وہاں بیس رکعت پڑھی جاتی ہے اول تو اپنے مذہب کے اصول کے خلاف وہاں کی مثال دینی نہیں چاہئے تھی اور اگر دینی ہی تھی تو حرمین کے دوسرے عمل بھی ماننے چاہئے جو ہم نے گنوائے ہیں، اور پھر سب سے اہم بات یہ کہ حرم شریف میں اگر سنت سمجھ کر بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی ہے تو ہم نے اس کی تردید میں بہت کافی دلائل جمع کر دیئے ہیں اور اگر وہ لوگ صرف مستحب سمجھ کر پڑھتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس سے ہمیں نہ کوئی مطلب ہے اور نہ جھگڑا ہے جس طرح سے حنفی مذہب کی سب سے بڑی کتاب ''ہدایہ'' میں اس بیس رکعت تراویح کو صرف مستحب لکھا ہے۔ ❶ اہم سوال یہ ہے کہ کیا حضرت عمرؓ نے بھی سنت آٹھ رکعت چھوڑ کر مستحب بیس رکعت تراویح کا حکم دیا تھا، آیئے دیکھتے ہیں۔

اختلافات کی بھرمار

پہلے تو ہم بیس رکعت تراویح حکمِ فاروقی کا دعویٰ کرنے والوں کی ضیافتِ طبع کے لئے ایک روایت پیش کرتے ہیں۔ امام محمد بن نصر مروزیؒ اپنی مشہور حدیث کی کتاب ''قیام اللیل'' ص۹۲ پر امام حسن بصریؒ سے حضرت عمرؓ کے متعلق یہ روایت لائے ہیں۔

أمر أبيا فأمهم في رمضان ويصلي بهم ثمانية عشر شفعا

ابیؓ کو حکم دیا پس وہ رمضان میں امامت کرتے اور اٹھارہ مرتبہ دو دو رکعت پڑھاتے۔ یعنی حضرت ابی بن کعبؓ چھتیس رکعت پڑھاتے تھے۔

یقیناً بیس رکعت کا حکم فاروقی پیش کرنے والوں کو مذکورہ چھتیس رکعت کی روایت سے خلجان ہونے لگے گا۔ حنفیوں کی معتبر کتاب فتاویٰ ''قاضی خان'' میں تو حضرت عمرؓ کے ساتھ ساتھ حضرت علیؓ کی چھتیس کی روایت بیان کی۔ بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا حکم بھی امام محمد بن نصر مروزیؒ نے نقل کیا ہے۔

---

❶ ملاحظہ ہو ہدایہ ج۱ص ۱۵۱۔

أمر عمر بن عبدالعزيز القراء في رمضان أن يقوموا بست وثلثين ركعة ويوتروا بثلث (قیام اللیل مروزی ص۹۲)

عمر بن عبدالعزیزؒ نے قرآن کے قاریوں کو حکم دیا کہ وہ چھتیس رکعت پڑھائیں اور تین رکعت وتر پڑھائیں۔

داؤد بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے ابان بن عثمان اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں لوگوں کو دیکھا کہ وہ ۳۶ رکعات اور تین وتر ادا کرتے تھے۔

(ملاحظہ ہو قیام اللیل مروزی ص۹۲)

وہ لوگ کہاں ہیں جو حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابان بن عثمان، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم سے بیس رکعت تراویح ثابت کرتے ہیں، وہ انہی ہستیوں سے چھتیس رکعت کی روایتیں بھی دیکھ لیں اور جواب دیں کہ ان چھتیس رکعتوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ہم اہل حدیث تو یہی کہیں گے کہ نہ بیس سنتِ پیغمبر ہیں اور نہ چھتیس۔ اگر بیس مستحب ہیں تو چھتیس بھی مستحب ہیں۔ ہم لوگ تقلید کے قائل نہیں، ہم لوگ تحقیق کے شیدائی ہیں، اس لئے تحقیقی بات یہ ہے کہ نہ صحیح سند کے ساتھ خلفاء راشدین سے بیس ثابت ہیں اور نہ چھتیس۔ یہ تمام روایتیں علامہ عینیؒ ''عمدۃ القاری'' میں مجملاً اور محدث ابن ابی شیبہ اپنی مصنف جلد دوم ''فی صلوٰۃ رمضان'' میں مفصلاً لائے ہیں۔ یہی روایتیں ہم نے ''قیام اللیل'' مروزی مطبوعہ رفاہ عام لاہور سے لی ہیں۔

وہب بن کیسانؒ کہتے ہیں کہ لوگ رمضان میں آج کے دن چھتیس رکعات اور تین وتر ادا کرتے تھے۔ (قیام اللیل ص۹۱)

محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ معاذ ابوحلیمۃ القاری لوگوں کو اکتالیس رکعات پڑھاتے تھے (قیام اللیل ص۹۱) اعتراض کرنے والے جو درجہ ۳۶ اور ۴۱ رکعات کو دیں گے وہی ہم اہل حدیث بیس رکعت تراویح کو دیں گے۔ اب آپ راضی ہیں؟

عمرو بن مہاجر کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے عام لوگ رمضان شریف میں پندرہ سلاموں سے نماز ادا کرتے تھے، وہ اپنے قبے میں معلوم نہیں کیا کرتے ہوتے تھے۔ (قیام اللیل مروزی ص ۹۱)

لیجئے آپ نے بیس رکعتیں عمر بن عبدالعزیزؒ سے ثابت کی تھیں۔ہم نے اوپر ان ہی سے ۳۶ رکعات بھی ثابت کردی ہیں اور اب ان ہی پانچویں خلیفہ راشد سے پندرہ سلاموں کے ساتھ تیس رکعات بھی ثابت ہورہی ہیں (ذرا اسے بھی یاد کر لیجئے کہ ہم نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے کی آٹھ رکعتیں اسی کتاب میں ثابت کی ہیں)

نافعؒ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو انتالیس رکعات نماز مع تین وتر نماز ادا کرتے ہوئے پایا ہے۔ (قیام اللیل ص ۹۲)

ورقاء بن ایاسؒ کہتے ہیں کہ سعید بن جبیرؒ ہم کو شروع رمضان سے بیس رات تک چھ ترویحات نماز پڑھاتے تھے اور جب آخری عشرہ آتا تو ایک ترویحہ اور زیادہ کردیتے چھ ترویحات کی چوبیس رکعات ہوئیں۔

یونس بن حسن وعمران العبدی کہتے ہیں کہ لوگ پانچ ترویحے ادا کرتے (یعنی بیس رکعات، جب آخری عشرہ داخل ہوتا تو ایک ترویحہ اور زیادہ کردیتے (یعنی ۲۴ رکعات)۔ (قیام اللیل ص ۹۲)

عمران بن جدیر کہتے ہیں کہ ابومجلز لوگوں کو چار ترویحے (یعنی سولہ رکعات) پڑھاتے تھے اور ان چار ترویحوں میں قرآن کا ساتواں حصہ پڑھتے (یعنی ایک منزل روزانہ)

ابن ایمنؒ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ نے رمضان میں لوگوں کو ۳۸ رکعات پڑھانا پسند کیا اور پھر امام لوگوں کو صرف ایک رکعت وتر پڑھاتے اور یہ عمل مدینہ طیبہ میں جنگ حرہ سے پہلے سے آج تک ایک سو برس سے زیادہ عرصہ سے جاری ہے۔

(قیام اللیل ص ۹۲)

معترض نے بیس کے اقوال پیش کئے تو ہم نے یہ اقوال پیش کر دیئے۔ لیجئے یہ ہے اختلاف کی وہ بھر مار جس کی پیشین گوئی خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی۔ اور فرمایا تھا کہ جو تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا، پس تم میری سنت کو اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑ لینا۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کی سنت کو ہم نے تراویح میں دیکھا تو صرف آٹھ رکعات علاوہ وتر کے ملتی ہیں، اور کسی ایک صحابی نے بھی ۲۰۔۲۴۔۲۸، ۳۰۔۳۶۔۳۸۔۴۱ وغیرہ تعداد رسول اللہ ﷺ سے روایت نہیں کی۔ اب اگر اختلاف کے وقت ایمانداری سے اللہ کے حکم پر عمل کریں تو یہ اختلاف ختم ہوسکتا ہے اور اللہ کا حکم ایسے وقت میں یہ ہے:

پس اگر تم تنازعہ (یعنی اختلاف) کرو کسی چیز میں تو (فیصلے کے لئے) اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول ﷺ کی طرف لوٹاؤ۔ (سورہ نساء آیت ۵۹) ❷

رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹنے پر صرف اور صرف آٹھ رکعت علاوہ وتر کے صحیح سند کے ساتھ ملتی ہیں، اور اسی پر عمل کرنا چاہئے اور اوپر دی ہوئی حدیث کے مطابق اختلاف کے وقت سنتِ رسول کا اتباع اور خلفاء راشدین کے طریقے کی پیروی کرو۔ سنتِ رسول تو ہمارے سامنے صرف آٹھ رکعت ہی ہے لیکن خلفاء کی سنت میں لوگوں نے اور راویوں نے بڑی گڑبڑ کی ہے۔ ہم نے اپنی کتاب ''حدیث نماز'' میں ص ۲۱ سے ۲۵ تک صحیح بخاری اور موطا سے یہ ثابت کیا ہے کہ جب فرض نمازوں

---

❶ من یعش منکم فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها عضوا علیها بالنواجد
(ابوداؤد ج ۲ ص ۶۳۵ کتاب السنة باب لزوم السنة / ترمذی ج ۲ ص ۹۶ أبواب العلم باب الأخذ بالسنة واجتناب البدعة / دارمی ج ۱ ص ۵۷ باب اتباع السنة

❷ فإن تنازعتم فی شیء فردوه إلی الله والرسول (سورہ نساء ۴: ۵۹)

تک کی صورت لوگوں نے ایسی بدل ڈالی تھی کہ جو صحابہ کرام باقی رہ گئے تھے وہ آٹھ آٹھ آنسو روتے تھے ان ہی میں حضرت انسؓ اور حضرت مالک بن ابو عامر اصبحیؒ بھی تھے جو کہا کرتے تھے کہ لوگوں نے وہ طریقۂ نبی بدل دیا جس پر اصحابِ رسول تھے، ایک نماز رہ گئی تھی تو اب وہ نماز بھی برباد کردی گئی۔ ❶

ناظرینِ کرام! جب فرض اور پنجوقتہ نمازوں کی یہ حالت ہے تو بے چاری سنت تراویح کس شمار میں ہے۔ اس کی صورت بھی لوگوں نے کیا سے کیا کردی۔

بیس رکعات تراویح کی روایتوں کا حال

جب فرض نمازیں خرابی سے محفوظ نہیں رہیں تو تراویح کیسے محفوظ رہ سکتی تھی۔ حضرت عمرؓ سے تین طرح کی تعداد روایت کی گئی ہے، ۳۶ اور ۲۰ اور ۱۱ کی، حضرت علیؓ سے ۲۰ اور ۳۶ کی اور عمر بن عبدالعزیزؒ سے ۳۶۔۳۰۔۲۰ اور ۸ روایت کی گئی ہے۔ خلفاء راشدین کی سنت کون سی ہے یہ بات سندوں اور راویوں کی تحقیق کئے بغیر معلوم نہیں ہوسکتی۔

تحقیق تو بعد میں کریں گے معترض نے بیس کے جتنے دلائل لکھے ہیں وہ سب اقوال ہیں، جن میں ضعیف بھی ہیں اور منقطع بھی، حدیثِ پیغمبر تو ان میں ایک بھی نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ تراویح کے یہ مختلف عدد مباح یا مستحب کہلا سکتے ہیں، سنت ہرگز

---

❶ صحیح بخاری میں ہے:

عن عثمان بن أبی رواد أخی عبدالعزیز قال سمعت الزهری یقول دخلت علی أنس بن مالك بدمشق وهو یبکی فقلت مایبکیك فقال لا أعرف شیئا مما أدرکت إلا هذه الصلوة وهذه الصلوة قد ضیعت.

(بخاری ج۱ ص۷۶ کتاب مواقیت الصلوة باب فی تضییع الصلوة عن وقتها)

موطا امام مالک میں ہے: حضرت مالک بن ابو عامر اصبحی کہتے ہیں: ما أعرف شیئا مما أدرکت علیه الناس إلا النداء بالصلوة (موطا امام مالک ص۲۵ باب ماجاء فی النداء للصلوة)

نہیں۔تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے کیا سنتِ نبوی آٹھ رکعت چھوڑ کر مستحب عدد بیس یا چھتیس کا حکم دیا؟ ذرا تحقیق و تلاش کیجئے! ان شاء اللہ اس کا بھی حل مل جائے گا۔بیس رکعت تراویح کی دلیلیں جو خلفاء راشدین اور دیگر حضرات سے بیان کی جاتی ہیں ظاہر ہے کہ اس کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ہے اور جو ایک روایت بیس رکعت کی تھی وہ منکر و موضوع ثابت ہو چکی ہے۔ جب جڑ ہی کٹ گئی تو اب شاخوں کا باقی رہنا مشکل ہے۔آٹھ رکعت کی تین تین مرفوع حدیثوں کے سامنے ان اقوال اور غیر مرفوع روایتوں کا کوئی وزن نہیں۔اگر ایک مرفوع روایت کے مقابلے پر مخالفت میں بیسیوں غیر مرفوع روایتیں ہوں تب بھی ایک صحیح روایت کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

ان روایتوں کے متعلق علامہ امیر یمانی صنعانیؒ لکھتے ہیں:

إذا عرفت هذا علمت أنه ليس في العشرين رواية مرفوعة بل ياتي حديث عائشة المتفق عليه أنه ﷺ ما كان يزيد في رمضان ولا غيره على احدىٰ عشرة ركعة

(دیکھو سبل السلام شرح بلوغ المرام المجلد الاول الجزء الثانی ص ۱۰) ❶

”جب تم نے ان روایتوں کو پہچان لیا تو یہ بھی جان لیا ہے کہ بیس رکعات تراویح کی ایک بھی روایت مرفوع نہیں ہے (یعنی اس کی سند رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچتی) بلکہ حضرت عائشہؓ سے بخاری و مسلم کی یہ حدیث آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے“

حیرت ہے کہ ان غیر مرفوع آثار کو مرفوع اور صحیح حدیثوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔تمام فقہائے اسلام میں ایسے اصول و قواعد تو کسی کے یہاں بھی نہیں ہیں۔مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ موقوف اور غیر مرفوع آثار بھی صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں

---

❶ سبل السلام تصحیح و تعلیق محمد عبد العزیز الخولی ج ۲ ص ۳۹۴ مکتبہ اشاعت اسلام دہلی

ہیں۔مثال کے طور پر یزید بن رومان کی روایت موطا امام مالک اور سنن بیہقی میں آتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ بیس رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔❶ امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ ویزید بن رومان لم یدرک عمر

(سنن بیہقی جلد دوم ص ۴۹۶)

علامہ عینی اپنے مذہب کے مطابق بیس رکعت کو مستحب بتاتے ہوئے یزید بن رومان کی روایت لائے ہیں اور اس پر لکھتے ہیں:

ویزید لم یدرک عمر فیکون منقطعا

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری الجزء الثالث ص ۵۹۸)❷

یزید بن رومان نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا۔اس لئے یہ روایت منقطع ہے۔
اب ذرا بتاؤ کہ منقطع روایت بھی دلیل بن سکتی ہے؟

ایک روایت یحییٰ بن سعیدؒ سے بھی بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے۔یہ یحییٰ بن سعید پانچویں طبقہ کے تابعی ہیں۔حضرت عمرؓ کو دیکھنا تو درکنار یہ آپ کی زندگی میں پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کیونکہ یحییٰ بن سعید اور عمر فاروقؓ کی وفات میں ایک سو نو برس کا فاصلہ ہے۔یعنی یہ روایت بھی منقطع ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ کا یہ اثر بھی کنز العمال کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ ابی بن کعبؓ نے لوگوں کو بیس رکعت پڑھائی،اس روایت کی سند کچھ بھی معلوم نہیں،اس لئے یہ اثر منقطع ہے اور منکر بھی ہے،کیونکہ یہ ابی بن کعبؓ رسول اللہ ﷺ

---

❶ عن یزید بن رومان أنه قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلث وعشرین رکعة۔

(موطا ص ۴۰ باب ماجاء فی قیام رمضان / السنن الکبری للبیهقی ج ۲ ص ۴۹۶ باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان

❷ عمدۃ القاری ج ۷ ص ۴۵۹

کے زمانے سے آٹھ رکعت پڑھاتے چلے آرہے تھے۔ اور آگے آپ ان شاء اللہ پڑھیں گے کہ عہد فاروقی میں بھی نہ چھتیس نہ بیس بلکہ صرف آٹھ رکعت ہی انہوں نے پڑھائی ہیں، اسی طرح حسن بن عبدالعزیز کا اثر جو ابی بن کعبؓ کے متعلق بیس رکعت پڑھانے کا آتا ہے ❶ وہ بھی منقطع ہے اس میں بھی بیچ کے نامعلوم راوی غائب ہیں دوسرے یہ کہ حضرت ابیؓ کی صحیح روایت کے خلاف ہونے کی وجہ سے منقطع ہونے کے ساتھ ساتھ منکر بھی ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ کوئی بھی روایت صحت کے ساتھ متصل سند کے طور پر حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں ہے، اس سے بھی برا حال چھتیس رکعت کی روایتوں کا ہے، ایمانداری سے آپ اپنے دلائل کی تحقیقات پیش کیجئے جیسے ہم نے آٹھ رکعت کے دلائل اوران کی تحقیق پیش کی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ابھی ہم چھتیس کا بیان کر آئے ہیں، آپ نے بھی بیس کے دلائل دیئے ہیں، آپ کو لامحالہ یہاں بھی کھرے کھوٹے کی جانچ کرنی چاہئے اور تحقیق پیش کرنی چاہئے، ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ شتیر بن شکل جو بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ رمضان میں بیس رکعت اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ ❷ یہ بیان قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ شتیر شیعہ تھے، شیعوں میں ایسے لوگوں کی کثرت تھی جنھوں نے اپنی پُرفریب چالوں میں پھانسنے کے لئے پہلے حضرت علیؓ کا بھرپور ساتھ دیا لیکن جب آپ ان کی چالوں میں نہیں پھنسے تو ان شیعوں نے حضرت علیؓ کو کوفہ کی مسجد کے دروازے پر شہید کر ڈالا، تحقیق کیجئے کہ شتیر کن لوگوں میں سے تھے۔ ویسے بھی شتیر کے بعد کے راویوں کا سلسلہ ٹھیک نہیں ہے۔

ایک اور روایت ابوالحسناء (ابوالحسنات غلط ہے) کی پیش کی ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ امام بیہقیؒ ابوالحسناء کی روایت بیان کر کے کہتے ہیں کہ اس کی سند میں ضعف

---

❶ اس روایت کے لئے دیکھیں مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۳۹۴۔

❷ ملاحظہ السنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ باب ماروی فی عدد رکعات قیام شہر رمضان

ہے۔(دیکھو سنن بیہقی جلد دوم ص ۴۹۷) ❶

ایک اور روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت علیؓ نے قرآن کے قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک صاحب کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائیں۔ حضرت علی وتر پڑھاتے تھے۔ ❷

یہ حدیث تو ہے نہیں صرف اثر ہے اور وہ بھی سند کے اعتبار سے حد درجہ ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں حماد بن شعیب راوی ضعیف اور متروک الحدیث ہے (دیکھو میزان الاعتدال جلد اول ص ۲۴۷) سند میں حماد کے استاد عطاء بن سائب ہیں یہ پہلے ثقہ اور مضبوط راوی تھے لیکن بعد میں بد حافظہ ہو گئے اور عدالت وثقاہت سے گر گئے تھے۔ جب یہ صحیح تھے اس وقت کے روایت کرنے والوں میں متروک اور ضعیف ہونے کے باوجود حماد کا شمار نہیں ہے۔ اس لئے یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

(عطاء بن سائب کے حالات میزان الاعتدال جلد دوم ص ۷۷ امیں دیکھئے)

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ پر لوگوں کو جمع کر دیا تو وہ بیس رکعت پڑھاتے تھے۔ حاشیہ نگار زہیر شاویش نے وہیں ابن قدامہؒ کی غلطی پکڑ لی اور لکھ دیا۔ لم يثبت حديث في هذا العدد بل الثابت جمعهم على إمام واحد

(دیکھو الکافی جلد اول ص ۱۵۴ مطبوعہ المکتب الاسلامی دمشق)

بیس کے عدد کی روایت ثابت نہیں ہے بلکہ ثابت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ایک امام پر جمع کر دیا۔

کچھ تو ہے جو ہر طرف سے بیس رکعت پر ضرب پڑ رہی ہے حضرت عثمانؓ سے بھی کوئی روایت صحیح سند کے ساتھ بیس رکعت کی نہیں ہے۔

---

❶ ملاحظہ ہو السنن الکبری بیہقی ج ۲ ص ۴۹۷ باب ماروی فی عدد رکعات قیام شهر رمضان

❷ السنن الکبری بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ وسنده ضعيف اس کی سند میں حماد بن شعیب راوی ضعیف ومنکر الحدیث ہے۔ دیکھئے لسان المیزان ج ۲ ص ۳۴۸۔

حضرت عمرؓ کا صحیح حکم

امام محمد بن نصر مروزیؒ بالکل صحیح اور متصل سند سے یہ روایت اپنی کتاب ''قیام اللیل'' ص۹۱ مطبوعہ لاہور میں لائے ہیں:

عن السائب بن يزيد قال أمر عمر بن الخطاب أبی بن كعب وتميما الداری أن يقوما للناس بإحدى عشرة ركعة وفی رواية كنا نصلی فی زمن عمر بن الخطاب فی رمضان ثلث عشرة ركعة ولكن والله ما نخرج إلا وجاه الصبح۔ ❶

ترجمہ:۔ سائب بن یزید سے روایت ہے کہ عمر بن خطابؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم الداری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھا دیا کریں اور ایک روایت میں ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانے میں تیرہ رکعت رمضان شریف میں پڑھتے تھے اور بخدا ہم صبح صادق کے قریب قریب (مسجد سے) نکلتے تھے۔

یہ حدیث متصل سند سے اور صحت کے ساتھ موطا امام مالک میں ہے۔ اور ان ہی سائب بن یزیدؓ سے یہ بھی روایت موطا میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے۔ ❷

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا جو حکم ہے وہ بھی ان ہی صحابی نے

---

❶ موطا امام مالک ص۴۰ باب ماجاء فی قیام رمضان / السنن الكبرى للبيهقى ج۲ ص۴۹۶ باب ماروى فى عدد ركعات القيام ان دو کتابوں میں یہ روایت اس طرح ہے عن السائب بن يزيد أنه قال أمر عمر بن الخطاب أبیّ بن كعب وتميما الداری أن يقوما للناس بإحدى عشرة ركعة قال وكان القارى يقرئ بالمئين حتى كنا نعتمد على العصى من طول القيام وماكنا ننصرف إلا فی فروع الفجر۔

❷ یہ روایت السنن الكبرى للبيهقى میں ہے ملاحظہ ہو السنن الكبرى للبيهقى ج۲ ص۴۹۱ باب ماروى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان۔

روایت کیا ہے اور اس زمانے میں دوسرے لوگ جو اپنی طرف سے رکعتیں ملا ملا کر اور بڑھا بڑھا کر پڑھتے تھے وہ بھی یہی صحابی روایت کر رہے ہیں۔ اب رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق حضرت عمرؓ کا حکم ماننا ہے تو آٹھ رکعت پڑھو اور اگر اس زمانے کے لوگوں کی نقل کرنی ہے، جس زمانے میں فرائض تک کی صورت بگڑنے لگی تھی تو بیس پڑھو، دوسری روایات کے مطابق چوبیس پڑھو، اٹھائیس پڑھو، تیس پڑھو، چھتیس پڑھو، چالیس پڑھو، مگر پیارے بھائی ان زیادہ رکعتوں میں نفل کا ثواب تو مل سکتا ہے مگر وہ ثواب جو پیارے نبی ﷺ کی سنت اور اسی کے مطابق حکم عمرؓ میں جو حکمت و ثواب ہے وہ لوگوں کی نقل میں کہاں؟ ویسے بھی ہم نے کلمہ اپنے پیارے نبی ﷺ کا پڑھا ہے لوگوں کا کلمہ نہیں پڑھا۔

''کوئی کسی کا ہو رہے نبی کے ہو رہے ہم''۔

میرے بھائی! انہی سائب بن یزید سے بعض نیچے درجے کی کتابوں میں یہ روایت بھی آتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت ابیؓ بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ تو یہ روایت حد درجہ ضعیف ہے اور مضمون کے لحاظ سے منکر ہے، کیونکہ یہ روایت سنتِ پیغمبر کے خلاف ہے اور حضرت ابیؓ کے متعلق آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے مبارک زمانے سے وہ برابر آٹھ رکعت تراویح پڑھاتے چلے آرہے تھے اور صحیح روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے بھی ان کو یہی مع وتر گیارہ کا حکم دیا تھا، اس لئے سائب بن یزیدؓ کی مضبوط راویوں والی متصل سند سے گیارہ رکعت والی روایت کے خلاف ان ہی کے نام بیس کی روایت میں دو بڑے عیب ہیں، اول تو وہ منکر ہے۔ دوم مضطرب بھی ہے۔ جو روایت مضطرب یا منکر ہو تو وہ اہلِ اسلام میں کسی طبقے کے نزدیک بھی دلیل نہیں بن سکتی۔ لیکن معترض نے اپنے مذہب کے اصول کے خلاف پھر بھی اسے دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ حضرت سائبؓ کی بیس کی روایت اگر

مضطرب نہ بھی ہوتی اور منکر بھی نہ ہوتی اور صحیح سند سے بھی ہوتی تب بھی حضرت عمرؓ کا فعل و حکم سنتِ نبوی کے مقابلے میں کسی کے بھی نزدیک دلیل نہیں بن سکتا تھا، چہ جائیکہ لچر پوچ سند اور مضطرب و منکر مضمون کا اثر لا کر سنت نبوی کو رد کیا جائے (استغفر اللہ)

علماء و مصلحین کو چاہئے کہ اس اختلاف کی بھر مار میں برابر تحقیق و تنقید کرتے رہیں تو ان شاء اللہ اوپر کا بھوسا اور خس و خاشاک ہٹتے ہی صاف و صحتمند دانے مل جائیں گے، جھاگ اور کچرا ہٹاتے ہی شفاف پانی کے اندر قیمتی موتی نظر آ جائیں گے علم و تحقیق کا مقصد یہی ہونا چاہئے کہ سنتِ نبوی ﷺ کی طرف سے دفاع کیا جائے، حملہ نہ کیا جائے اور ایسا کرنے والوں کو خود رسول اللہ ﷺ نے دعا دی ہے۔ جب ہم اپنا طریقہ بنالیں گے تو چٹان کی طرح مضبوط اور سونے کی طرح کھرے دلائل ہمارے سامنے ان شاء اللہ آ جائیں گے۔

سونے کی چٹان

حضرت امام طحاویؒ حنفی مذہب کے سب سے اونچے محدث مانے جاتے ہیں وہ تین وتر کو ثابت کرتے ہوئے یہی گیارہ رکعت تراویح کی روایت لائے ہیں جس میں حضرت عمرؓ کا حکم موجود ہے۔ سند کے لحاظ سے یہ روایت اصح الصحیح ہے، ترجمہ حسب ذیل ہے۔

''حدیث بیان کی ہم کو ابو بکرہ نے، کہا حدیث بیان کی ہم کو روح بن عبادہ نے، کہا حدیث بیان کی ہم کو امام مالک نے، وہ روایت کرتے ہیں محمد بن یوسف سے، وہ روایت کرتے ہیں سائب بن یزید سے کہ عمر بن خطابؓ نے ابی بن کعب اور تمیم الداری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں، راوی کہتے ہیں کہ قاری سو سو آیتوں والی رکعتیں پڑھاتے یہاں تک کہ ہم لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھی کا

سہارا لے لیتے اور ہم فجر طلوع ہونے کے قریب نماز سے پھرتے تھے۔
(دیکھو شرح معانی الآثار عربی جزء ثانی ص۲۹۳ مطبوعہ انوار المحمدیہ قاہرہ) ❶

امام طحاوی حنفی محدث ہونے کے باوجود پوری کتاب میں بیس رکعات تراویح کی نہ حدیث لائے اور نہ کسی صحابی کا اثر لائے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ روایتیں از روئے سند نا قابلِ اعتبار ہیں۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے اپنی دوسری کتاب ''المقطع'' میں بھی بیس رکعات تراویح مستحب بتانے کی کوشش کی تو دوسرے حنبلی عالم سلیمان بن عبداللہ نے حاشیہ پر یہی گیارہ رکعت کی حضرت عمرؓ کے حکم والی صحیح روایت درج کر کے ابن قدامہؒ کے استدلال کو رد کر دیا۔

ہمارے معترض نے حضرت عمرؓ کے گیارہ رکعت تراویح کا حکم دینے کی روایت سے بالکل آنکھیں پھیر لیں۔ اس کی متصل اور صحیح سند کو بھی پیٹھ دکھا دی۔ اور اس روایت کے متعلق انھوں نے لکھا ہے کہ اس روایت میں رمضان کا لفظ نہیں ہے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ یہ حکم ایک دو دن کے لئے تھا یا پورے مہینے کے لئے تھا اور پھر اس کے مقابلے پر وہی منکر اور مضطرب روایت سے استدلال کیا جس کی طرف ہم ابھی آپ کو توجہ دلا چکے ہیں۔ صحیح روایت سے بچنے کے لئے ایسی بچکانہ باتوں کا سہارا لینا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم اپنی اس کتاب کے ص۱۰۰ * پر تین صاحبان کی مثال دے چکے ہیں۔ ذرا کوئی ان جیسے اعتراض کرنے والوں سے پوچھے کہ آخر کون سی نماز کے لئے حضرت عمرؓ نے ان دونوں بزرگوں کو مقرر کیا تھا، اگر فرض نمازیں لیتے ہیں تو

---

❶ الفاظ یہ ہیں۔ عن السائب بن يزيد قال أمر عمر بن الخطاب أبي بن كعب وتميما الداري أن يقوما للناس بإحدى عشرة ركعة قال فكان القاري يقرأ بالمئين حتى يعتمد على العصي من طول القيام وماكنا ننصرف إلا في فروع الفجر
(شرح معانی الآثار ج۱ ص۲۰۵ باب الوتر/ موطا امام مالک ص۴۰ ماجاء فی قیام رمضان)

* ملاحظہ ہو ص۱۰۵

کسی نماز کی گیارہ رکعتیں جماعت سے نہیں پڑھائی جاتیں اور تہجد لیتے ہیں تو معترض کے نزدیک تہجد جماعت سے نہیں پڑھی جاتی اور حضرت عمرؓ نے ان دونوں حضرات کو تہجد کے نام پر نہیں بلکہ قیام رمضان کے نام پر مقرر کیا تھا۔ اور یہ تو ہم نے معترض کے مانے ہوئے عالموں کی تحریر سے ثابت کر دیا ہے کہ قیام رمضان یعنی تراویح اور تہجد کوئی الگ الگ چیز نہیں ہے۔

ہاں البتہ یہ اعتراض ہم کو ان کی نماز جنازہ کی دلیل پر کرنا چاہئے تھا جو انھوں نے اپنی اضافہ شدہ کتاب کے ص ۱۶۹ پر ابو ابراہیم اشہلیؒ کی وہ روایت بیان کر دی جس میں اللّھم اغفر لحینا الخ اور اللّٰھم من أحییتہ الخ دو دعائیں نماز جنازہ کی مذکور ہیں۔ اور پھر اس کے آخر میں لکھ دیا کہ حنفی مذہب کا عمل اسی پر ہے، حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ حنفی مذہب والے نماز جنازہ میں تکبیرات بھی کہتے ہیں اور سلام بھی پھیرتے ہیں اور ان تکبیروں کا ذکر اس روایت میں بالکل نہیں ہے، آپ کا جواب یہی ہوگا کہ تکبیروں کا ذکر دوسری حدیث میں ہے۔ مہربان! یہی ہم کہتے ہیں کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا بیان صحیح بخاری شریف میں ہے جس امام بخاریؒ کی گواہی اس آپ کے جنازہ کی دلیل کی صحت میں نقل کی وہی امام بخاریؒ ابن عباسؓ کا فتوی لائے ہیں۔ یہاں ابن عباسؓ اور بخاریؒ دونوں سے آنکھیں پھیر لیں۔ امام بخاریؒ نے ابو ابراہیم والی روایت کی سند کو صحیح کہا ہے، یہ تو ہرگز نہیں کہا کہ نماز جنازہ اتنی ہی ہے۔ اف سورہ فاتحہ کی حدیث کو رد کرنے کے لئے یہ غلط بیانی اور اس حدیث کو اپنا مذہب بتانا جس میں نہ تکبیروں کا ذکر ہے اور نہ سلام کا، وہاں یہ مین میخ آپ نے نہیں نکالی کہ اس میں تکبیرات کا ذکر نہیں ہے اس میں سلام کا ذکر نہیں ہے، اس میں ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں ہے، جماعت سے یا اکیلے نماز جنازہ پڑھنے کا بھی ذکر نہیں، ایک دو جنازے کی نماز پڑھی جائے یا سب جنازوں پر پڑھی جائے، یہ بھی ذکر نہیں ہے، ابو ابراہیم کے

والد نے نبی کریم ﷺ کو پڑھتے سنا، لیکن آپ اگر نہ سنائیں اور خاموشی سے پڑھ لیں تب بھی حرج نہیں، ذرا اپنی عادت کے مطابق اپنی جنازے کے نماز کی دلیل میں بھی یہ تنقید کرنی چاہئے تھی۔

حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعت کا جو حکم دیا وہ روایت سونے کی چٹان کی طرح مضبوط اور کھری ہے جس کے متعلق مشہور محدث ابن اسحاق کہتے ہیں:

''یہ حدیث اس میں سب سے زیادہ صحیح ثابت ہے جو میں نے تراویح کے بارے میں سنا ہے''۔ اور حدیث عائشہ کے مطابق بھی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کا حال ہے''۔ (دیکھو فتح الباری جلد۴ ص ۲۵۴)

امام سیوطی لکھتے ہیں:

''اس کی سند اعلیٰ درجے کی صحیح ہے''۔ (دیکھو کتاب المصابیح ص ۲۰)

علامہ شوق نیموی حنفی لکھتے ہیں:

''اس کی سند صحیح ہے''۔ (دیکھو آثار السنن جلد دوم ص ۵۲)

حضرت عمرؓ نے جو گیارہ رکعت کا حکم دیا اس پر صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی نہ تردید کی اور نہ تنقید، اس لئے یہ بمنزلہ اجماع کے ہے۔ حضرت علیؓ نے جب مسجد نبوی کو دیکھا جہاں حضرت عمرؓ کے حکم سے گیارہ رکعت نماز پڑھی جارہی تھی تو دل سے دعا دی کہ اللہ عمرؓ کی قبر کو اسی طرح منور فرمائے جس طرح انھوں نے ماہ رمضان کو (گیارہ رکعت کا حکم دے کر منور فرما دیا ہے۔ ❶

(دیکھو عمدۃ القاری جزء ثالث ص ۵۹۶)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں سلفیین آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

(ما ثبت بالسنہ ص ۲۱۷)

---

❶ اسد الغابۃ ج ۴ ص ۱۸۳ میں حضرت علی کا ایک قول اس طرح ہے ''اللہ تعالیٰ سیدنا عمر کی قبر کو منور کرے جس نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا۔

حضرت عمرؓ کے بعد جو گورنر آئے انھوں نے گیارہ کو بیس رکعت سے بدل دیا لیکن فاروق اعظمؓ کے زمانے میں جو علاقے فتح ہوئے تھے ان میں سے بہت سی جگہ چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں آٹھ رکعت آج تک جاری ہے۔

چنانچہ حکومت شارقہ میں آٹھ رکعت پڑھی جاتی ہے۔حکومت راس الخیمہ میں آٹھ رکعت تراویح قائم ہے۔حکومت ام القیوین میں بھی آٹھ ہی رکعت ہے۔ عجمان میں بھی آٹھ رکعت تراویح ہوتی ہے۔فجیرہ میں بھی آٹھ رکعت ہی ملتی ہے۔ دبئی کی بھی دو تین مسجدوں میں آٹھ رکعت تراویح پڑھی جاتی ہے۔شام کی بعض مساجد میں بھی آٹھ رکعات ہوتی ہے۔اور برصغیر کے ڈھائی کروڑ اہل حدیث بھی حضرت عمرؓ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق آٹھ رکعت ہی ادا کرتے ہیں۔

دبئی میں احناف کی کثرت ہے لیکن جب ۱۴۰۲ھ کی عید الفطر کی نماز میں نے ان کی عیدگاہ میں پڑھی تو حیرت ہوئی کہ انھوں نے پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیرات اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیرات کہیں۔

احناف کی بڑی کتاب ہدایہ عربی جلد اول ص ۱۵۳ پر ''درایہ'' میں بہت سی روایت کا ذکر کرکے آخر میں سنن ترمذی اور صحیح بخاری کی حدیث کو ترجیح دی ہے کہ عیدین کی نماز میں بارہ تکبیرات ہی زیادہ صحیح ہیں۔ ❶

''نماز عیدین میں بارہ تکبیروں کی حدیث صحیح ہے (عین الہدایہ جلد اول ص ۶۶۶ نور الہدایہ ص ۱۵۱) ❷

''عیدین میں چھ تکبیروں کی بابت ابن مسعودؓ کا قول ہے''

دیکھو عین الہدایہ جلد اول ص ۶۶۵ ،نور الہدایہ ص ۱۵۲۔ ❸

---

❶ ملاحظہ ہو ہدایہ تھانوی ج ۱ ص ۱۴۷ باب العیدین

❷ نور الہدایہ اردو ترجمہ شرح وقایہ ج ۱ ص ۱۳۸

❸ ایضاً

یعنی مذہب اہل حدیث میں جو بارہ تکبیرات ہیں وہ حدیث نبوی پر مشتمل ہیں جس کے مقابلے پر صحابی کا قول چھوڑ دیا جائے گا۔ یہ ہے ہماری دلیل کی حقیقت جو سونے کی چٹان کی طرح کھری اور مضبوط ہے اور یہ معترض کے یہاں بھی سمجھایا گیا ہے، مولوی ملا چھپا جائیں تو اس میں ہم سوائے حق بات بیان کر دینے کے اور کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ یہی حال تراویح کا ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کا حکم فاروقی غایت درجے صحت کے ساتھ موجود ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ نے عورتوں کو آٹھ رکعات تراویح پڑھائی اور رسول اللہ ﷺ نے خاموشی سے رضامندی کا اظہار فرمایا تھا۔

مسند ابویعلیٰ اور معجم طبرانی کی یہ حدیث سند حسن کے ساتھ گزر چکی ہے۔ ❶

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو رمضان شریف میں آٹھ رکعت اور تین وتر پڑھائی۔

صحیح ابن خزیمہ جلد دوم ص ۱۳۸ کے حوالے سے یہ حدیث بھی آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں: ❷

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

اس حدیث کے حوالے ہماری اسی کتاب کے صفحہ ۴۴ پر دیکھئے۔ ❸

ان کھرے دلائل اور ٹھیٹھ سنت کو کوئی بھی رد نہیں کر سکا ہے۔

---

❶ دیکھئے اسی کتاب کا ص ۱۰۹

❷ دیکھئے اسی کتاب کا ص ۹۳

❸ دیکھئے اسی کتاب کا ص ۵۰

امام بیہقیؒ

امام بیہقیؒ نے قیام رمضان کی تعداد رکعات کا باب باندھا ہے اور صحیح تعداد بتانے کے لئے سب سے پہلے یہی حدیث عائشہ لائے ہیں، بعد میں لوگوں کی مقرر کردہ تعداد بھی بتائی ہے وہ بھی ضعیف روایتوں پر مبنی۔ معترضین وہ تعداد تو لے لیتے ہیں جو بعد میں بنالی گئی اور وہ تعداد چھوڑ کر چل دیتے ہیں جو پیارے پیغمبر ﷺ نے مقرر کی۔ پھر بھی اطاعت رسول کا دعویٰ ہے

(سنن بیہقی جلد دوم ص ۴۹۵ پر مذکورہ باب ہے)

امام اعظمؒ

آپ کے نزدیک بھی تراویح سنت صرف آٹھ ہی رکعت ہے جس کا اشارہ ص ۱۲۰ پر گزر چکا ہے۔ ❶ بیس رکعت کے لئے آپ کا اتنا اشارہ بھی نہیں ملتا۔ اشارے کے ساتھ تصریح یہ ملتی ہے کہ امام محمدؒ نے اپنی موطا ص ۱۴۱ پر رمضان کے قیام کا باب باندھا ہے اور اس میں یہی حضرت عائشہؓ کی حدیث لائے ہیں اور لکھتے ہیں کہ "ہم قیام رمضان ان ہی حدیثوں سے لیتے ہیں" ❷ اس باب میں بیس کا پتہ بھی نہیں ہے۔ صرف گیارہ رکعت کا بیان ہے، امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ کے ترجمان مانے جاتے ہیں۔ یقیناً لائق شاگرد نے اپنے استاذ کا مذہب بیان کیا ہے جو صرف آٹھ رکعت ہے۔

امام طحاوی حنفیؒ نے شرح معانی الآثار جلد دوم ص ۳۳۴ پر بیان کیا ہے کہ آٹھوں رکعت ایک ہی سلام سے پڑھ سکتے ہیں اور آٹھ رکعت سے کچھ بھی زیادہ کرنا

---

❶ یہ اشارہ مصنف کے قائم کردہ عنوان "حضرت امام ابوحنیفہؒ کی وضاحت" میں دیکھیں۔ ص

❷ ملاحظہ فرمائیں موطا امام محمد ص ۱۴۳

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔ ❶

امام مالکؒ

ہماری کتاب کے بالکل شروع میں کتاب الحوادث والبدع کی عبارت گزرچکی ہے کہ امام مالکؒ نے اپنے لئے صرف تیرہ رکعت مع وتر پسند کی ہے۔

حافظ سیوطیؒ اپنی کتاب ''المصابیح'' پر لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ نے فرمایا،

''وہ رکعتیں جن پر حضرت عمرؓ نے اکٹھا کیا ہے وہ مجھے زیادہ پسند ہیں اور وہ گیارہ رکعات ہیں اور تیرہ اس کے قریب ہیں۔ نہ معلوم لوگوں نے اتنی زیادہ رکعتیں کہاں سے گھڑ لی ہیں''۔

امام شافعیؒ

آپ کے نزدیک عملِ اہل حرمین حجت ہے اس لئے کتاب ''الام'' میں بیس رکعت کو مستحب گردانا ہے۔ لیکن حدیثِ عائشہ کو خود اپنے لئے دلیل کے طور پر مانا ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم جلد اول ص ۲۵۴ پر حضرت عائشہؓ کی حدیث پر امام نووی لکھتے ہیں۔

''اس حدیث سے اور دوسری مذکورہ حدیثوں سے قراءت وقیام کو طویل کرنا مذہب شافعی کی اور دوسروں کی دلیل ہے، جنھوں نے لمبی قراءت اور لمبے قیام کو بہ نسبت زیادہ رکعتوں کے افضل بتایا ہے''۔ ❷

---

❶ عبارت یوں ہے: اختلفوا فی صلوۃ اللیل فقال بعضھم إن شئت صلیت بتکبیرۃ رکعتین وإن شئت أربعا وإن شئت ستا وإن شئت ثمانیا وکرھوا أن یزید علی ذلک شیئا وممن قال ذلک أبو حنیفة

(شرح معانی الآثار ج ا ص ۲۳۲ باب التطوع باللیل والنھار کیف ھو)

❷ الفاظ یہ ہیں: وفی ھذا الحدیث مع الأحادیث المذکورۃ بعدہ فی تطویل القرأۃ والقیام دلیل لمذھب الشافعی وغیرہ ممن قال تطویل القیام أفضل من تکثیر الرکوع والسجود (صحیح مسلم مع شرح النووی ج ا ص ۲۵۴)

امام احمد بن حنبلؒ

امام عبداللہ بن احمد بن محمد ابن قدامہ نے اپنی تیسری کتاب المغنی جلد دوم ص ۱۲۳ پر لکھا ہے۔

''امام احمد بن حنبل نے بیس رکعت کو اختیار کیا ہے''

حالانکہ ابن قدامہؒ کی یہ بات بالکل بے سند اور غلط ہے۔

ابن قدامہؒ امام احمدؒ کے کئی سو برس بعد قریہ جماعیل میں ۵۴۱ھ میں پیدا ہوئے، نہ انھوں نے امام احمدؒ سے سنا اور نہ کوئی سند بیان کی۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب شرح السنہ ص ۱۲۳ جلد ۴ میں صاف لکھ دیا ہے کہ:

''امام احمدؒ نے کوئی فیصلہ تراویح کے بارے میں نہیں کیا''۔

انھیں فیصلہ کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ کیونکہ رات کی نماز کے بارے میں خود حدیث کا فیصلہ گیارہ رکعت کا ابن عباسؓ سے انھوں نے اپنی کتاب مسند میں روایت کیا ہے۔

اہل حدیث

حضرت امام شعبیؒ نے پانچ سو صحابہ کرام کو دیکھا تھا اور سب کو اہل حدیث کہا ہے۔

(دیکھو تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۷۲)

حضرت ابو سعید خدریؓ اپنے شاگردوں سے کہتے تھے کہ تم ہمارے جانشین ہو اور ہمارے بعد تم ہی اہل حدیث ہو۔ (کتاب الشرف ص ۲۱)

تفصیل کے لئے مولانا ابراہیمؒ سیالکوٹی کی کتاب ''تاریخ اہل حدیث'' دیکھئے

امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ نے بالترتیب مقدمہ ہدایہ جلد

اول ص ۹۳ میں، عقد الجید ص ۷۰ میں، میزان شعرانی ص ۵۰ میں، اعلام الموقعین جلد اول ص ۲۱۹ میں اپنی اپنی تقلید کرنے سے لوگوں کو سخت منع کر دیا۔ تقلید سے منع کرنے والے بھی تو یہ بڑے امام ہیں۔ ❶

معترض نے لکھا ہے کہ تقلید پیدائش سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ ماں جس کو بتا دے کہ یہ تیرا باپ ہے تو بچہ اسی کو باپ کہنے لگتا ہے۔ سبحان اللہ! کیا اچھوتی مثال ہے تقلید کی۔ سوال یہ ہے کہ بیٹا باپ کو تسلیم کرتا ہے یا باپ بیٹے کو تسلیم۔ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ باپ تقلید سے نہیں بلکہ بڑی تحقیق سے اپنے بیٹے کو تسلیم کرتا ہے، چنانچہ نکاح سے پہلے جب بچے کی اماں کو ڈھونڈتا ہے تو اس کی عادت اور چال چلن کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہے اور نکاح کرنے کے بعد اپنی حفاظت و نگرانی میں رکھتا ہے۔ پھر اولاد اسی کے نطفے سے پیدا ہو تب اسے اپنی اولاد تسلیم کرتا ہے۔ اور اگر شبہ ہو جائے یا وقت سے پہلے بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بچے کو اور اس کی اماں کو بھی گھر کے باہر نکال دیتا ہے۔ یعنی پیدائش ہی سے تقلید نہیں، بلکہ تحقیق شروع ہو جاتی ہے۔

کتاب میں جو غلطی اور خامی رہ گئی ہو اسے درگزر فرمائیں اور اطلاع دیں مشکور ہوں گا اب آخر میں ایک حدیث سن لیجئے۔

امام ابن ماجہؒ اپنی کتاب سنن ابن ماجہ عربی ص ۳ پر حضرت جابرؓ سے یہ روایت لائے ہیں وہ کہتے ہیں کہ:

ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ ﷺ نے ایک لکیر سیدھی کھینچی اور دو لکیریں اس کے دائیں طرف اور دو اس کے بائیں طرف کھینچیں، پھر

❶ رد تقلید میں ان ائمہ کے اقوال اور تقلید کے نقصانات اور اس کی تباہ کاریوں کا تحقیقی جائزہ دیکھنے کے لئے آج ہی مطالعہ کریں طریق محمدی مصنفہ مولانا [illegible] تعلیقات و حواشی مولانا [illegible] کی جدید ایڈیشن مطبوعہ مکتبہ الفہیم مئو

بیچ کی لکیر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اللہ کا راستہ ہے اور پھر یہ آیت پڑھی وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے اسی کی پیروی کرو۔ [1]

اس حدیث پر غور کیجئے۔ تمام راستوں کو چھوڑ کر اللہ کے راستے پر آ جائیں گے۔ ان شاء اللہ۔

طالبِ دعا
عبدالمتین جونا گڈھ
۱۳/اکتوبر ۱۹۸۲ء

---

[1] ابن ماجہ ج ا ص ۶ باب اتباع سنۃ رسول اللہ ﷺ

سنن دارمی میں ایک روایت اس طرح ہے:

عن عبداللہ بن مسعود قال خط لنا رسول اللہ ﷺ یوما خطا ثم قال ھذا سبیل اللہ ثم خط خطوطا عن یمینہ وعن شمالہ ثم قال ھذہ سبل علیٰ کل سبیل منھا شیطان یدعو الیہ ثم تلا وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ

(سنن الدارمی ج ا ص ۷۸ باب في کراھیۃ أخذ الرای)

مولف کی حیات وخدمات

مولانا مفتی حافظ عبدالمتین میمن جونا گڈھی رحمہ اللہ ۱۶رنومبر ۱۹۳۸ء مطابق ۲۳ر رمضان ۱۳۵۷ھ بروز اتوار ضلع سدھارتھ نگر یوپی کے ایک گاؤں اٹاوہ میں پیدا ہوئے، آپ کے بچپن کا زمانہ وہیں گزرا۔ آپ کے والد محترم کا نام عبداللطیف تھا جو اپنے وقت کے ممتاز عالم اور متقی و پرہیزگار شخص تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ہی سے حاصل کی۔ پھر حصول علم کے لئے شکراوہ گئے اور وہاں مشہور عالم دین شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار صاحب شکراوی اور مولانا عبدالرشید صاحب سے سنن اربعہ اور دیگر کتب کا درس لیا، پھر دہلی کا رخ کیا اور شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستویؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ۱۹۵۸ء میں انھیں کے قائم کردہ مدرسہ ریاض العلوم سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد ''پنجاب یونیورسٹی'' سے عالم اور فاضل کی ڈگری بھی حاصل کی۔

آپ قوی الحافظہ تھے آپ کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ چھ مہینے میں پورا قرآن حفظ کرلیا تھا، اس وقت آپ کی عمر ابھی صرف ۷ سال کی تھی۔ قرآن سے تاحیات آپ کا خصوصی تعلق رہا۔ آپ برابر تراویح میں قرآن سناتے تھے چونکہ آپ امام بھی تھے اس لئے نمازوں میں ترتیب وتسلسل کے ساتھ قرآن پڑھتے تھے اور اس طرح آپ نے صرف نماز کی امامت میں ستر مرتبہ قرآن کو مکمل کیا ہے۔

آپ انتہائی متقی و پرہیزگار تھے۔ حرص وطمع سے پاک تھے۔ اسی لئے لوگ آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ نے دوسروں کے تصنیفی کاموں میں بھرپور مدد کی ہے لیکن کبھی اس کا کسی سے نہ تو ذکر کیا اور نہ ہی اس کا بدلہ چاہا۔

آپ بنگلور کی مسجد اہل حدیث چار مینار میں امام وخطیب تھے اور یہ خدمت آپ نے ۳۸ سال انجام دی ہے۔ آپ کا خطبہ انتہائی موثر ودلنشیں اور قرآن وحدیث سے مدلل ہوتا تھا۔ لوگ دور دور سے آپ کا خطبہ سننے اور آپ کی اقتداء میں نماز جمعہ پڑھنے آتے تھے۔ کئی سالوں تک آپ نے دبئ میں رمضان گزارا ہے اور لوگوں نے آپ کی اقتداء میں تراویح کی نماز پڑھی ہے اور درس سے مستفید ہوئے ہیں۔

آپ نے بنگلور ہی کے ایک مدرسہ بنات المسلمین میں بحیثیت استاذ وتعلیمی نگراں کام بھی کیا ہے۔ آپ صوبائی جمعیۃ اہل حدیث کرناٹک وگوا کے امیر اور مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کی مجلس عاملہ کے رکن بھی رہے ہیں۔ آپ کی تنظیمی ودعوتی صلاحیت کے سبھی لوگ معترف ہیں۔

آپ کی تصانیف کی تعداد ۸ ہے جن میں حدیث نماز، حدیث روزہ وغیرہ مطبوع ہیں۔ کچھ کتابیں اب تک غیر مطبوع ہیں۔ آپ کی سب سے اہم وقابل قدر کتاب ''حدیث خیر وشر'' ہے جو ایک مشہور مقرر محمد پالن حقانی کی کتاب ''شریعت یا جہالت'' کے جدید ایڈیشن میں مسلکِ اہل حدیث پر کئے جانے والے بعض اعتراضات کا محققانہ ومسکت جواب ہے۔ کتاب میں ان اعتراضات کا پہلے آپ نے مختصر جواب دیا ہے اور بعد میں ان کا مفصل جواب دیا ہے۔ اس کتاب میں تراویح اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کی بحث بطور خاص لائق مطالعہ ہے۔ اندازِ تحریر دلکش، موثر ودلنشیں ہے۔

مورخہ ۱۸/اپریل ۲۰۰۹ء بروز چہار شنبہ بعد نماز عشاء آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا، جنازے کی نماز بعد نماز ظہر مسجد اہل حدیث چار مینار میں ادا کی گئی جس میں بلا تفریق مسلک کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی اور دعائے مغفرت کی۔

☆☆☆